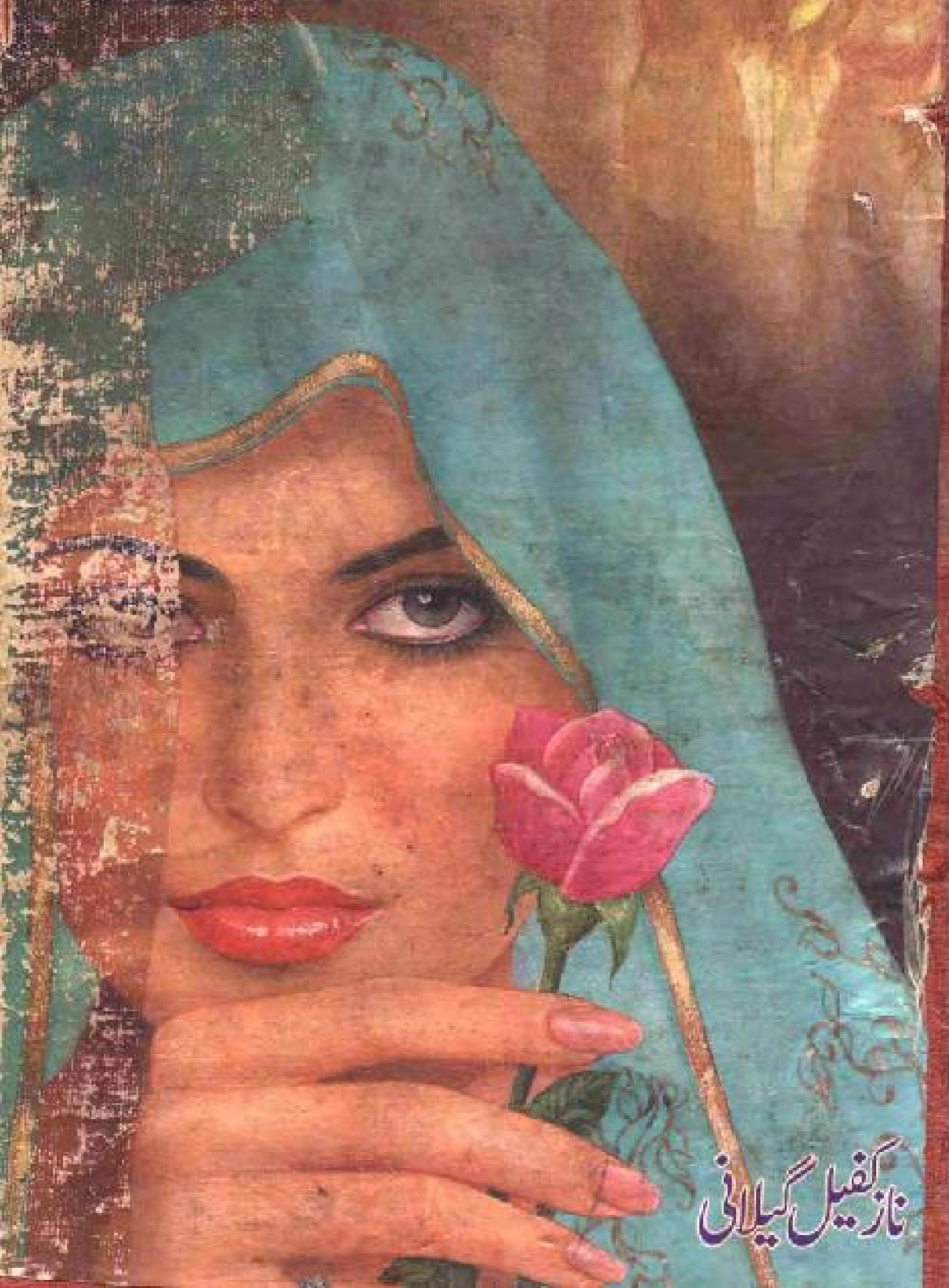
تیرے جلووں کی قسم



عمر بھر دِل کی دنیا بیاباں رہے
عمر بھر کوئی کیونکر پریشان رہے
کھوکھلے قہقہوں کی قبا اوڑھ کر
کیا ضروری ہے انساں انساں رہے
ناز آؤ آپس کا غم بانٹ لیں
زندگی سے کوئی کیوں گریزاں رہے

ناز کفیل گیلانی
ساہیوال۔

''شام میلی ہوگئی...... بتیاں! اب نیچے آجا!...... چاچا ناراض ہوگا۔'' بالے نے زور سے جھولا دے کر منہ اُوپر کیے بتیاں کو جیسے خبردار کیا۔

''آتی ہوں...... تو خوامخواہ ہی ڈرنے لگتا ہے...... ہاں......'' وہ پینگ کو اور اُوپر پاؤں کے زور سے چڑھاتے ہوئے بولی۔

''تم جا رہی ہو......؟'' بالے نے لالی اور چاندنی کو جاتے دیکھ کر کہا۔

''شام ہوگئی ہے...... اور کتنی دیر ٹھہرنا ہے...... اُوئی اللہ...... دیکھو بالی!...... بتیاں کی پینگ آسمان کو چھو رہی ہے۔'' چاندنی نے کانوں کو ہاتھ لگایا...... ''چل! ہم تو چلیں۔'' چاندنی نے بالی کا بازو کھینچا۔

''بتیاں...... اتنی اُونچی پینگ نہ چڑھاؤ...... گر جائے گی۔'' چاندنی جاتے جاتے بولی۔

''کیوں گرے گی بتیاں...... میں جو ہوں...... تھام لوں گا...... بالا ایک دم سے بولا۔

''بالے...... تو کیسے تھام لے گا...... جب آسمان سے گرے گی تو چکنا چور ہو جائے گی...... بس! ریزے ہی ہاتھ آئیں گے۔'' چاندنی نے تمسخرانہ انداز میں کہا اور بالی کے ساتھ تیز تیز چلنے لگی۔

''تم دونوں کے منہ میں خاک...... تم گرو...... بتیاں کیوں گرے......'' بالے نے منہ اُوپر کیے بتیاں کو دیکھا۔

''آ رہی ہوں...... بالے...... بس......'' وہ بلند آواز سے بولی......

اور جھولا آہستہ ہوتا گیا......

''دیکھتی نہیں ہے شام ہوگئی ہے...... باغ خالی ہو رہا ہے۔'' وہ خفا سا بولا۔

''بالے! پھر کیا ہوا...... تو جو ہے میرے ساتھ...... پھر کاہے کا ڈر......'' بتیاں بالے کے شانے پر ہاتھ رکھے اُس کے سہارے چلنے لگی۔

''تجھے تو کسی کا ڈر ہی نہیں ہے...... وہ دیکھ! سب چلے گئے...... بالی اور چاندنی......'' بالے نے تیز تیز چلتے ہوئے کہا۔

''چاندنی اور بالی بھی چلی گئیں......؟'' بتیاں حیرت سے بولی۔

''اور کیا...... تیرے سامنے تو گئی ہیں...... اب تو گھر بھی پہنچ چکی ہوں گی۔''

دونوں گیٹ سے باہر نکل گئے......

وہ ہرنی کی طرح چوکڑیاں بھرتی کبھی بالے کی بیساکھی پر ہاتھ رکھتی اور کبھی اُس کے شانے پر...... کبھی اُچھلتی کودتی...... بچگانہ ذہن کی بتیاں...... معصومیت اور سادگی کا پیکر۔

''دیکھ! آسمان کی طرف......'' بالے نے دروازے کے باہر کھڑے ہو کر آسمان کی طرف دیکھا۔

''ہائے میں مری بالے...... واقعی رات ہو رہی ہے...... تارے بھی نظر آ رہے ہیں۔''

وہ خوفزدہ سی بالے سے ہی چمٹ گئی۔

''بھائی بھی آ گیا ہوگا...... لگ جائے گا تمہیں جھولے جھولنے کا پتہ......'' بالے نے بڑی چاہت سے یوں ہی اپنے ساتھ بتیاں کو دیکھا۔

''اچھا! اب دروازہ کھٹکھٹا...... کہ بس ڈرتا ہی رہے گا......'' وہ بولی اور بالے کو ٹھوکا دیا۔

بالے نے آہستہ سے دستک دی۔

اور دوسرے ہی لمحے کنڈی گری اور خدیجہ خونخوار نظروں سے دونوں کو گھورتے واپس چولہے کے پاس چلی گئی...... اور بڑی تیزی سے ہانڈی میں ڈوئی ہلانے لگی...... ڈوئی کی تیزی شدید غصے کی علامت تھی۔

''اماں کا موڈ بڑا خراب ہے۔'' وہ ڈیوڑھی میں کھڑے کھڑے بولی۔

''میرا خیال ہے بھیا اور چاچا نہیں آیا......'' بالے نے وہیں کھڑے کھڑے کہا۔

''ہاں...... وہ نہیں ہیں...... اس وقت چاچا ہوتا نا...... تیرے ساتھ میری بھی شامت آ جاتی۔'' بالا بے گناہ سا بولا۔ وہ ہمیشہ بتیاں کی وجہ سے ہی گھن کی طرح پس جاتا۔

''اچھا اچھا...... بڑا آیا سادھ...... میں ہی بری ہوں نا......'' وہ منہ بسورے بولی۔

''میں نے یہ تو نہیں کہا...... تو بہت اچھی ہے پاگل...... میرا مطلب ہے کہ شکر ہے چاچا اور بھیا نہیں ہے......'' وہ معذرت خواہی کے لہجے میں بولا، کہیں بتیاں رُوٹھ نہ

جائے۔

''اب دفعان ہو جاؤ...... آگے بھی آ جاؤ......'' خدیجہ نے ہانڈی اُتار کر طیش میں کہا۔

دونوں آہستہ آہستہ چلتے صحن میں بچھی چار پائی پر بیٹھ گئے۔

''ساری دنیا گھروں میں بیٹھی ہے...... اور تم اب باہر سے آئے ہو...... میں کہتی ہوں تمہیں شرم نہیں آتی؟...... بالے کے بچے...... وہ تو ابھی ناسمجھ ہے...... کیا تجھے بھی گھر کا خیال نہیں آیا؟''

''اماں...... بالے نے تو کئی مرتبہ کہا کہ گھر چلو......'' بتیاں نے کہا۔

''بس تیرا ہی جی نہیں بھرا...... میں کہتی ہوں کہیں ٹانگ نہ تڑوا بیٹھنا جھولوں سے۔''

اس کے ساتھ ہی اماں نے دست پناہ کھینچ کر بالے کی طرف پھینکا جو دوسری طرف لڑھک گیا۔

''اماں...... کیا کرتی ہے...... اگر بالے کے لگ جاتا تو......؟'' وہ دست پنا پکڑ کر دوبارہ چولہے کے پاس رکھتے بولی۔

''میں اس کی دوسری ٹانگ بھی توڑ دوں گی...... کیوں لے کر جاتا ہے تجھے؟......'' خدیجہ نے خوامخواہ بالے کو مجرم بنا دیا۔

''اماں...... وہ کب لے کر جاتا ہے...... میں ہی سکھیوں کے ساتھ جاتی ہوں...... بالی اور چاندنی بھی ہم سے پہلے ہی آئی تھیں۔'' وہ معصوم سا منہ بنا کر بولی۔

''چل چل...... جانتی ہوں میں...... تم دونوں کی ایک مرضی ہوتی ہے......'' خدیجہ روٹیاں پکانے بیٹھ گئی۔

''اچھا، اب جانے بھی دو چاچی...... ابھی چاچا اور بھیا نہیں آئے......؟'' بالے نے مسکین صورت بنا کر کہا۔

''دونوں میں سے کوئی آئے...... تم دونوں کی چمڑی تمہارے پنڈے سے جدا نہ کی تو......''

اور دروازہ کھلا اور بھیا شیری اندر داخل ہوا۔ وہ بیلوں کی جوڑی کو ہانکتا ہوا دوسری طرف لے گیا......

''اماں...... دیکھ اِدھر...... بھیا کو نہ بتانا......'' بتیاں نے ہاتھ جوڑتے ہوئے ماں سے کہا۔

''اچھا..... نہیں بتاتی..... تو بھائی کے لئے پانی رکھ..... منہ دھولے.....''

''اچھا.....''

بتیاں نے جلدی سے بڑے لوٹے میں پانی ڈال کر نیم کے درخت کے نیچے رکھ دیا۔

تھوڑی دیر بعد اسماعیل بھی آ گیا۔ داخل ہوتے ہی گنوں کا بڑا سا گٹھر صحن میں پھینکا۔

''بالے..... آ جا..... دیکھ..... ابا کتنے گنے لایا ہے۔'' وہ اُچھل کر اپنی اوڑھنی چار پائی پر چھوڑ کر گنوں کے پاس پہنچ گئی۔

''تمہارے لئے ہی تو لایا ہوں.....'' اسماعیل تھکا تھکا چار پائی پر بیٹھ گیا۔

''بالے آ جا نا..... یہ دیکھ! کتنا نرم ہے.....'' وہ صاف ستھرا ایک گنا اُٹھا کر بولی۔ بالے کے بغیر وہ کچھ نہ کر سکتی تھی۔

''آ رہا ہوں..... آ رہا ہوں.....'' بالا جانتا تھا کہ اُس نے خود تو گنا چھیلنا نہیں ہے..... بالا اُسے چھیل کر دے گا اور وہ پھر مزے لے لے کر چوس لے گی۔

''اچھا..... یہ لے..... میں آ گئی ہوں..... یہ تیرا اور یہ میرا.....'' وہ ایک گنا بالے کو دے کر اور دوسرا اپنے ہاتھ میں پکڑ کر بولی۔''

بتیاں! آ جا..... بھائی کو روٹی دے.....'' خدیجہ نے طشتری میں سالن اور روٹیاں رکھیں..... شیری منہ ہاتھ دھو کر چار پائی پر بیٹھ چکا تھا۔

''تو روٹی پکڑا..... میں اُتنی دیر گنا چھیلتا ہوں.....'' وہ بولا۔

اور بتیاں ماں کے پاس پہنچ گئی۔

دو تین دن گزر گئے..... بتیاں نے باغ میں جانے کا بالکل نام نہ لیا..... خدیجہ جان چکی تھی کہ ہو سکتا ہے اُس کی لاڈلی اُس سے روٹھی ہو..... اچانک چاندنی داخل ہوئی۔

''بتیاں..... چل باغ میں چلیں.....''

''میں نہیں جاؤں گی.....'' وہ منہ بسورے بولی۔

''ہیں..... باغ میں کیا ہے..... تم نے تو کبھی انکار نہیں کیا۔'' چاندنی نے اپنے ساتھ والی میراں کو دیکھا۔

''ہاں..... تو اور کیا..... جب بھی باغ میں جاؤ..... آتے ہی جھڑکیاں کھاؤ..... میں تو نہیں جاتی.....'' وہ تنور کے اُوپر بیٹھتے بولی۔

''چاچی..... تو نے روکا ہے.....؟'' چاندنی ہنس کر بولی۔

''پرسوں ترسوں جھڑ کا تھا..... شام ڈھل گئی..... آسمان پر تارے جھلملانے لگے..... اُس وقت بالا لے کر آیا اسے.....'' خدیجہ بڑے نرم لہجے میں گویا ہوئی۔

''اچھا..... اُس دن سے روٹھ گئی ہے..... بتیاں! چل اُٹھ..... شام سے پہلے آ جائیں گے نا.....'' میراں نے اصرار کیا۔

''کیوں اماں! چلی جاؤں.....؟'' وہ پھر بولی۔ پینگ جھولنا تو اُس کے مشاغل میں شامل تھا۔

''چلی جاؤ..... شام سے پہلے آ جانا.....'' خدیجہ نے کہا۔

''ہاں ہاں..... تم جاؤ..... میں خود لینے آ جاؤں گا بتیاں کو.....'' بالا اندر بال سنوارتے بولا۔

''تو، تو گھنٹے کے بعد ہی آ جائے گا..... شام کو آنا.....'' وہ چاندنی اور میراں کے ساتھ باہر نکلتے ہاتھ ہلاتے بولی۔

''چاچی.....!'' بالا بیساکھی کے سہارے صحن میں آتے خدیجہ سے بولا۔

''کیا ہے.....؟'' وہ صحن میں بچھی گندم پھیلانے کے لئے ہاتھ پھیرنے لگی۔

''ایک بات تو بتا.....!'' وہ پُراسرار سے انداز میں بولا۔

''کیا بتاؤں..... جلدی بول.....!'' وہ ہاتھ روک کر بولی۔

''اس برسات میں ساری لڑکیاں بالیاں بلکہ بوڑھیاں بھی جاتی ہیں..... تو کیوں نہیں جانے دیتی بتیاں کو.....؟'' وہ بولا۔

''میں کب روکتی ہوں..... ذرا رات سے خوف آتا ہے..... جلدی نہیں آتی۔'' وہ جیسے مجبوری سی لگنے لگی۔

''میں جو ہوتا ہوں..... دیر بھی ہو جائے تو کیا ہے.....؟'' وہ سینہ تان کر بولا۔

''تو، تو ہے..... لیکن زمانہ بڑا خراب ہے..... بتیاں چھوٹی ہے..... اُونچ نیچ نہیں سمجھتی.....'' خدیجہ پھر کام میں جُت گئی۔

''ایسے ہی مت دل میں وہم لایا کر..... اپنا گاؤں ہے.....'' بالا باہر کی طرف جاتے بولا۔

وہ پھر گندم کو پھیلانے لگی۔

بالے نے دیکھا..... دُور بتیاں اپنی سہیلیوں کے ساتھ جا رہی تھی۔ وہ بیساکھی ٹیکتا

پیچھے پیچھے ہی چل دیا......

گاؤں سے نکل کر وہ باغ کی طرف جانے والی سڑک پر ہو لیا۔ ایک بہت بڑے برگد کے درخت کے نیچے دو اشخاص کو اُس نے مشکوک انداز میں دیکھا......

''بالے کہاں جا رہا ہے......؟'' اُن میں سے ایک شاید اُسے جانتا تھا۔

''تم یہاں کیا کر رہے ہو...... دیکھتے نہیں ہو...... گاؤں کی لڑکیاں برسات میں باغ میں جاتی ہیں۔'' بالے کو اچھا نہ لگا۔

''تو لڑکیوں کا ٹھیکیدار ہے......؟'' دوسرا بولا۔

''ٹھیکیدار تو نہیں ہوں...... گاؤں کی چھوریاں سب کی عزت ہیں۔'' بالے نے کہا اور آگے بڑھ گیا۔

''یہ کون ہے...... عزت دار...... ہا...... ہا...... ہا......'' دوسرے نے زوردار قہقہہ لگا کر کہا۔

''ارے یار...... اسماعیل کا بھتیجا ہے...... لنگڑا ہے......'' لالو نے کہا۔

''اچھا...... اسی وجہ سے عزت دار بنتا ہے...... غیرت مند کہیں کا۔'' دوسرے نے کہا۔

''اسماعیل کو بھی عزت دار بننے کا بہت شوق ہے......'' لالو بولا۔

بادشاہ نے کلائی کی گھڑی دیکھی......

''ٹائم بتا......!'' لالو بولا۔

''یار ٹائم ہو گیا...... بلکہ تیرا ٹائم ہو گیا......''

''ہا...... ہا...... آج دیکھ مانتا ہے کہ نہیں...... ہزار مرتبہ رشتہ مانگا...... اور ہر بار انکار......'' لالو بادشاہ کے ساتھ چلتا ہوا بولا۔

''تو بھی پاگل ہے...... کوئی اور رشتہ دیکھ لے...... بس وہی رہ گئی ہے......؟'' بادشاہ بولا۔

''نہیں یار...... اپنے من کو جیراں بڑی بھاوے...... شادی تو اُس سے ہی ہوگی...... اچھی بہت ہے......'' لالو نے جیسے عہد کیا۔

''وہ بھی چاہتی ہے کہ نہیں......؟'' بادشاہ نے پوچھا۔

''جھگڑا ہی اسی بات کا ہے...... اُسے اپنی صورت پر بڑا مان ہے......'' لالو دانت

پیس کر بولا۔

''وہ گجر کی بیٹی ہے نا......؟'' بادشاہ سوچ کر بولا۔

''ہاں...... گجر کی ہے...... دودھ کی پلی...... چل چل...... پانی بھرنے آئی ہو گی...... اور یہی وقت اُس کے آنے کا ہے......'' لالو نے بڑی عجلت سے بادشاہ کو چلنے کے لئے کہا۔

''اس وقت......؟'' بادشاہ اُس کے ساتھ چلتا ہوا بولا۔

''ہاں...... اس وقت ہی وہ پانی بھرنے آتی ہے کھوہ پر...... رہٹ اُس کے باپ کا تو ہے......'' لالو بولا۔

''چل...... دیر کاہے کی ہے؟'' بادشاہ بولا۔

''میں ذرا حویلی سے گھوڑی لے آؤں...... تو چل راہے راہ......'' لالو دوسری جانب مُڑ گیا۔

☆☆☆

''اے لڑکی! سیدھی طرح اپنا ہاتھ میرے یار کے ہاتھ میں دے دے......'' بادشاہ آگے بڑھ کر بولا۔

''اگر نہ دُوں تو تمہارا بے غیرت یار کیا کرے گا......؟'' جیراں گھڑا رکھ کر طیش میں آ گئی۔

''یہ گھوڑی دیکھی ہے......؟'' لالو گھوڑی بھگاتا ہوا جیراں اور بادشاہ کے پاس آ گیا۔

''دیکھی ہے...... اس پر چوہا بیٹھا ہے۔'' جیراں بے خوف بولی۔

''ہاں...... ہاں...... اس کو مرزے کی گھوڑی سمجھ لے۔ اور بیٹھنے والا مرزا...... لے گیا تھا صاحباں کو......'' لالو نے ایک چھلانگ لگائی اور جیراں کے پاس اُتر آیا۔

''تو مجھے ہاتھ لگا کے دیکھ...... تیرا ہاتھ نہ موڈے سے الگ کر دُوں۔'' وہ سیخ پا ہو گئی۔

''چل بادشاہ......'' لالو نے کہا۔

بادشاہ اُسے پکڑنے کے لئے بڑھا...... جیراں کا زوردار تھپڑ بھاری بھرکم بادشاہ کو چکرا گیا......

''اوئے...... لالو...... ہوش کر...... کیا کر رہا ہے......؟'' اسماعیل کو آتے دیکھ **کر اس** نے پلٹ کر دیکھا۔

''دخل مت دینا اسماعیل...... اپنے کام سے کام رکھ۔'' بادشاہ بولا۔

''کیسے نہ دخل دوں...... گاؤں کی بہو بیٹیاں سب کی سانجھی ہیں......'' اسماعیل جیراں کے سامنے ڈھال بن گیا۔

''چاچا...... یہ ہمیشہ میرا راہ روکتا ہے......'' وہ اپنے قریب ہمدرد کو پا کر بولی۔

''تو چل...... خبردار اکیلی پانی بھرنے آئی تو...... میں دیکھتا ہوں، تیرا راہ کیسے روکتے ہیں۔'' اسماعیل نے کہا۔

''میں کہتا ہوں پھڈا نہ ڈال...... اپنے راہ لگ......'' لالو جلا سا گیا۔'' اسماعیل نے اُس کا ہوتا ہوا کام بگاڑ دیا تھا۔

''کیسے راہ لگ جاؤں...... کوئی غیرت مند تمہیں ایسی حرکت کرتے دیکھ کر منہ چھپا کے نہیں گزر سکتا۔''

''تو ہمیں بے غیرت کہہ رہا ہے......'' لالو بولا۔

''اور کیا...... گاؤں کی بہو بیٹیوں پر ہاتھ ڈالتے ہو...... اس سے بڑی بے غیرتی کیا ہوگی......؟''

جیراں کب کی بھاگ گئی تھی۔

''چل...... اپنے راہ لگ...... ہم سے مت اُلجھ...... نقصان میں رہے گا۔'' بادشاہ بولا۔

''کیا کر سکتے ہو تم میرا...... میں دھمکیوں سے ڈرنے والا نہیں ہوں۔'' اسماعیل نے کہا۔

لالو نے رُومال کندھے سے اُتار کر جھاڑا...... ''ہنہ......'' دونوں نے فلک شگاف قہقہہ لگایا۔

''میں تمہاری شکایت رئیس سے کروں گا۔'' اسماعیل جاتے جاتے بولا۔

''جا لگا دے...... ہم ڈرتے ہیں اُس سے...... کام کرتے ہیں......'' بادشاہ اور لالو ایک زبان ہو کر بولے۔

اسماعیل تیز رفتاری سے حویلی پہنچ گیا۔

''بڑا عزت دار بنتا ہے......'' بادشاہ نے کہا۔

''اس کو بے عزت کرنا ہی پڑے گا۔'' لالو نے منہ پر ہاتھ پھیرا اور گھوڑے کو لئے

حویلی کی طرف چل دیا۔

☆☆☆

ابھی چند دن بھی نہ گزرے تھے کہ دونوں کو بلاوا آ گیا۔

''لالو! تمہیں اور بادشاہ کو رئیس نے بلایا ہے۔'' ملازم نے آ کر کہا۔

بادشاہ نے معنی خیز انداز میں لالو کی طرف دیکھا...... جیسے کہہ رہا ہو کہ بات پہنچ گئی ہے۔

''دیکھا جائے گا......'' لالو نے کہا اور بادشاہ کے ساتھ رئیس کے ڈیرے میں پہنچ گیا۔

''سلام رئیس!'' دونوں نے ایک ساتھ کہا۔

''بندے بنو بندے...... میں تمہاری کئی شکایتیں سن چکا ہوں......'' رئیس شدید غصے میں گرج دار آواز سے بولا۔

''ہم نے کچھ نہیں کیا رئیس......'' دونوں ایک ساتھ ہاتھ باندھ کر جھوٹ بول گئے۔

''بکواس کرتے ہو...... گجر کی بیٹی کو تنگ کرتے ہو...... اسماعیل وہاں نہ آتا تو تم بچی کو اٹھا لیتے۔'' رئیس پھر طیش میں آ گیا۔

اسماعیل جھوٹا ہے رئیس سائیں...... وہ دُشمنی کرتا ہے......''

''نہیں...... وہ شریف آدمی ہے...... پھر گجر خود میرے پاس آیا ہے۔''

دونوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا...... دل میں اسماعیل سے انتقام لینے کا شعلہ بھڑکا۔

''اب معاف کر دو رئیس......!'' دونوں ہاتھ جوڑ کر معافی مانگنے لگے۔

''ایک مرتبہ...... دو مرتبہ...... تیسری مرتبہ معافی کی گنجائش نہیں...... تم اسی وقت گاؤں چھوڑ دو...... اور اپنے مکان خالی کرو...... میں تمہاری موجودگی یہاں اپنے گاؤں میں برداشت نہیں کر سکتا......'' رئیس گرج کر جوش سے کھڑا ہو گیا۔ ''تم دوسرے علاقوں میں میرا نام بدنام کرنا چاہتے ہو......''

رئیس کی ایک آنکھ کے اشارے سے رئیس کے آدمیوں نے دھکے دے کر اُن کو ڈیرے سے نکال دیا...... اور شام سے پہلے رئیس کے بندوں نے اُن دونوں کا اسباب نکال کر باہر پھینک دیا......

گولی جو گیا...... کہا تھا نا ایسی حرکتیں چھوڑ دے...... رئیس بڑا ظالم ہے۔'' لالو کی ما
نے چلا کر لالو کو دو تھپڑ مارا۔

''شکر کر مائی...... رئیس نے جوتے نہیں مارے...... ورنہ ان کی صورت بگڑ جاتی
رئیس اپنی جاگیر میں بدمعاشی نہیں چلنے دیتا......'' ایک آدمی نے چارپائی باہر لے جا
ہوئے کہا۔

''اب کہاں جائیں گے......؟'' لالو کی ماں بولی۔

''جہاں مرضی جاؤ...... بس گاؤں میں نہیں رہنا مائی......'' دوسرا آدمی بولا۔

ایک گھنٹہ میں دونوں کے مکان خالی کر کے تالے لگا دیئے گئے...... اور لالو، باد
بیل گاڑیوں پر سامان ڈالے نامعلوم منزل کی طرف چل دیئے۔

☆☆☆

''تو نے اپنے ساتھ مجھے بھی خوار کیا۔'' بادشاہ نے اپنی بیوی بچوں کو پریشان حال بیل گاڑی پر ٹوٹے پھوٹے سامان سمیت بھوکے پیاسے دیکھ کر لالو سے کہا۔

''اب مجھے ہی الزام دو...... برابر کے شریک ہو۔'' لالو کی بیل گاڑی بادشاہ کی بیل گاڑی کے ساتھ ساتھ چل رہی تھی۔

''میں نے تمہیں منع کیا تھا اسماعیل کے ساتھ پھڈا نہ ڈال۔ تو باز نہیں آیا...... ہو گئے نادر بدر......'' لالو کی ماں نے آنسو بھری قہر آلود نظروں سے بیٹے کو دیکھا۔

''اچھا اماں...... گھبرا نہ...... پھوپھی کے ہاں نور چک چلتے ہیں۔'' لالو نے کہا۔

''اور میں......؟'' بادشاہ ایک دم بولا۔

''تو بھی کسی رشتہ دار کے ہاں چلا جا...... اس بڑی دنیا میں کوئی تو ہوگا تیرا۔'' لالو بھنا کر بولا۔

''میرا کوئی بھی نہیں...... سب جانتا ہے تو......'' بادشاہ تنک کر بولا۔ ''تجھے معلوم تو ہے کہ میری شادی کن حالات میں ہوئی ہے۔'' بادشاہ شرمندہ سا بولا۔

''اچھا اچھا...... سوچتا ہوں۔'' لالو کو سمجھ آ گئی۔

بادشاہ نے بیل کو چھانٹا مارا اور اپنے چار بچوں کو کسمپرسی کی حالت میں دیکھا۔ وہ تو بیوی کو بھگا کر لایا تھا...... اور عدالت میں نکاح پڑھا تھا...... ایسی حالت میں کون اُسے پناہ دے گا...... وہ آہستہ آہستہ بیل گاڑی ہانکتا رہا۔

تمام دن کی مسافت کے بعد سورج مشرق کی گود میں چھپنے لگا تھا۔ کائنات پر خون آشام سرخی پھیل چکی تھی۔ ماحول میں اُن کے دلوں کی طرح سناٹا سا چھایا گیا تھا...... نور چک کی پگڈنڈی شروع ہو چکی تھی۔ دونوں کی بیل گاڑیاں آگے پیچھے آہستہ آہستہ چل رہی تھیں...... یوں لگتا تھا کہ بیل بھی اب چلنا گوارہ نہیں کرتے تھے...... جگہ جگہ رُکتے اور دونوں چھانٹے پر چھانٹا مارتے......

دونوں کی گاڑیاں ایک بہت بڑے کھلے احاطہ نما مکان کے سامنے جا رکیں۔ لالو کی ماں نے لالو کی طرف دیکھا۔

''کیا بات ہے اماں......؟'' لالو ماں کی آنکھوں کا مطلب سمجھ چکا تھا۔

''میں کہتی ہوں جنو ہمیں کیسے پناہ دے گی......اور اس مصیبت کو بھی ساتھ لے لیا۔'' لالو کی ماں نے سرگوشی کی اور ایک آنکھ سے بادشاہ کی طرف اشارہ کیا۔

''آہستہ بول اماں...... کہیں سن نہ لے۔'' لالو نے بڑے لکڑی کے گیٹ نما دروازے پر گاڑی روکی۔

''تو بھی روک لے......'' لالو نے اُترتے ہوئے بادشاہ سے کہا۔

لالو نے اُتر کر ٹھک ٹھک...... کنڈا ہلایا۔ دوسرے ہی لمحے ایک ادھیڑ عمر عورت کرخت چہرہ، ارزقی آنکھیں، پیشانی پر ناگواری سلوٹ...... دُبلی پتلی......

ٹھک سے دروازہ کھلا......

''لالو......تم......؟'' جنو نے ایک لمحے میں تاڑ لیا کہ معاملہ کچھ اور ہے۔

''سلام پھوپھی......'' لالو نے اُتر کر مؤدب ہو کر کہا۔

''کیسے آئے ہو......اپنے مکان کو جوئے میں ہار آئے ہو......؟'' جنو نے چھپی ہوئی طنز کی۔

''ارے نہیں پھوپھی......پچھلے دنوں بارشیں بہت ہوئی ہیں...... ہمارے مکان منہدم ہو گئے......'' لالو نے جواب دیا۔

''یہ کون ہے؟'' جنو نے بڑے غور سے بیل گاڑی پر بیٹھی عورت کو دیکھ کر کہا۔

''یہ میرا دوست ہے پھوپھی...... چند دن رہے گا، پھر چلا جائے گا۔'' لالو کھسیانے ہوئے بولا۔

''اب اندر بٹھاؤ گی کہ نہیں......؟'' لالو کی ماں نے تنگ آ کر ہاتھ لہرایا۔

''اچھا......آؤ......آ جاؤ بھرجائی......!'' وہ بادلِ نخواستہ بولی۔

''آؤ یار......!'' لالو نے بادشاہ سے کہا۔

سامان صحن میں رکھا اور سب کمرے میں گھس گئے۔

''پھوپھی...... بھوک لگی ہے......'' لالو نے کہا۔

''کرتے ہیں بندوبست......تمہارا پھوپھا تو سویرے سے شہر گیا ہوا ہے۔'' جنو نے

کہا۔

''کوئی بات نہیں......روٹی اچار کے ساتھ لے آ......'' ابھی لالو بات ہی کر رہا تھا کہ جنو کی بڑی بیٹی چنگیر میں روٹیاں لگا کر لے آئی۔

''روٹیاں آ گئی ہیں...... رجو! اچار بھی لے آ......'' جنو نے کہا۔

''اچھا ماں......'' رجو نے جواب دیا۔

تھوڑی دیر ہی گزری تھی کہ رجو پیالہ بھر کے اچار کا لے آئی......اور سب نے جی بھر کے روٹی کھائی......اور پانی پی کر پیاس بجھائی۔

چند دن تو خیر و عافیت سے گزر گئے۔

جب جنو اور اُس کے شوہر امیر علی نے دیکھا کہ ایک ہفتہ ہو گیا، یہ لوگ جانے کا نام ہی نہیں لے رہے تو وہ بھی تنگ آ گیا...... ویسے بھی امیر علی لالو کی عادتوں سے واقف تھا...... ایسے جواری بدمعاش کو گھر میں رکھنے کو وہ بالکل تیار نہ تھا۔ اور بادشاہ...... وہ تو چہرے بشرے سے ہی آوارہ لگ رہا تھا...... بڑی بڑی مونچھیں، گردن تک گھنے بال......

''جنو......'' امیر علی نے آواز دی۔

''کیا ہے......؟'' جنو نے پوچھا۔

''اُدھر جوڑے کمرے میں چل...... تجھ سے بات کرنی ہے۔'' امیر علی حقے کی نے منہ میں ڈالے بڑے کمرے کی طرف روانہ ہو گیا۔

''کیا بات ہے......؟'' جنو امیر علی کے پاس پائنتی پر بیٹھتے ہوئے بولی۔

''تیری بھرجائی ہے...... لیکن میری دو جوان بیٹیاں ہیں...... لالو اچھا آدمی نہیں ہے...... میں نہیں چاہتا کہ وہ اپنے اس دوست کے ساتھ یہاں رہے......'' امیر علی نے گڑگڑاہٹ کے ساتھ حقے کی نے کو پرے ہٹا دیا۔

''رجو کے ابا...... یہ چکر کیا ہے...... ضرور کوئی جھگڑے والی بات ہے جو سامان سمیت آ گئے ہیں......'' جنو نے قیاس آرائی کی۔

''میں بندہ بھیج کر رمیس سے پتہ کرواتا ہوں آخر معاملہ کیا ہے جو یہ لوگ مال اسباب لے کر مہاجروں کی طرح یہاں آ گئے ہیں۔'' امیر علی سوچنے لگا۔

''دیکھو رجو کے ابا......اللہ کا دیا سب کچھ ہے......لیکن ان ہٹے کٹوں کو اس طرح تو کھانے کو نہیں دیا جا سکتا ہے......میری پھُل بھر بچی اتنے جیوں کی روٹیاں پکاتے ہلکان ہو

جائے گی۔'' جنو کو اپنی دبلی پتلی رجو پر ترس آنے لگا۔

''خیر.....کل شام تک معلوم ہو جائے گا کہ معاملہ کیا ہے؟'' امیر علی نے کہا۔

اور

دوسرے دن امیر علی کے آدمی نے پوری تفصیل آ کر گوش گزار کر دی..... امیر علی کو بہت طیش آیا کہ لالو کی عادت بدلتی کیوں نہیں ہے..... اُس کے دوست بھی بالکل اُسی طرح کے ہیں۔

تقریباً پندرہ دن تو ہو چکے تھے ان کو امیر علی کے گھر میں رہتے ہوئے۔ ایک دن امیر علی نے لالو کو اپنے پاس بلایا۔

''لالو..... اُدھر گاؤں کے دوسری طرف میرا ایک احاطہ خالی پڑا ہے..... ایک کمرہ ہے اُس میں..... باقی چاہو تو خود بنا سکتے ہو..... لیکن تمہارے دوست کو میں کہیں جگہ نہیں دے سکتا۔'' امیر علی صاف الفاظ میں بولا۔

''پھوپھا..... مجھے اپنے ساتھ زمین پر لے جایا کرو..... تمام کام کر دیا کروں گا..... رکھ لو نا یہاں.....'' لالو کی نگاہ میں اب رجو کی کومل جوانی رقص کرنے لگی..... اُس کی ماں کی بھی یہی مرضی تھی کہ کسی طرح لالو کا رشتہ رجو سے طے پا جائے۔

ابھی بات درمیان میں ہی تھی کہ لالو کی ماں اندر داخل ہوئی۔

''آؤ بہن..... بیٹھو..... لو! تکیے سے ٹیک لگا لو.....'' امیر علی بڑی خوش مزاجی سے سفید کڑھائی والا تکیہ لالو کی ماں کی پشت پر رکھتے بولا۔

''بھائی امیر علی..... تم سے ایک بہت ضروری بات کرنی ہے۔'' لالو کی ماں امیر علی کے پاس ہی چارپائی پر بیٹھ گئی۔

''ہاں کہو..... ویسے مکان کا بندوبست تو ہو گیا ہے.....'' امیر علی نے کہا۔

''نہیں..... ہم تو تیری چوکھٹ پر بھی رہ لیں گے..... بات اور ہے۔'' لالو کی ماں نے مسکرا کر وزن پیدا کیا۔

''کون سی بات.....؟'' امیر علی کو کھٹک گیا کہ ضرور یہ عورت رشتے کی بات کرے گی۔

''دیکھو بھائی امیر علی.....! بات یہ ہے کہ لالو کا کوئی باپ یا بڑا بھائی تو ہے نہیں۔ اس کے وارث تو تم ہی ہونا.....'' لالو کی ماں نے کہا۔

''کیا مطلب.....کھل کر بات کرو بھرجائی.....!'' امیر علی بولا۔

''میں چاہتی ہوں اس کا گھر آباد ہو جائے.....'' وہ بولی۔

''گھر آباد تو کرنے سے ہی ہوں گے.....تم نے کوئی لڑکی تلاش کی.....؟'' امیر علی نے کہا۔

''تلاش کی کیا ضرورت ہے..... جب گھر میں لڑکی موجود ہے۔'' وہ فوراً سامنے روٹیاں پکاتے رجو کو دیکھ کر بولی۔

''گھر میں.....کون ہے وہ.....؟'' امیر علی کی چھٹی حس جیسے بیدار ہو گئی۔

''دیکھو بھائی امیر علی! لالو برا آدمی نہیں ہے.....تم رجو کا رشتہ دے دو..... اچھا ہو جائے گا.....'' لالو کی ماں نے کہا۔

''بھرجائی.....اب نام لیا رجو کا..... دوبارہ ہرگز اپنی زبان پر نہ لانا..... میری رجو لاکھوں میں ایک ہے.....ایک اُس کے لئے شرابی کبابی اور جوئے باز ہی رہ گیا ہے.....؟ خبردار!.....ایسا سوچنا بھی نہ.....'' امیر علی طیش میں کھڑا ہو گیا۔

''اوہو بھائی امیر علی.....اس قدر ناراضگی کی کیا بات ہے.....اپنے ہی پردا ڈالتے ہیں۔'' لالو کی ماں اُونچی آواز میں بولی۔

''میں ایسا نہیں کر سکتا..... ویسے بھی میری رجو کی بات چل رہی ہے۔'' امیر علی نے کہا۔

''کہاں.....؟'' لالو کی ماں ایک دم چونک گئی..... جیسے پاؤں پر چیونٹی نے کاٹ لیا ہو۔

''جنو کی بہن کا بیٹا ہے شاہنواز..... ایک ہی بچہ ہے..... دو مربعہ اراضی اُس کے نام ہے..... ماشاءاللہ بڑا اچھا لڑکا ہے۔'' امیر علی نے تعریفوں کے پُل باندھ دیئے۔

''جنو کو بھائی کا بچہ نظر نہ آیا؟'' لالو کی ماں کو غصہ آ گیا۔ وہ اندر آتی جنو کو دیکھ کر بولی۔ جنو اندر آ کر ایک طرف بیٹھ گئی۔

''بھئی یہ تو نصیب کی بات ہے..... ویسے اگر لالو کی عادتیں اچھی ہوتیں تو ایسی بھی کوئی بات نہ تھی۔'' جنو نے صاف صاف کہہ دیا۔

''اماں.....چلو یہاں سے.....'' لالو بھناتا ہوا اندر آیا۔

''کیا ہوا.....؟''

''بس..... یہاں سے چلو.....ہم سب کراچی چلیں گے..... وہاں بہت جگہ مل جائے

گی......'' لالو نے ماں کے شانے پر ہاتھ رکھا۔

''تمہاری مرضی بھائی...... ہم نے تو بھلا ہی سوچا تھا۔'' امیر علی نے کہا۔

''یہاں بنا بنایا گھر تمہیں مل رہا تھا...... اب چھوڑ رہے ہو تو ٹھیک ہے۔'' جنو نے کہا۔

''بادشاہ کو آپ رکھنا نہیں چاہتے...... وہ کہاں جائے؟'' لالو بولا۔

''وہ کراچی چلا جائے...... آخر بیوی بچوں والا ہے...... کراچی میں خاصی مزدوری مل جائے گی۔'' امیر علی بولا۔

''نہیں...... اُس نے میرا قدم قدم پر ساتھ دیا ہے...... اب میں اُس کو کیسے نکال دوں......؟'' لالو سنجیدہ ہو گیا۔

''میں تمہارے ساتھ اُسے رکھنے کو بالکل تیار نہیں...... انسان کو سمجھ آ جانی چاہئے...... اب تم بچے ہو...... جو کچھ کر کے آئے ہو، مجھے ساری خبر مل چکی ہے۔'' امیر علی نے کہا۔ لا کی باتوں سے اُسے بھی غصہ آ گیا۔

''کیا خبر......؟'' لالو جان بوجھ کے جھوٹ کا سہارا لے کر بولا۔

''ارے بھائی! سارے گاؤں سے پوچھ گچھ کی...... رئیس کے آدمیوں نے جن میں اسماعیل بھی تھا جس نے تمہیں لڑکی اغواء کرنے سے روکا تھا۔'' امیر علی نے کھل کر بیان کر دیا۔

''اچھا...... اسماعیل...... اسماعیل!...... تجھے تو وہ مزہ چکھاؤں گا کہ ساری زندگی رکھو گے۔'' لالو نے انتقاماً چہرے پر ہاتھ پھیرا اور بادشاہ کے پاس چلا گیا۔

''بادشاہ...... یہ کیا کر رہے ہو بھئی......؟'' لالو نے دیکھا وہ اپنا سامان سمیٹ تھا۔

''میں نے سوچ لیا ہے کہ کراچی چلا جاؤں...... ایک دو دن پلیٹ فارم میں رہ لیں گے، پھر کوئی کرائے کی کوٹھری مل جائے گی۔'' بادشاہ نے آخری سامان ایک سوٹ کیس میں رکھا۔

''میں بھی تیرے ساتھ چلا جاؤں گا۔'' لالو بولا۔

''تو...... تجھے تو تیرا پھوپھا پناہ دے رہا ہے۔'' بادشاہ نے کہا۔

''نہیں یار...... تو میری وجہ سے خوار ہوا ہے...... اب ایک ساتھ ہی رہیں گے۔'' لا

بولا۔

''ٹھیک ہے......'' بادشاہ نے اقرار کیا۔

''بادشاہ...... !'' لالو کو یاد آیا۔

''کیا......؟'' بادشاہ ایک دم چونکا۔

''وہ سیٹھ چوڑی والا ہے نا......'' لالو بولا۔

''ہاں ہاں...... سونے کا کام کرتا ہے۔'' بادشاہ کو یاد آیا۔

''کام تو وہ سونے کا کرتا ہے دکھلاوے کے لئے...... اُس کا دھندہ بڑا چل رہا ہے...... آج کل جوان لڑکے لڑکیاں بڑے مل جاتے ہیں جو ہیروئن کے عادی ہو جاتے ہیں...... ٹھیک ہے...... دیر کا ہے کی...... چلو تیاری کرو...... اُسے کارندے چاہئیں...... سیٹھ چوڑی والا اپن کو جانتا ہے۔'' لالو بڑے وثوق سے بولا۔

''وہ کس کو نہیں جانتا...... اندرون بیرون اُس کا کاروبار پھیلا ہوا ہے۔'' بادشاہ بولا۔

''پہلے ہی پتہ چل جاتا...... جو یہاں دھکے کھانے آ گئے۔'' لالو بولا۔

''بس تقدیر میں یہ بھی دھکا لکھا ہو گا...... بس! تیاری کر......'' بادشاہ نے جلد جلد سامان اکٹھا کیا۔

''بادشاہ...... ایک مشورہ ہے۔ اگر مانو تو......'' لالو سوچتے ہوئے بولا۔

''جلدی بولو...... کیا بات ہے......؟'' بادشاہ نے پوچھا۔

''یہ سامان یہیں رہنے دیتے ہیں...... ضرورت کی چیزیں لے جاتے ہیں۔ جب حالات اچھے ہوں گے تو سامان لے جائیں گے۔'' لالو نے چٹکی بجا کر ترکیب بتائی۔

''بات تو تمہاری ٹھیک ہے...... اور بیل گاڑیاں......؟'' بادشاہ کو خیال آیا۔

''یہ بیل گاڑیاں رئیس کی ہیں...... پھوپھا کو فرخت کر دیتے ہیں۔ کہہ دیں گے اپنی ہیں...... رقم آدھی آدھی......'' لالو پھر خباثت سے باز نہ آیا...... اور زوردار قہقہہ لگایا۔ اس میں بادشاہ کا قہقہہ بھی شامل ہو گیا۔

دوسرے دن وہ تمام مال اسباب اور ضروری اشیاء بطور امانت رکھوا کر اور دونوں بیل گاڑیوں کا اونے پونے سودا کر کے رقم لئے کراچی کی طرف روانہ ہو گئے......

''خدا کا شکر ہے بلا ٹلی......'' جنوں نے تشکر آمیز نظریں آسمان کی طرف ڈالیں۔

''بچ گئے...... دونوں اچھے نہیں تھے...... ایسے لوگوں کو تو گھر میں گھسنے نہیں دینا

چاہئے۔'' امیر علی نے کہا۔

''میاں جی...... چاند نگر سے دو آدمی آئے ہیں۔'' ایک بچہ امیر علی کے پاس آ کر بولا۔

''کون ہے بیٹا......؟'' امیر علی نے محبت سے بچے کی پیٹھ تھپکی۔

''پتہ نہیں میاں جی...... وہ آپ کو بلا رہے ہیں......'' لڑکا بولا۔

''چلو......!'' امیر علی لڑکے کے ساتھ ہی باہر آ گیا۔

''میاں جی! ہمیں معلوم ہوا ہے کہ لالو اور بادشاہ آپ کے ہاں رہائش پذیر ہیں......؟'' ایک آدمی نے مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔

''کل تک تو یہاں تھے...... آج صبح سے چلے گئے۔'' امیر علی بولا۔

''کہاں گئے ہیں...... رئیس کی بیل گاڑیاں اُن کے پاس تھیں...... کیونکہ سامان لادنے کے لئے اُن کے پاس کوئی چیز نہ تھی۔'' اُس آدمی نے کہا۔

''بیل گاڑیاں...... وہ تو اپنی بتا کر مجھے فروخت کر گئے...... اور مجھ سے رقم لے گئے۔'' امیر علی کا ماتھا ٹھنکا۔

''اچھا......؟'' دونوں پھٹی پھٹی نگاہوں سے پلٹے۔

''بیٹھو...... کوئی چاء پانی......'' مہر علی نے بطور مہمان نوازی کہا۔

''نہیں میاں جی...... اب ہمیں اطلاع دینا ہے۔'' وہ واپس چلے گئے۔

☆☆☆

''میں نے کہا نا...... بتیاں کو اب باغ میں مت جانے دیا کر...... وہ سیانی ہو گئی ہے......'' اسماعیل نے کلی کچے صحن کے فرش پر ماری اور کھڑا ہو گیا۔

''برکھا رُت جو شروع ہو گئی ہے...... اُس کی سکھیاں اُس کے بنا باغ میں کہاں جاتی ہے......؟'' خدیجہ نے اپنی مجبوری کا اظہار کیا۔

''اُن کو بھی روک دے...... جوان بچیاں دن ڈھلے گھروں کو لوٹتی ہیں...... مجھے اچھا نہیں لگتا۔'' اسماعیل نے اپنی پیشانی پر ناگوار سلوٹیں ڈال کر کہا۔

''ابھی جوان ہو گئی......؟ تیرہ چودہ کا سن ہے...... کھیلنے کودنے کے دن ہیں اُس کے۔'' خدیجہ برتن اُٹھاتے بولی۔

''خیال کرنا...... بیٹی کی عزت بڑی قیمتی ہے......'' وہ رُومال سر پر باندھ کر باہر نکل گیا۔

خدیجہ کام میں جت گئی......

بھینس کو چارہ ڈالا۔ بکریاں باہر سے آ گئی تھیں۔ اُن کو گھر کے ایک کونے میں باندھ دیا...... بالے کو روٹی دی اور شام ہوتے ہی پھر کھانے پکانے میں لگ گئی۔ سارا دن یونہی گزر گیا...... کہ ایک دم وہ اُچھلی...... جاگیردار کی حویلی سے ٹن کے کئی گھنٹے بجنے کی آواز آئی...... سورج کی ٹکیہ دم توڑتی ہوئی مغرب کی آغوش میں ڈوب رہی تھی۔ یوں جیسے سسک رہی ہو۔ شام میلی سی ہونے لگی تھی۔ ماحول کی ہر شے دُھندلا اُٹھی تھی۔ چاند نگر ایک خوبصورت سرسبز گاؤں تھا۔ تھکے ہارے مزدور کسان اپنے اپنے گھروں کی جانب لوٹ رہے تھے۔ گاؤں کے گلی کوچے سناٹے کی لپیٹ میں آ چکے تھے۔ بیلوں کے گلے میں بندھی ہوئی کوئی گھنٹی بجتی تو ماحول میں ارتعاش سا پیدا ہو جاتا...... ورنہ ایک خوفناک تاریکی آسیب کی طرح پھیل چکی تھی۔ گاؤں شہر سے خاصہ دُور تھا...... بجلی صرف حویلی تک محدود رہ گئی تھی...... گاؤں کے مکین شاید اتنی ضرورت ہی محسوس نہ کرتے تھے کہ اُن کو بھی بجلی کی سہولت

میسر ہو۔ دُھند لکے پھیلتے ہی مکین دیے اور لالٹینیں جلا لیتے تھے۔ یوں ہر گھر میں ٹمٹماتی لرزتی روشنی نظر آتی تھی......

اُوئی میں مری...... رات ہونے کو آئی...... بتیاں نہیں آئی......

کلیجہ منہ کو آ گیا...... دل سے ہوک سے اُٹھی...... اضطرابی حالت میں روٹیاں دستر خوان میں لپیٹ کر بند ٹوکری میں رکھ دیں۔ لالٹین اُٹھا کر دروازے کے ساتھ ستون پر لگے کیل پر آویزاں کر دی۔ خدیجہ نے بڑی بے کلی اور اضطراری کیفیت کے ساتھ گھر کے چاروں کونوں میں دیکھا۔ ہر چیز پُر سکون تھی۔ بالا بھی باہر نکل گیا تھا...... تو اُسے قرار کیوں نہیں آ رہا...... اُس کا اضطرار تو بڑھتا ہی جا رہا ہے۔

آ گئی بتیاں......

وہ ہانپتی ہوئی صحن میں اُتر گئی...... یہ تو تیز ہوا کی دستک تھی...... آندھی کی طرح تیز ہوا ہر بار اُس کے دروازے پر یوں دستک دیتی جیسے بتیاں نے تھپ سے حسب عادت کیواڑ پر ہاتھ مارا ہو...... ''بتیاں! تو کہاں ہے...... ابھی تیرا دل نہیں بھرا جھولوں سے...... ایسی نادان ہے...... باغ میں جا کر تو گھر کو بھول ہی جاتی ہے...... آج بالا بھی نہیں گیا......''

وہ خود کلامی کرتے باہر والا دروازہ کھول کر گلی میں جھانکنے لگی...... دُور دُور تک بتیاں کا کہیں نام و نشان نہ تھا۔ بلکہ اُس کا تو ہیولہ بھی نظر نہیں آ رہا تھا...... کوئی اِکا دُکا اجنبی گزرتا تو وہ دروازے کی اوٹ میں ہو جاتی۔

''چاندنی سے پتہ کرتی ہوں۔'' اُس کو خیال آیا اور کنڈھی چڑھا کر وہ چاندنی کے گھر میں داخل ہوئی جو اُس کے ساتھ ہی تھا......

ٹھک ٹھک...... اُس نے زور زور سے کنڈی بجائی۔

''کون ہے...... آ رہی ہوں......'' اس کے ساتھ ہی چاندنی کی ماں نے دروازہ کھول دیا۔ ''خدیجہ تم...... خیر تو ہے...... گھبرائی ہوئی کیوں ہو...... کیا بات ہے؟'' چاندنی کی ماں ایک سانس میں بولی۔

''خالہ آ جاؤ نا......!'' چاندنی تذبذب کے عالم میں قریب آئی۔

''چاندنی بیٹی...... تم بتیاں کے ساتھ باغ میں گئی تھی...... بتیاں گھر نہیں آئی......'' خدیجہ نے بڑی بیقراری سے چاندنی کے شانے تھام کر کہا۔

''خالہ...... بتیاں میرے ساتھ ہی آئی تھی...... میں تو کب کی آ گئی ہوں......''

چاندنی نے حیران نظروں سے مہراں اپنی ماں کی طرف دیکھا۔

''تو پھر بتیاں کہاں گئی......'' خدیجہ کی آواز حلق میں اٹک گئی...... جیسے کسی ہوائی طاقت نے اُس کا گلا گھونٹ دیا ہو۔

''بتیاں گھر نہیں آئی...... کہاں گئی ہو گی اس وقت......؟'' مہراں نے اپنی چندی آنکھیں پھاڑ کر زبردست حیرت کا اظہار کیا۔

''ہاں! بتیاں ابھی گھر نہیں آئی...... کہاں گئی ہو گی......؟'' خدیجہ کی آواز جیسے جسم سے سارا خون نچوڑ لیا ہو یا وہ سمندر کی آخری تہ سے بول رہی ہو...... کسی نے اُس کی رہی سہی توانائی بھی چھین لی ہو۔

''خالہ...... بانگ کی آواز کے ساتھ ہی ہم سب اپنے اپنے گھروں کو لوٹ آئی تھیں...... بتیاں بھی ہمارے ساتھ ہی تھی...... آج بالا نہیں تھا...... اُسے بخار تھا...... اس لئے جلدی آ گئے ہم......'' چاندنی نے کہا۔

''ہاں...... یاد آیا...... وہ بالی کی گلی میں اُس کے ساتھ چلی گئی تھی...... بالی نے کہا تھا کہ اُس کے گھر سے ہو کر چلی جانا......'' چاندنی چونک گئی۔

''وہاں دیکھو...... اُس کے پاس بیٹھی گپیں ہانک رہی ہو گی...... نہ جانے آج کل چھوکریوں کو ڈر خوف تو رہا نہیں......'' مہراں کو غصہ آ گیا۔

''ہاں خالہ...... بالی کے ہاں دیکھو...... بتیاں وہاں ہی ہو گی...... بالی اُس کی پکی سہیلی ہے۔'' چاندنی نے کہا۔

''جاتی ہوں......'' خدیجہ دو دو من کے قدم اُٹھاتی بالی کے گھر چل دی۔

''بالی...... بالی...... ہائے اللہ...... بتیاں کو باہر بھیج دے۔'' دروازہ کھلا دیکھ کر وہ ڈیوڑھی میں ہی رُک کر بولی۔ عجلت اور پریشانی میں الفاظ اُس کی زبان کا ساتھ نہیں دے رہے تھے۔

''خالہ...... بتیاں گھر نہیں گئی......؟ چاندنی کے ہاں نا بیٹھی ہو۔'' بالی ایک دم اُٹھ کر خدیجہ کے پاس ڈیوڑھی میں آ گئی۔

''چاندنی کے ہاں نہیں ہے بتیاں...... میں نے سوچا تمہارے ہاں نہ آ گئی ہو......'' خدیجہ نے اپنی بے ربط سانس کو قابو میں کیا۔

''آئی تو میرے ساتھ ہی تھی...... وہ اپنی گلی میں مُڑ گئی...... میں ادھر آ گئی...... پھر وہ

گھر کیوں نہیں گئی......؟'' بالی خود سوچنے لگی۔

''بالی!......کون ہے......اندر لے آ......!''

''اماں...... بتیاں کی اماں ہے...... اُس کو تلاش کر رہی ہے...... بتیاں گھر نہیں آئی۔'' بالی نے بلند آواز سے کہا۔

''کیا...... بتیاں گھر نہیں گئی......؟ اس وقت...... رات ہوگئی...... بتیاں کہاں گئی اس وقت...... سورج چھپ گیا......'' بالی کی بوڑھی دادی ہانپتی ہوئی گھٹنوں پر ہاتھ رکھے اُن کے پاس ہی آگئی۔

''ہاں اماں...... بتیاں نہیں مل رہی۔'' خدیجہ تو خاموش تھی...... کاٹو تو بدن میں لہو نہ ہو۔ جواب بالی نے دیا۔

''کسی سکھی کے ہاں نہ بیٹھی ہو...... آج کل چھوکریوں کو گھر کا کھیال کم ہی آوے......'' بوڑھی عورت نے کہا۔

''ہر جگہ تو دیکھ آئی ہوں اماں......'' خدیجہ پلٹ کر باہر نکل گئی۔

''کہاں گئی ہوگی بتیاں؟......'' بوڑھی عورت بالی سے بولی۔

''معلوم نہیں......'' بالی کی حیرت عروج پر تھی۔

''ریڈوے پر گیت سن رہی ہوگی...... بڑی آخر آگئی ہے تم سب کو...... زمانہ ڈوبنے کو آگیا ہے...... بڑے کا کہنا تو ان کے لئے کوئی چیز نہ ہو......'' بوڑھی عورت نے خشمگیں نظروں سے بالی کو دیکھا۔

خدیجہ مُردہ بدن کو گھسیٹتی...... اپنا ہی لاشہ اپنے کندھوں پر اُٹھائے گھر کی جانب لوٹ آئی...... راستے میں چاندنی کا دروازہ دیکھ کر رُکی...... شاید اب بتیاں آگئی ہو......

''خدیجہ! کوئی پتہ چلا...... بالی نے کیا کہا......؟'' مہراں نے خدیجہ کو دیکھ کر پوچھا۔

''نہیں...... بالی کے ہاں بھی نہیں ہے۔'' وہ بے دم سی آواز کے ساتھ آگے نکل گئی۔

''کیوں اماں...... بتیاں کا پتہ چلا......؟'' دروازے پر آکر چاندنی نے کہا۔

''چلی گئی ہوگی کسی کے ساتھ...... اُس کے تیور ہی اچھے نہ تھے......'' مہراں نے بڑے رکیک انداز میں ناک سکیڑی۔

''ہائے اماں! ایسا نہ کہو...... بتیاں تو بڑی اچھی تھی......'' چاندنی نے ماں کی بات کو جھٹلایا...... اور چھپے چھپے انداز میں بتیاں کی حمایت بھی کی۔

''اے نوج دفعان کر ایسی چھوہری کو...... تو اندر چل...... ٹھنڈ ہو رہی ہے۔'' مہراں کنڈی لگا کر چاندنی کے ساتھ اندر آگئی۔

''اب خدیجہ خالہ کہاں گئی ہوگی......؟'' چاندنی نے روٹی کو چنگیر سے اُٹھایا اور دال والی پیالی اُٹھا کر کھانے لگی۔

چند گھروں کی مسافت پر میلوں کی مسافت حاوی ہوگئی...... وہ بدن کا ریزہ ریزہ سمیٹتی اپنے دروازے تک آگئی۔ ایک پارہ اُٹھاتی تو دوسرا گر جاتا...... وہ بکھری بکھری گھر میں داخل ہوئی۔

''شیری...... '' بیٹے کو دیکھ کر وہ منجمد سی ہوگئی جیسے برف کی سل اُس کے اُوپر گر چکی ہو۔

''اماں...... تجھے کیا ہوگیا ہے...... کیسے دیکھ رہی ہے......؟'' شیری کے ہاتھ سے پانی کا پیالہ چارپائی پر گرا...... وہ دیوانہ وار خدیجہ کی طرف لپکا......

''تم نے بتیاں...... کو نہیں دیکھا...... وہ بے دم سی گری اور بے سدھ ہوگئی...... جیسے جسم میں جان نہ رہی ہو......

''اماں...... اماں...... ہوش کرو...... کیا ہوا بتیاں کو......؟'' شیری نے ماں کو جھنجھوڑ ڈالا۔

''بتیاں...... گھر نہیں آئی۔'' وہ شیری کی بانہوں میں جھولتی ڈوبتے سانسوں کو سہارا دے کر بولی۔

''بتیاں گھر نہیں آئی......؟ اماں! کیا کہہ رہی ہو......؟'' شیری نے تڑپ کر آسمان کی طرف دیکھا...... آسمان کی نیلگوں چادر سیاہی میں تبدیل ہو چکی تھی۔ اور نقرئی ستارے ٹمٹما رہے تھے جیسے اُن کا تمسخر اُڑا رہے ہوں۔

''بتیاں......'' وہ پوری قوت سے چلایا...... جیسے اُس کے دماغ میں تپتی سلاخ داغ دی گئی ہو...... وہ بری طرح تڑپ اُٹھا......

''بتیاں پتر! گڑ لے لے...... اور چولہے پر چائے کا پانی رکھ دے......'' اسماعیل نے رُئی کی لکڑی کھٹاک سے پٹخی اور صحن میں آگیا۔

''ہیں...... تم دونوں ماں بیٹے کو کیا ہوا...... بری خبر آگئی ہے......؟'' وہ قریب آگیا۔

''ابا...... بتیاں گھر نہیں آئی۔'' شیری بولا۔

''کیا بکواس کر رہا ہے تو......؟'' اسماعیل شیری کا شانہ تھام کر دھاڑا......

خدیجہ ہٹر بٹر دونوں کو دیکھے جا رہی تھی...... یوں جیسے قوتِ گویائی سلب ہو چکی ہو......

شیری خود اسماعیل کی دھاڑ پر سہم گیا...... اُس نے اسماعیل کو آج پہلی مرتبہ اس قدر طیش میں دیکھا تھا۔

''کہاں گئی ہے بتیاں...... کہاں بھیجا تو نے اُس کو......؟'' اسماعیل نے خدیجہ کو مارنے کے لئے ہاتھ اُٹھایا...... وہ غصے سے پاگل نظر آنے لگا تھا۔

''ابا...... خبردار...... اماں پہ ہاتھ مت اُٹھاؤ...... اماں کا قصور نہیں ہے......'' شیری نے باپ کے بڑھے ہوئے ہاتھ کو اپنے ہاتھ پر روک دیا۔

''اور کس کا قصور ہے...... میں نے کہا تھا نا...... سیانی ہے...... باہر نہ جانے دے...... اس نے یہی کہہ کر ہمیشہ ٹال دیا...... بچی ہے...... تیرہ چودہ کا سن ہے...... اس سے پوچھ! کہاں بھیجا تھا اس نے......؟'' اسماعیل کرخت لہجے میں زمین پر بیٹھ گیا۔

''بتا نا اماں...... بتیاں کہاں گئی تھی......؟'' شیری نے ماں سے نرم لہجے میں بات کی۔

''وہ سکھی سہیلیوں کے ساتھ جھولے جھولنے گئی تھی...... برکھا رُت میں تو ہمیشہ ہی سب جاتی ہیں۔'' خدیجہ نے دل کڑا کیا اور بتا دیا۔

''وہاں تو چاندنی اور بالی کے ساتھ جاتی ہی رہتی تھی...... اب نئی تو نہیں گئی تھی......'' شیری نے کہا۔

''اب کا جانا قیامت ڈھا گیا......'' اسماعیل نے چہرہ ڈھانپ لیا۔

کچھ لمحے ایک قیامت کی سی خاموش رہی...... فضا بھی گھمبیری لگنے لگی۔

''میں ہمیشہ منع کرتا تھا...... بتیاں کو گھر سے باہر مت نکال...... نہ نکال اُس کو باہر...... لیکن اس عورت نے میری ایک نہیں سنی۔'' اسماعیل اُچھل کر کھڑا ہو گیا۔

بہت دیر خاموشی کے بعد خدیجہ کا پیمانہ صبر بھی لبریز ہو چکا تھا۔ اُس نے جب دیکھا کہ بیٹی کے غائب ہونے کا سارا مدعا اسماعیل اُس پر ڈال رہا ہے تو وہ چلا اُٹھی۔

ہاں...... ہاں...... مجھے مجرم بنا دے...... میں نے پیدا کیا تھا...... دشمن تھی اُس کی...... کیا مجھے اس گھر کی عزت پیاری نہیں ہے...... کیسی بدنصیب ہوں میں...... اپنی بیٹی کو غائب......'' وہ سسک سسک کر رونے لگی۔

''اوہو...... یہ مطلب نہیں ہے میرا......'' اُسے اس طرح دُکھ سے روتے دیکھ کر اسماعیل کو بھی تکلیف ہوئی اور وہ نرم پڑ گیا۔

''پھر کیا مطلب ہے تمہارا......؟'' وہ بولی۔

''تم نے اُسے روکا کیوں نہیں......؟'' اسماعیل نے کہا۔

''کیسے روکتی......؟ جوان ہوتی تو قید بھی کر لیتی...... وہ بچی تھی...... سہیلیوں کے ساتھ چلی گئی۔'' خدیجہ کی رگِ حمیت پھڑک اُٹھی۔

''تو کیسی ماں ہے...... تجھے معلوم نہیں بیٹیاں تو پیدا ہوتے ہی جوان ہوتی ہیں۔'' اسماعیل بولا۔

''تو کہاں جائے گا...... رات بھیگنے لگی ہے؟'' شیری کو اُٹھتا دیکھ کر خدیجہ نے اُس کا ہاتھ تھام لیا۔

''کہیں دیکھنے نہ جاؤں......؟ گھر میں بیٹھ کر ماتم کروں بہن کی گمشدگی کا......؟'' وہ کہتا ہوا دروازے پر ٹاٹ کا پردہ اُچھال کر باہر نکل گیا۔

''بتیاں...... بتیاں......'' باغ کے دروازے پر کھڑے ہو کر اُس نے پوری طاقت سے پکارا۔ ہر مرتبہ آواز کی بازگشت سنائی دیتی...... بتیاں کہیں اِردگرد ہوتی تو لوٹ آتی...... دروازے پر چوکیدار تالا لگا گیا تھا......

دو پتھر رکھ کر اُس نے باغ کے اندر چھلانگ لگا دی...... تیز ہوا سائیں سائیں چل رہی تھی...... اُسے ایک جھولے پر بتیاں کا ہیولہ نظر آیا...... جھولا جھولتا ہوا نظر آیا...... بتیاں...... وہ بے تاب آگے کی طرف بڑھا...... بتیاں تو کہاں چلی گئی تھی...... یہ تو اُس کا وہم ہے...... فضا سے آوازیں اُبھریں۔ سرگوشیوں کی آوازیں آئیں...... بتیاں بھاگ گئی...... نہیں نہیں...... وہ چیخ اُٹھا۔ اور اُس نے درختوں کو دیکھا۔ سیاہ چادر تانے درخت بھی ماتم کناں تھے۔ اُس نے انجانے میں ایک جھولے کو تھام لیا...... لیکن وہ اور بھی اُداس ہو گیا...... بتیاں کہیں ہوتی تو اُس کے پاس آتی...... وہ کسمپرسی کی حالت میں ہر جھولے کو تھام کر بہن کو پکارتا۔ ہر بار اُس کی آواز فضا سے ٹکرا کر لوٹ آتی۔

بتیاں بھاگ گئی...... ہا...... ہا...... ہا...... بتیاں بھاگ گئی...... ہا...... ہی ہی ہی......

چاروں جانب دلخراش آوازوں نے اُس کا دماغ چھیل دیا...... وہ دونوں کانوں پر ہاتھ رکھے چلا اُٹھا۔

"نہیں نہیں...... یہ جھوٹ ہے...... میری بہن معصوم ہے...... ابھی تو چودہ کی نہیں ہوئی...... وہ معصوم ہے......" وہ پوری قوت سے چلایا......اور گھر کی جانب بھاگ گیا۔

"کچھ پتہ چلا......؟" خدیجہ نے اُسے ہانپتے دیکھا تو قریب آ گئی......

"نہیں...... وہ نہیں آئے گی...... کالک مل گئی ہے میرے منہ پر...... وہ رُسوا کر گئی ہے تمہیں، مجھے اور بابا کو...... ساری عزت مٹی میں رُل گئی......رُل گئی......" شیری نے اپنا چہرہ پیٹ لیا اور زمین پر بیٹھ کر بلک بلک کر رونے لگا......

اسماعیل نے گاؤں کا کونہ کونہ چھان مارا...... ہر گھر، ہر گوشہ اُس نے دیکھا...... طعنوں اور تمسخر کے سوا اُس کو کچھ نہ ملا...... بتیاں کو نہ ملنا تھا نہ ملی...... وہ گھر کی جانب لوٹ آیا۔ اُس کے بدن کو دھجیوں میں تقسیم کر دیا گیا تھا...... یوں جیسے ہر حصے کو تیزاب ڈال کر پھونک دیا گیا ہو...... پھر اُس کی تڑپ کا تماشہ سارا گاؤں دیکھنے لگا...... وہ دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا۔

"مل گیا نا...... میری بتیاں کا سراغ...... دیکھنا...... ہاں کہہ دو...... نہیں، نہیں سنوں گی......" وہ دیوانہ وار اسماعیل کی طرف بڑھی...... انکار سننے کے لئے بالکل تیار نہ تھی۔

"نہیں...... نہیں...... نہیں...... کہیں نہیں ہے تمہاری بتیاں...... وہ کھو گئی ہے اس دنیا کے جھمیلے میں...... اب کہاں ہو گی......؟" اُس نے غصے سے مٹی کا پیالہ گھڑے سے اُتارا اور زمین پر دے مارا۔ بتیاں نہ ملی...... جام جم میں کہیں بھی وہ نظر نہ آئی...... یہ تو اُس کا وہم تھا...... وہ اپنی جام سفال میں اپنی پیاری بتیاں کو تلاش کرنا چاہتا تھا۔

"اماں...... وہ گھر سے بھاگ گئی ہے...... دنیا یہی کہتی ہے......" شیری چلایا۔

"تو...... جھوٹ بولتا ہے...... وہ ایسا نہیں کر سکتی...... کہہ! تو جھوٹ بولتا ہے...... یہ جھوٹ ہے۔" اسماعیل نے شیری کا گریبان نوچ لیا......درد و کرب میں ڈوبی آواز نے در و دیوار کو لرزا دیا...... زلزلہ جو دلوں کی عمارت مسمار کر چکا تھا۔

"بس...... چُپ کر جاؤ سارے...... دیکھ لینا کسی سکھی سہیلی کے پاس بیٹھی ہو گی میری بتیاں...... آ جائے گی......" نہ جانے کیوں خدیجہ اپنے حواسوں میں نہ رہی تھی۔

"اگر بتیاں نے آنا ہی ہوتا تو جاتی کیوں...... چاچی! آنسو پونچھ لے۔" بالا صحن میں آتے ہی دیوار کے ساتھ بیساکھی کھڑی کر کے چارپائی پر بیٹھ گیا۔

"جانے والے لوٹ کر نہیں نا آتے بھیا......" بالے نے شیری کے آنسو صاف کئے۔

"اپنی زبان بند رکھ...... تیری تو زبان ہی کالی ہے......" خدیجہ نے بری طرح بالے کو جھاڑ دیا۔

"بالا ٹھیک کہتا ہے اماں...... جانے والے کہاں لوٹ کر آتے ہیں...... نہ جانے بتیاں کو کون لے گیا...... میں نے تو کسی کو مشکوک بھی نہیں دیکھا۔" شیری اب دھیما پڑ گیا تھا...... جیسے طاقت سلب ہو چکی ہو...... آواز بھی دب سی گئی تھی۔

بالا خاموش بیٹھا تھا...... بتیاں اُس کا سکون و قرار چھین کر لے گئی تھی...... بتیاں اُس کے لئے زندہ رہنے کا ایک آسرا تھی...... وہ بچپن سے بتیاں کے ساتھ کھیلا تھا...... اُس کا باپ کب اللہ کو پیارا ہوا ہو گا...... ماں البتہ آخری وقت اسماعیل کی جھولی میں ڈال گئی تھی...... پیدائشی طور پر وہ ایک ٹانگ سے معذور تھا۔ چلنے پھرنے کے لئے بیساکھی اُس کا سہارا تھی...... بتیاں جب اُس کے ساتھ ساتھ بیساکھی پر ہاتھ رکھے چلتی تو وہ یہ بھول ہی جاتا کہ وہ بیساکھی کے سہارے چل رہا ہے۔ بتیاں اُس کی قوت تھی...... چاچی جب بھی اُسے ڈانٹتی تو بتیاں ڈھال بن کر اُس کے سامنے آ جاتی اور ماں کو باور کراتی کہ بالے کا قصور نہیں، کسی اور کا ہے۔

وہ ایک کراہ کے ساتھ کھڑا ہو گیا۔

"میں جاؤں گا باہر چوکھٹ پر...... مجھے چین نہیں پڑ رہا...... باہر جاؤں گا۔" وہ بیساکھی پکڑ کر کھڑا ہو گیا۔

"سارے گھر کا سکون چھن گیا ہے...... تو کہاں سکون تلاش کرنے جائے گا؟" اسماعیل نے اپنا چہرہ صاف کیا۔ لیکن وہ لاٹھی ٹیکتا باہر نکل گیا۔

ساری شب آنکھوں میں گزر گئی...... صبح کاذب طلوع ہوئی۔ محلے میں جیسے طوفان سا مچ گیا کہ بتیاں گھر سے بھاگ گئی ہے...... کسی کے ساتھ بھاگ گئی ہے...... وہ چلی گئی ہے...... وہ چلی گئی ہے...... جھولا جھولنے گئی اور لوٹ کر نہیں آئی...... اُوئی اللہ...... اُس کے دیدوں کا پانی ڈھل گیا۔

اسماعیل کے گھر عورتوں کا تانتا بندھ گیا...... جواب دیتے دیتے سب تھک گئے...... مختلف قسم کے سوال و جواب نے اُن کی زندگیاں اجیرن کر دی تھیں...... کوئی کچھ کہتی کوئی کچھ...... آج سب کا دامن صاف تھا...... اگر داغدار تھا تو صرف خدیجہ اور بتیاں کا...... بُرائی اور تعفن کا ہر کیڑا بتیاں کی ذات سے منسوب کیا جانے لگا...... چودہ برس کی تھی تو کیا

ہوا...... خوبصورت جو تھی...... آنکھ دیکھی اُس کی...... مست کرتی تھی...... زبان قینچی کی طرح چلتی تھی...... چٹی گوری...... جیسے میدے میں سندور...... کوئی مرمٹا ہوگا۔ لے اُڑا کوئی ہوائی بگولا...... زمانہ ڈوبنے کو آ گیا...... مینڈکی کو زکام ہو گیا......

''بالے! تیری بتیاں بھاگ گئی...... بڑا پیار تھا تجھے......''

''بکواس نہ کر سودے...... بھاگی ہو گی تیری......'' بالے کی غیرت جوش میں آئی اور بیساکھی اُٹھا کر ٹھاک سے سودے کے سر پر دے ماری......

سودے نے اینٹ اُٹھا کر بالے کا سر کھول دیا...... خون کا فوارہ پھوٹ نکلا......

''لو...... اب یہ جھگڑ کے آ گیا......'' ایک بوڑھی عورت نے بالے کو آتا دیکھ کر کہا۔

''سودے نے طعنہ دیا ہے۔'' بالے نے دلگیر آواز میں کہا۔

''بیٹا کس کس سے جھگڑو گے...... بتیاں کی ڈھنڈیا تو سارے گاؤں میں پٹ رہی ہے۔'' باہر نکلتے ایک عورت نے کہا۔

بالے نے خشمگیں نگاہوں سے عورت کو دیکھا اور ایک ہاتھ سے چہرے پر بہنے والے خون کو صاف کیا۔ ''جاؤ...... خدا کے واسطے چلی جاؤ...... بہت کر لیا تم سب نے ماتم...... اب اکیلا رونے کے لئے ہمیں چھوڑ دو......'' بالے نے سب عورتوں کے سامنے زور سے ہاتھ جوڑے۔

''ہنہ......'' عورتیں شانے جھٹک کر باہر نکل گئیں۔

بالے نے اسماعیل کے بوڑھے شانے پر سر رکھا اور پھوٹ پھوٹ کر رو دیا...... بالے کی دگرگوں حالت نے شیری اور خدیجہ کو بھی رُلا دیا۔

''بھیا! کنڈی لگا دو...... اللہ قسم اب کوئی عورت اندر آئی تو یہ مار کر سر کھول دوں گا۔'' وہ شدید غصے میں بیساکھی اُٹھا کر بولا۔

''تو کس کس سے جھگڑا کرے گا...... تیری بے گناہی اس دنیا میں کون مانے گا......؟'' خدیجہ نے بالے سے کہا۔

بالے نے آنسو بھری نگاہیں شیری پر ڈالیں...... جو سر جھکائے خاموش سوچوں میں مستغرق تھا۔ سر سے خون بہہ رہا تھا لیکن وہ خاموش چپکے چپکے آنسو بہاتا رہا۔

''خدیجہ! کوئی ٹاکی جلا کے لے آ...... میں بالے کے زخموں پر پٹی باندھ دوں۔'' اسماعیل نے پلٹ کر دیکھا۔

''رہنے دے چاچا...... یہ کوئی زخم ہے...... ہو جائے گا خود ہی ٹھیک......'' بالے نے لاپرواہی سے قمیض کے بازو سے پیشانی صاف کی۔

''زخم خود ہی ٹھیک نہیں ہوتے جب تک مرہم نہ رکھو......'' اسماعیل نے خدیجہ کے ہاتھ سے ٹاکی لے کر راکھ بالے کے زخم پر رکھتے ہوئے کہا۔

بالے نے درد کی شدت کو محسوس کر کے آنکھیں بند کر لیں...... آنکھیں بند کرتے ہی بتیاں کا خوبصورت ہیولہ فلم کی طرح سکرین بن کر اُس کو تڑپانے لگا۔

''بالے...... آ گیا تو...... کہاں تھا سویرے سے......؟ کب سے راہ تک رہی ہوں تیری......'' وہ حسب عادت بالے کو جھنجھوڑ کر بولی۔

''کوئی مطلب ہو گا...... یونہی تو، تو نہیں میرا انتظار کرنے والی۔'' بالے نے اپنی جیب پر ہاتھ رکھا......

''چل چل...... زیادہ باتیں نہ بنا...... بتا! کہاں تھا...... کیا لایا ہے میرے لئے......؟'' بتیاں نے بالے کے سراپا کو بغور دیکھا۔

''دینو کی دُکان پر گیا تھا...... کچھ خریدنے۔'' بالا رئیسانہ انداز میں اکڑ کر بولا۔

''اچھا...... بڑا پیسے والا ہے تو......'' وہ اُسے ٹھوکا مارتے ہنس دی۔

''اری پگلی...... خرید و فروخت تو پیسے والے ہی کرتے ہیں۔'' بالے نے پھرتن کر اپنا کالر درست کیا۔

''تیرے پاس تو پیسے ہی نہیں ہوتے...... تو خرید و فروخت کہاں سے کرے گا؟'' بتیاں نے بغور نظروں سے ٹٹولا اور اپنی رنگین اوڑھنی کو چہرے کے گرد لپیٹا۔

''میرے پاس بہت پیسے ہوتے ہیں...... میں چاچا سے لیتا ہوں...... بھیا دیتا ہے...... میں کوئی ایسا ویسا نہیں ہوں......''

وہ چارپائی پر بیٹھ گیا...... بتیاں نے بیساکھی پکڑ کر دیوار کے ساتھ لگا دی۔

''اچھا اچھا...... بتا! میرے لئے کیا لایا ہے؟'' وہ اُس کی جیبیں ٹٹولنے لگی۔

''تو نے کیسے جانا کہ میں تیرے لئے ہی لاؤں گا؟'' وہ ہنس دیا...... اور اپنے گھنے بالوں کو اپنی سفید پیشانی سے ہٹایا۔

''اور کون ہے تیرا...... جس کے لئے کچھ لائے گا...... میں ہی تو ہوں......'' وہ بڑے وثوق سے بولی۔

''اچھا...... اتنا اعتماد ہے تمہیں......؟'' بالے نے محبت پاش نگاہیں بتیاں کے خوبصورت سراپا پر ڈالیں۔

''ہاں بالے...... تو جو بھی لائے گا میرے لئے ہی لائے گا...... اور کون ہے تیرا...... میں تو اِک تیری ہوں نا......'' وہ بڑی چاہت سے بالے کے گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر بولی۔

کتنی معصومیت، چاہت اور اپنائیت تھی بتیاں کے الفاظ میں...... بالے نے بڑی گہری نظروں سے اُسے دیکھا۔ سولہ سترہ سال کا بالا جو محبت کا مفہوم بخوبی سمجھتا تھا...... ساری جان سے مرمٹا۔ بے شک بتیاں اس مفہوم سے ابھی ناواقف تھی۔ آج تو اُس کا جی چاہا، بتیاں سے باتیں ہی کرتا رہے۔ چاچا رئیس کے ہاں چاکری پر گیا ہوا تھا...... اور چاچی گھر پر نہیں تھی...... بھیا تو ویسے ہی کام پر ہوتا ہے۔ اُس کا جی چاہا...... بتیاں کو اُٹھا کر آنکھوں میں بھر لے...... معصوم بتیاں کم سن تھی...... ابھی ایسی نگاہوں کا مطلب نہ جانتی تھی۔

''اب دکھا بھی دے...... کیا لایا ہے...... جلدی کرنا!...... اماں آجائے گی۔'' وہ جلا کر بولی۔

''اماں آجائے گی تو کیا ہوا...... میں کوئی ڈرتا ہوں کسی سے؟'' وہ اکڑ کر بولا۔

''اُوئی اللہ...... تجھے کسی کا ڈر نہیں رہا۔'' وہ بڑی سادگی سے اپنے عنابی رُخساروں پر حیرت سے اُنگلیاں رکھ کر بولی۔

''ہے مجھے ڈر...... ڈرتا کیوں نہیں اللہ سے...... ایک اور بندہ ہے۔'' وہ سوالیہ نگاہیں ڈال کر بولا۔

''کون ہے وہ......؟'' بتیاں نے کہا۔

''کان اِدھر لا......!''

''ہاں بتا......'' بتیاں کان بالے کے ہونٹوں کے پاس لے جاتے بولی۔

''بتیاں سے......'' بالے نے سرگوشی کی۔ اور وہ کھلکھلا کر ہنس دی...... اس میں بالے کی ہنسی بھی شامل ہوگئی۔

''یہ دیکھ...... تیرے لئے کانچ کی چوڑیاں لایا ہوں...... ابھی پہن لے میرے سامنے...... وہ سنہری فیروزی رنگ کی چوڑیاں بتیاں کو دکھاتے بولا۔

''اتنی پیاری...... اللہ...... بڑی ہی خوبصورت ہیں...... مجھے معلوم تھا...... تو میرے

لئے ہی لایا ہوگا۔'' بتیاں بڑی چاہت سے دو دو کر کے اپنے نازک ہاتھوں کو گول کر کے کلائیوں میں چوڑیاں پہننے لگی۔ ساری چوڑیاں پہن لوں......؟'' وہ زیادہ دیکھ کر بولی۔

''ساری پہن لے...... تیری ہیں......'' وہ بڑی چاہت سے بولا۔

''کلائیاں بھر جائیں گی...... اچھی لگیں گی نا......؟'' وہ جیسے بالے سے مشورہ مانگنے لگی۔

''ہاں...... بہت اچھی...... ویسے بھی تیری نازک کلائیوں میں یہ رنگ بڑا جچ رہا ہے۔'' وہ محبت سے دیکھ کر بولا۔

''بتیاں......'' وہ بولا۔

''ہاں......؟'' وہ چوڑیاں پہن کر بولی۔

''چائے بناؤ گی......؟'' وہ بولا۔

''بناؤں گی...... تو کام کہے بھلا میں نہ کروں......؟'' وہ بولی۔

''تو چھوٹی ہے نا...... چولہے کا کام کم ہی کرتی ہے نا......'' وہ کھڑا ہو گیا۔

''چھوٹی کہاں ہوں...... تیرے کندھوں تک تو آ ہی گئی ہوں...... تو، تو ہے ہی لمبو......'' وہ کہتے ہوئے زور سے ہنس دی۔ وہ بھی ہنس دیا۔

''پانی رکھ دوں......؟'' بتیاں چوڑیوں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بولی۔

''ہاں...... تو پانی رکھ! میں گڑ لے کر آتا ہوں۔'' وہ بیساکھی ٹیکتا باہر نکل گیا۔

بتیاں نے صحن میں گھڑی لکڑی پر سے المونیم کی دیگچی اُتاری...... اور پانی ڈال کر چولہے پر رکھ دی......

خدیجہ داخل ہوئی۔

''اماں...... آ گئی تو...... ماما ٹھیک تھا نا...... زیادہ چوٹ تو نہیں آئی......؟'' بتیاں خدیجہ کے سر پر سے بڑا سا گٹھڑ اُتارتے بولی جس میں سے ساگ سبزی کے پتے جھلک رہے تھے۔

''لاکھ شکر ہے...... مولا کریم نے ہاتھ رکھ کر بچا لیا...... بھینس بڑی اکھڑ تھی...... کوئی ہڈی پسلی ٹوٹ جاتی تو بڑا نقصان ہو جاتا......'' خدیجہ نے گٹھڑ اپنے قریب گھسیٹا۔

''ماما نے کتنا کچھ دے دیا اماں......'' بتیاں کی آنکھیں کھل گئیں۔

''میں سسرال نہیں میکے گئی تھی...... اللہ رکھے میرا ایک ہی بھائی ہے اور وہ بھی بڑا

خیال رکھتا ہے میرا...... بھرجائی نے سو چیزیں باندھ دیں...... ساگ پکا ہوا بھی اور بھی...... یہ دیکھ! مکھن جوار کا آٹا...... تیرے اور میرے سوٹ...... اور گڑ...... اس مرتبہ گنے کی فصل بڑی اچھی ہوئی ہے...... گڑ تو اور بھی آ جاوے گا۔ اور ہاں! شیری اور تیرے کے کپڑے......" خدیجہ نے سب کچھ نکال کر باہر رکھ دیا۔

"اماں...... بالے کے کپڑے نہیں......؟" وہ دل مسوس کر رہ گئی۔

"بالا اُن کا کیا لگتا ہے...... کوئی چٹی تو نہیں اُنہیں جو ہمیں دیں، بالے کو لازماً دیں۔" خدیجہ حسب عادت بلند آواز سے بولی۔

"ہائے اماں...... آہستہ بول...... بالا سن لے گا تو اُس کا دل برا ہوگا۔" وہ دروازے کی طرف دیکھ کر بولی۔

وہ پڑی میں گڑ لے کر داخل ہوا...... بتیاں نے بالے کے ہاتھ سے گڑ کی پڑیا پکڑ لی۔ "آ گئی چاچی...... خیریت تھی نا...... ماما ٹھیک تھا نا......؟" بالے نے بڑے بوڑھوں کی طرح خیریت پوچھی۔

"سب ٹھیک ٹھاک ہیں۔" خدیجہ نے چولہے کی طرف دیکھا۔

"اماں! چائے رکھی ہے...... تمہارے لئے پانی ڈال دوں......؟" بتیاں مٹکے کے پاس جاتے ہوئے بولی۔

"صبح چائے نہیں بنائی......؟" خدیجہ نے کسی ممتحن کی طرح سوال کیا۔

"بنائی تھی چاچی...... سردی کی وجہ سے میرا جی چاہ رہا تھا......" وہ کھسیاتا ہوا بولا۔

"زیادہ جی کا حکم نہ مانا کر...... جی تو بڑی فرمائشیں کرتا ہے...... تو کیا کیا بات مانے گا اپنے جی کی......؟" خدیجہ نے ایک دم سے بالے کو جھاڑ دیا۔

"اماں...... بالا دیر سے آیا تھا باہر سے...... اس نے تو چائے نہیں پی...... اس کی پیالی میں نے بابا کو دے دی......" وہ بالے کی خاطر جھوٹ بول گئی۔

بالے نے چونک کر اُس کی طرف دیکھا۔ بتیاں نے بڑی بڑی پلکیں جھپکا کر بالے کو خاموش رہنے کو کہا...... اور خود دو ٹکیاں گڑ کی پانی میں ڈال دیں۔

"ٹھیک ہے......" وہ تھکی ہوئی تو تھی...... وہیں لیٹ گئی۔

بالا اُٹھا اور چولہے کے پاس بچھی چٹائی پر بیٹھ گیا...... بتیاں نے ایک پیالی بالے کو اور دوسری ماں کو پکڑائی......

"یہ چوڑیاں کہاں سے لیں؟" پیالی پکڑے خدیجہ نے دیکھا۔

"اماں...... بالا لایا ہے میرے لئے...... اچھی ہیں نا......؟" وہ چوڑیاں ماں کے سامنے کرتے بولی۔

"اچھی ہیں...... کبھی کبھی چاندی کے کنگن بھی پہن لیا کر...... کتنے پیارے سے ماما لایا تھا تیرے لئے۔" خدیجہ کو یاد آ گیا۔

"پہن لوں گی اماں...... عید آنے دو...... اچھے سوٹ کے ساتھ وہ اچھے لگیں گے۔"

بالا دیکھتا رہا...... اُس کی جگہ وہ جواب دے کر کمی پوری کر رہی تھی۔ بات کا بروقت جواب دینے میں اُسے ملکہ حاصل تھا...... کہنے والا لاجواب ہو جاتا......

"اماں...... ساون رُت آ رہی ہے...... باغ میں میلہ بھی لگے گا...... نئے کپڑے سلوا دینا......" وہ ماں کے پاس بیٹھتے بولی۔

"سل جائیں گے...... ماسی جنت کی بڑی لڑکی اچھے کپڑے سیتی ہے...... اُسے دے دینا......" خدیجہ نے کہا۔

"ماں! اوڑھنی پر پھول پتیاں بھی لگاؤں گی۔" وہ اٹھلا کر بولی۔

"میں تمہیں دینو کی دکان سے بانکڑی اور پھول پتیاں لا دوں گا۔" بالے نے اُٹھتے ہوئے کہا۔

ٹھک ٹھک...... باہر والا دروازہ زور زور سے بجنے لگا...... وہ گرتے گرتے بچا......

خیالات کا تانا بانا ایک دم ٹوٹ گیا......

محلے کی عورت داخل ہوئی۔

"اسماعیل! بتیاں کا پتہ چلا......؟" عورت نے اسماعیل کے پاس جاتے ہوئے کہا۔

اسماعیل لرز سا گیا......

"نہیں خالہ...... نہیں...... جب معلوم ہو جائے گا تو مسجد میں اعلان کروا دیں گے...... اب ہماری جان چھوڑ دو...... نہ ستاؤ...... جاؤ......" بالے نے زور سے ہاتھ جوڑے۔

"اے ہے...... تیرا بھتیجا کھانے کو دوڑے...... بتیاں کے جانے کا سنا تھا تو چلی آئی......" وہ تنک کر جواب دیتی پلٹی۔

"خدا کے خوف سے ڈرو خالہ...... بتیاں خود نہیں گئی...... دشمنی لی ہے کسی نے......"

بالے کے اندر کا الاؤ اور بھڑک اُٹھا۔

''کسی کو کیا پڑی ہے پرائی آگ میں کودنے کی...... ہنہ......'' عورت نے ہاتھ نچا کر کولہوں پر رکھے۔

''جاؤ بہن...... ہمارے زخموں پر نمک مت چھڑکو......'' اسماعیل نے آہستہ سے جیسے التجا کی۔

''جا رہی ہوں...... توبہ......'' وہ مٹکتی ہوئی باہر کی طرف لپکی۔

خدیجہ اُٹھی...... ''کنڈی لگا دو چاچی...... اب کسی کو نہیں آنے دُوں گا...... بس! اِس دروازے سے بتیاں ہی آئے گی......'' بالا بیساکھی پر چہرہ رکھے پھوٹ پھوٹ کر رو دیا۔

وہ نہ آئی...... پہلے ہی باندھ کر رکھتے...... کہیں اور روشنی کر رہی ہو گی۔'' وہ عورت زہر میں بجھا نشتر اُن کے سینوں میں گھونپ کر جلدی سے باہر نکل گئی اور بالا سر پیٹ کر رہ گیا۔

اسماعیل کا گھر ویران کھنڈر لگنے لگا تھا...... بتیاں کیا گئی کہ ساری کائنات کی روشنیاں ساتھ لے گئی...... اسماعیل اور شیری نے باہر نکلنا چھوڑ دیا تھا...... خدیجہ گھر کی چار دیواری میں مقید ہو کر رہ گئی تھی...... یہ سانحہ ایسا نہ تھا جس کو جلد فراموش کیا جا سکتا...... یہ کسی کی چال لگتی ہے...... بتیاں کو کسی نے اغواء کیا ہے...... میری معصوم بچی اکیلی کہیں نہیں جا سکتی......

بالا دروازے میں کھڑا ہو کر آنے جانے والوں کو مشکوک نگاہوں سے دیکھتا رہتا...... کون میری بتیاں کا چور ہے۔ اُسے تو سب چور ہی نظر آتے تھے...... کوئی مخلص نظر ہی نہیں آتا تھا۔

''بتیاں...... تو کہاں ہے......؟'' ایک دلدوز کراہ کے ساتھ وہ رو دیا...... بتیاں کی جدائی اُس کا جگر چھلنی کر رہی تھی...... وہ ایک دم سے چونکا...... رُخساروں پر ٹھہرے آنسوؤں کو ہتھیلی سے صاف کیا......

''بالے...... اسماعیل کہاں ہے؟'' ایک آدمی نے آتے ہی کہا۔

''گھر پر ہے......'' وہ بولا۔

''اسماعیل کو کہو! رئیس بلا رہا ہے...... بابا جلدی کرو...... بہت دن ہو گئے ہیں۔'' وہ شخص بولا۔

''بھیجتا ہوں......'' وہ اندر جاتے ہوئے بولا۔

''ہاں...... بھیجو بابا بھیجو......'' اُس آدمی نے کہا۔

''چاچا...... رئیس کا کم دار بلا رہا ہے......'' بالے نے کہا۔

''مجھے......؟'' اسماعیل چونک گیا۔

''ہاں...... رئیس نے کہا ہے...... ابھی آؤ......'' بالے نے جواب دیا۔

''جاؤ! چلے جاؤ...... تین دن تو ہو گئے۔'' خدیجہ نے کہا۔

''کیا کروں...... کچھ کرنے کو جی نہیں چاہتا۔'' وہ اُٹھتے ہوئے بولا۔

''رئیس کے ہاں تو جانا ہی پڑے گا...... روٹی کیسے چلے گی......؟'' اسماعیل کو باہر جاتے دیکھ کر خدیجہ نے کہا۔

''اسماعیل...... رئیس بلا رہا ہے بابا......'' کم دار نے کہا۔

''چلو...... آ رہا ہوں......'' اسماعیل افسردگی سے بولا۔

''میرے ساتھ ہی آ جاؤ......!'' کم دار نے کہا۔

دونوں ساتھ ساتھ چل دیئے۔

''اسماعیل آ گیا ہے رئیس......!'' کم دار نے بڑے ہال میں قدم رکھا۔

''ہاں ہاں...... آؤ اسماعیل...... کچھ پتہ چلا تمہاری لڑکی کا......؟'' رئیس ملک شیر افضل نے پوچھا۔

''نہیں رئیس...... آج تین دن ہو گئے ہیں...... کچھ پتہ نہیں چلا......'' اسماعیل نے کہا۔

''تمہیں کسی پر شک تو نہیں......؟'' رئیس نے پوچھا۔

''نہیں رئیس سائیں...... کسی پر شک نہیں...... میرا تو کوئی دشمن ہی نہیں......'' اسماعیل نے بڑے اعتماد سے کہا۔

''تمہاری کیا دشمنی ہو سکتی ہے کسی سے......'' رئیس بھی جانتا تھا کہ اسماعیل شریف آدمی ہے...... اس کی کیا دشمنی ہو سکتی ہے کسی سے......؟

''کس نے چھرا گھونپا ہے میری پیٹھ میں......؟'' اسماعیل جیسے سسک اُٹھا۔

''خیر! معلوم ہو جائے گا...... اگر تو کسی بندے کا کام ہے تو چھپ نہیں سکتا......'' رئیس نے کہا۔

''کیا معلوم رئیس سائیں...... میں تو یہاں سے اب دوسری جگہ جانا چاہتا ہوں...... گاؤں والوں نے جینا دوبھر کر دیا ہے......لوگ تھوتھو کرتے ہیں......'' اسماعیل نے شانے پر لٹکے رُومال سے آنکھیں صاف کیں۔

''یہ سب قدرت کی طرف سے ہے......تمہارا تو قصور نہیں۔'' رئیس نے کہا۔

''دنیا تو ایسا نہیں سمجھتی...... مجرم میں ہوں......سزا مجھے ہی دی جا رہی ہے...... اور بیٹی کی جدائی کا زخم بھی مجھے لگا ہے۔'' وہ دل گرفتہ سا بولا۔

''تم یہاں سے کہیں نہیں جاؤ گے......ہمیں تمہاری ضرورت رہتی ہے بابا......'' رئیس ملک افضل نے کہا۔

''مہربانی ہے رئیس سائیں۔'' اسماعیل کے دل کو ڈھارس سی ہو گئی۔

''کمدار......'' رئیس نے دُور کھڑے ملازم کو آواز دی۔

''حاضر ہوں رئیس سائیں......'' کمدار قریب آ گیا۔

''جاگیر میں گھوم پھر کر لوگوں پر نظر رکھو......کون ایسی حرکت کر سکتا ہے......اور کون ایسا بد بخت ہے جو اسماعیل کو تنگ کر رہا ہے......ہمیں اطلاع کرو...... پھر کوئی قدم اُٹھائیں گے......'' رئیس نے کہا۔

''بہتر ہے سائیں......'' کمدار نے کہا۔

اور رئیس ملک افضل اُٹھ کر چلا گیا۔

چند روز یوں ہی گزر گئے...... وہ باغ کے دروازے پر ایک پتھر پر بیٹھ جاتا اور بتیاں کا منتظر رہتا...... جب شام میلی ہو جاتی...... سورج اچھی طرح مغرب کی گود میں سو جاتا تو وہ واپس لوٹتا...... دوسری صبح وہ پھر چل دیتا...... ایسا کرنا اب اُس کا معمول ہو چکا تھا۔ کئی دنوں سے باغ کا چوکیدار اُسے دیکھ رہا تھا۔ آج اُس نے پوچھ ہی لیا۔

''بیٹا...... تمہیں کس کا انتظار ہے...... کس کو تلاش کر رہے ہو......؟'' بوڑھا چوکیدار اُس کے پاس آ گیا۔

''تمہیں کچھ علم نہیں بابا؟'' وہ حیرانی سے بوڑھے کے چہرے پر کچھ تلاش کرنے لگا۔

''نہیں بیٹا...... میں نہیں جانتا...... میں تو نیا ہوں...... ڈیوٹی بدل گئی ہے میری......'' بوڑھا بالے کے قریب بیٹھ گیا۔

''میری بتیاں کھو گئی ہے بابا...... روز تلاش کرنے آتا ہوں...... ملتی ہی نہیں۔'' بالے

نے روہانسا سا منہ بنایا۔

''کس کو کہہ رہا ہے...... بتیاں کوئی لڑکی تھی کیا؟'' بوڑھے نے پوچھا۔

''ہاں بابا...... بتیاں کھو گئی ہے...... میں اُس کی تلاش میں آتا ہوں۔''

''ہاں ہاں...... میں نے سنا تھا اس باغ سے تیرہ چودہ برس کی لڑکی کسی نے اغواء کر لی ہے...... سنا تھا میں نے ...... بڑی سندر بچی تھی......'' بوڑھے کو بھی افسوس ہوا۔

''ہاں...... وہ میری بتیاں تھی...... باغ میں جھولا جھولنے سکھیوں کے ساتھ آئی تھی۔'' بالے کی غم سے آواز نہ نکل رہی تھی۔

''پھر کیا ہوا...... ملی نہیں......؟'' بوڑھے کو تشویش ہوئی۔

''نہیں...... اگر ملتی تو ہر روز یہاں کی خاک کیوں چھانتا پھرتا......؟'' بالے نے ایک ... سے بالوں کو سیدھا کیا۔

''اس باغ میں تو لڑکیاں آتی ہی رہتی ہیں...... جھولے جھول کر لوٹ جاتی ہیں۔'' بوڑھے نے بالے کی ملتجی نگاہوں میں جھانکا۔

چند لمحے دونوں خاموش رہے...... بالا اِدھر اُدھر نہ جانے کیا تلاش کرتا رہا......

''تمہیں کسی پر شک تو ہوگا......کون دشمن ہے بچی کا......؟'' بوڑھے نے سکوت توڑا۔

''شک تو کسی پر نہیں بابا...... بھلا بتیاں کا کون دشمن ہو سکتا ہے......؟'' وہ انکار میں ... ہلاتے بولا۔

''اس حصے میں تو کوئی مرد بھی نہیں آتا...... دوسری جگہ نوجوان آتے ہیں......کھیل کود ... چلے جاتے ہیں۔'' بوڑھا بولا۔

''ہاں......'' بالے نے صرف اتنا ہی کہا۔

''وہ دیوار اسی لئے بنائی ہے۔'' بوڑھے چوکیدار نے سامنے دیوار کی طرف اشارہ کیا۔

وہ درختوں کے جھرمٹ کو دیکھتا رہا...... ''اے کاش...... ان درختوں سے نکل آؤ ...ل......آؤ بتیاں! لوٹ آؤ......'' وہ رو دیا...... بڑی بے قراری کے ساتھ۔

''میرے بچے! حوصلہ کرو...... اس طرح دل چھوڑ دو گے تو کیسے تلاش کرو گے؟'' ...ھے نے بالے کے کمزور شانے پر ہاتھ رکھا۔

اور وہ ٹوٹا ہوا گھر کی طرف چل دیا۔

☆☆☆

''بتیاں! چلو نا شام ہو رہی ہے..... میلہ اُجڑ گیا..... لوگ گھروں کو جا رہے ہیں۔''
بتیاں کو اُونچی پینگ چڑھاتے چاندنی نے زمین پر کھڑے ہانک لگائی۔

''چلے جاتے ہیں..... ذرا پینگ اور چڑھا لوں.....'' وہ پیروں کے زور سے پینگ اور اُوپر چڑھاتے بلند آواز میں بولی۔

''بتیاں! گر جائے گی..... اُوئی اللہ..... اتنی اُونچی پینگ نہ چڑھا۔'' چاندنی خوفزدہ سی ہو گئی..... بتیاں کی پینگ ہوا سے باتیں کر رہی تھی۔

''تو خواہ مخواہ ہی ڈرنے لگتی ہے..... ذرا صبر تو کر..... آج تو بالا بھی نہیں ہے.....'' وہ اُونچائی سے بولی۔

''تجھے شیری بھیا کا بھی خوف نہیں..... گلا دبا دے گا وہ تیرا..... تیرے ساتھ میرا بھی.....'' چاندنی شیری کی زبردست طبیعت سے واقف تھی۔

''اچھا بابا اچھا..... چل.....'' بتیاں نے ایک جھٹکے سے پینگ کو روکا اور چھلانگ لگا کر اُتر گئی۔

''تمہاری باتوں سے میں تو بہت ڈر جاتی ہوں..... بھلا بھیا سے پوچھا نہیں ہوا.....؟'' وہ خفا سی بولی۔

''پوچھا تو ہوا ہے..... شام تو دیکھ..... اِکا دُکا لوگ رہ گئے ہیں.....'' چاندنی نے کہا۔

''بتیاں..... آؤ گھر چلیں.....'' اُس کی پشت سے کسی نے پکارا۔

''لو..... وہ دیکھ! بالی..... تجھے تو ویسے بھی جلدی پڑی ہوئی ہے۔'' بتیاں بالی کو دیکھ کر ہنس دی۔

''تو اُدھر کیا کرنے گئی تھی.....؟'' چاندنی حیرت سے بولی۔

''اُدھر پکوان پک رہے تھے..... بڑے مزے مزے کی چیزیں کھائی ہیں میں نے۔'' بالی چٹخارے لیتی بولی۔

بس! باتیں ختم کرو..... اور گھر چلو.....'' چاندنی نے بالی کے بھائی کو آتے دیکھ کر کہا۔

''چلو.....'' تینوں دوسری کئی عورتوں کے ساتھ باغ سے باہر آ گئیں۔

گلی کی نکڑ پر چاندنی اگلی گلی مڑ گئی۔ ''بالی کے ساتھ جا رہی ہو۔ آج بالا نہیں آیا.....؟'' چاندنی نے دیکھا وہ بالی کا ہاتھ پکڑ کر اُس کے ساتھ چل رہی تھی۔

''چاندنی! میں اِدھر سے اپنے گھر چلی جاؤں گی۔'' بتیاں نے کہا۔

''اچھا.....!'' چاندنی اپنے گھر کی طرف چل دی۔

مست ہرنی کی طرح چوکڑیاں بھرتی دونوں چلی جا رہی تھیں..... ایک گلی میں بالی داخل ہو گئی اور بتیاں دوسری طرف اپنے گھر کو جانے والی گلی میں۔ وہ چھلانگیں لگاتیں، اُچھلتی کودتی جا رہی تھی..... شام گہری ہو چکی تھی..... لوگ مارے سردی کے گھروں میں دبکے بیٹھے تھے۔ سردی جو بڑھ رہی تھی۔ ہر گھر سے دُھواں اُٹھ رہا تھا..... چولہے جو جل رہے تھے..... یا لوگ لکڑیاں جلا کر آگ تاپ رہے تھے۔

بتیاں نے اپنی رفتار کو تیز کر دیا..... چاندنی کا گھر تو بہت قریب تھا لیکن بالی کا ایک گلی کا فاصلہ.....

اچانک اُس کا سانس بند ہو گیا..... کسی طاقت ور ہاتھ نے اُس کا منہ بند کر دیا..... وہ تھوڑا سا کسمسائی، پھر اُس کے ہاتھ ڈھیلے پڑ گئے..... اور وہ سیاہ فام لالو کے دیو ہیکل ہاتھوں میں جھول گئی۔

''اب آئی نا ہاتھ..... بڑا عزت دار بنا پھرتا تھا۔'' لالو نے مُردہ جانور کی طرح بتیاں کو کندھے پر پھینکا اور چادر ڈال کر بڑی سڑک کی طرف قدم بڑھا دیئے۔

سڑک کے کنارے سیاہ گاڑی کھڑی تھی..... اُس کے اندر لالو کا ساتھی بادشاہ سٹیرنگ پکڑے تیار بیٹھا تھا۔

''آ گئی قابو.....؟'' بادشاہ نے پلٹ کر بتیاں کے بے حس و حرکت نازک سے جسم کو دیکھا۔

''کیسے نہ آتی..... آج تو ویسے بھی اکیلی تھی..... اس کا چوکیدار جو نہ تھا.....'' لالو نے بتیاں کو گاڑی کی پچھلی سیٹ پر لٹا کر سفید چادر سے ڈھانپ دیا۔

بادشاہ نے ایک زبردست جھٹکے کے ساتھ گاڑی سٹارٹ کر دی۔

''اب چند دن اِدھر کا رُخ نہ کرنا۔'' لالو نے کہا۔

''چند دن غائب رہیں گے...... بعد میں بات دب جائے گی۔'' بادشاہ نے موڑ کاٹا۔

''اب تک تو ساری بستی میں شور مچ چکا ہوگا۔'' لالو کے چہرے پر تشویش کے آثار تھے۔

''ویسے رئیس کو کیا معلوم کہ ہم کہاں ہیں......'' بادشاہ نے کہا۔

''یہ تم نے اچھا کیا...... میرا تو کام باہر کا تھا۔'' لالو نے کہا۔

بادشاہ نے گاڑی کی سپیڈ اور تیز کر دی۔

''روکو روکو...... آگے چیکنگ ہو رہی ہے...... کوئی مسئلہ ہے۔'' لالو نے بادشاہ کے ہاتھ پر ہاتھ رکھا۔

''رُکیں گے تو چیکنگ میں دھرے جائیں گے......'' بادشاہ نے پلٹ کر بے ہوش بتیاں کی طرف دیکھا۔

''میں تو کہتا ہوں سگنل توڑ کر نکل چلتے ہیں...... رُکاوٹیں بہت ہیں...... پولیس ہم تک نہیں پہنچ سکتی۔'' لالو نے کہا۔

''ٹھیک ہے...... چلو......!'' اس کے ساتھ ہی بادشاہ نے گیئر لگایا اور گاڑی ہجوم سے نکال لے گیا۔

پولیس نے چونک کر دیکھا...... ڈیوٹی پر کھڑے پولیس افسر حرکت میں آئے۔ لیکن شومئی تقدیر قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا...... بادشاہ اور لالو نے پولیس کی نظروں سے بچ کر نکل جانا چاہا لیکن خدا کی آنکھ سے کون بچ سکتا ہے؟ زبردست تیز رفتاری کے باعث گاڑی سامنے آنے والے بہت بڑے ٹرالے سے ٹکرائی اور پاش پاش ہوگئی...... پولیس نے سب کو روک دیا...... بادشاہ اور لالو تو موقع پر ہی ہلاک ہوگئے۔ گاڑی پوری طرح کچل جا چکی تھی۔ لیکن جس جگہ بتیاں پڑی تھی وہاں گاڑی کی سیٹ کو کوئی نقصان نہیں پہنچا تھا...... بلکہ بتیاں کی بے ہوشی ٹوٹ چکی تھی...... اور قدرت نے اُسے صحیح سلامت بغیر کسی تکلیف کے بچا لیا تھا...... چند لوگوں نے اُسے کھڑکی سے باہر نکال لیا تھا...... جہاں ایک عورت نے محبت اور شفقت سے اُسے ساتھ لگا لیا۔

''میری بچی...... تم ٹھیک ہو نا...... تمہیں کوئی چوٹ تو نہیں آئی......؟'' جیون بائی نے اُسے ساتھ لگا لیا۔

پولیس شور و غل اور لالو، بادشاہ کی لاشوں کے خوفناک انجام سے متاثر ہو کر اُن کے بارے میں مصروف ہوگئی۔ اشتہاری مجرم تھے...... پولیس کے لئے یہی بڑی پُرمسرت بات

تھی۔

جیون بائی نے پیارے لال کو آنکھ ماری اور دونوں ہجوم سے بتیاں کو لے کر باہر نکل آئے...... ''چلو ڈرائیور......'' جیون بائی نے بیٹھتے ہی کہا۔

''کہیں پولیس ہمارے تعاقب میں نہ آجائے......'' پیارے لال نے خدشہ ظاہر کیا۔

''تم تو ازلی دیوانے ہو...... پولیس کیا کرے گی ہمارا...... ہم نے اس معصوم کی جان بچائی ہے۔'' جیون بائی نے اِدھر اُدھر دیکھتی بتیاں کو دیکھا...... جس کے حواس شاید ابھی درست نہ ہوئے تھے۔

''ہم نے نہیں جیون بائی...... خدا نے بچائی ہے۔'' پیارے لال نے ڈرائیور کو دیکھا جس نے رفتار اور تیز کر دی تھی......

''اب تم مروا نہ دینا...... آہستہ چلو...... ہم ہجوم سے نکل آئے ہیں۔'' پیارے لال نے تمام سامان کو بغور دیکھا۔

''کیا دیکھ رہے ہو......؟'' جیون بائی نے بتیاں کے بڑی محبت سے بال سنوارے۔

''میں دیکھ رہا ہوں کے سامان پورا ہے؟'' پیارے لال نے شاپنگ بیگ گنتے ہوئے کہا۔

''پورا ہی ہوگا......''

اور دوسرے لمحے سلامت ڈرائیور نے گاڑی محل کے اندر داخل کی۔

''خانم جان کو کیا کہیں گے......؟'' پیارے لال نے کہا۔

''میں خود کہہ دُوں گی...... تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں...... ویسے بھی خانم محل میں اب نئی لڑکیوں کی کمی ہے۔'' جیون بائی نے کہا۔

''ہوں...... پیارے لال نے سوچا...... اور گاڑی خانم محل کے خوبصورت پورچ میں داخل ہوئی۔

''خانم اغواء کی ہوئی کوئی لڑکی پسند نہیں کرتی۔'' پیارے لال نے کہا۔

''میں تم سے بہتر جانتی ہوں...... چلو آؤ بیٹی......!'' جیون بائی نے لڑھکتی ہوئی بتیاں کو سہارا دیا...... دوسری طرف سے پیارے لال نے تھام لیا۔ دونوں بتیاں کو لے کر بڑے ہال میں آگئے۔

''پانی......'' پہلی مرتبہ بتیاں نے زبان کھولی۔

''لو پانی......'' پیارے لال نے جلدی سے لپک کر قریبی جگ سے پانی شیشے کے گلاس میں انڈیلا اور بتیاں کے منہ کو لگا دیا۔ بتیاں ایک ہی سانس میں سارا گلاس خالی کر گئی۔

''میں کہاں ہوں......تم مجھے کہاں لے آئے ہو......؟'' بتیاں نے حیرت و استعجاب کے عالم میں جیون بائی کے کرخت چہرے کو دیکھا۔

''تمہارا ایکسیڈنٹ ہو گیا تھا...... ہم تمہیں ہجوم سے نکال کر لائے ہیں۔'' پیارے لال نے بڑی محبت سے کہا۔

''میں تو باغ میں تھی...... میں......'' بتیاں نے اپنے ذہن پر زور دیا۔ زبردست جھٹکے نے یادداشت پر اثر چھوڑ دیا تھا۔

''باغ......کون سا باغ......؟'' جیون بائی نے اُونچی آواز میں کہا۔

''معلوم نہیں......'' وہ نحیف سی آواز کے ساتھ پیارے لال کے بازوؤں میں جھول گئی۔

''یہ ابھی صحیح طریقے سے ٹھیک نہیں ہوئی۔'' جیون بائی نے کہا۔

''لیٹ جاؤ......!'' پیارے لال نے اُسے صوفے پر بٹھایا......لیکن وہ پیارے لال کا ہاتھ نہ چھوڑ رہی تھی۔

اچانک خانم جان ہال میں داخل ہوئی۔ جیون بائی اور پیارے لال ایک دم احتراماً کھڑے ہو گئے۔

''بہت دیر لگا دی تم لوگوں نے۔'' خانم نے بغور صوفے کی طرف دیکھا......

اُس کی آنکھوں سے نکلتے شعلوں سے پیارے لال نے عالم گھبراہٹ سے کہا۔

''یہ......یہ بچی ہے خانم جان...... ایکسیڈنٹ سے بڑی مشکل سے بچی ہے۔'' پیارے لال نے معمولی سا سانحہ بیان کرنا چاہا۔''

''ایکسیڈنٹ......؟'' خانم جان نے حیرت سے آگے بڑھ کر بتیاں کو دیکھا۔ فرشی غرارے کے بل دار گھیر کو پکڑ کر پھیلایا اور بڑی تمکنت سے نایاب ایرانی قالین پر رکھے آرائشی صوفے پر بیٹھ گئی......سر کو بڑی نخوت سے سوالیہ انداز میں جنبش دی۔

''بڑا زبردست ایکسیڈنٹ ہوا تھا خانم سرکار...... خدا نے بال بال بچایا اس بچی کو۔'' جیون بائی نے تمہید باندھی۔

خانم نے بڑی چور نگاہوں سے بتیاں کے حسن و جمال کو تولا......آئندہ کے لئے بہتر ثابت ہو سکتی ہے......یہ سوچتے ہی اپنا رُخ جیون بائی کی طرف موڑ لیا۔

''بہت نایاب ہے خانم سرکار......!'' جیون بائی نے کہا۔

''بالکل...... بالکل......'' پیارے لال نے تائید کی۔

''ہم دیکھ رہے ہیں...... حسن و جمال میں یکتا ہے۔'' خانم جان نے بتیاں کے خاموش لیکن دلکش چہرے کو دیکھا اور اُس کے سراپا کا اچھی طرح جائزہ لیا۔

''تم جانتی ہو جیون بائی...... ہم کسی ماں کا جگر گوشہ نہیں چھینتے۔'' خانم جان کی نگاہیں بتیاں کے نازک وجود سے ہٹ کر جیون بائی کی ارزقی آنکھوں سے ٹکرائیں۔

''ارے نہیں نہیں خانم سرکار......'' جیون بائی اس غیر متوقع تصادم سے لرز گئی۔

''سلامت سے پوچھ لیں سرکار...... سودے سلف کے لئے اُس کی گاڑی تھی۔''

''نہیں...... زیادہ استفسار ہمیں پسند نہیں...... یہ لو...... مال اچھا ہے...... اور اچھے مال کی قیمت نہیں دیکھی جاتی......'' خانم جان نے نوٹوں کی ایک گڈی جیون بائی کی طرف اُچھال دی......جس نے اُچک کر اپنے ہاتھوں میں قابو کر لی۔ پیارے لال نے چونک کر خانم جان کی طرف دیکھا۔

''تمہارا بھی حصہ ہے۔'' خانم نے جیون بائی کی طرف دیکھا۔ جیسے جیون بائی کو پرکھ رہی ہو۔ اس کے بعد خانم نے ایک مخصوص اشارہ کیا۔ جس کا مطلب خانم محل کے سب لوگ جانتے تھے۔

اشارہ پاتے ہی جیون بائی اور پیارے لال ہال کمرے سے نکل گئے۔

''ہمارے پاس آؤ......'' خانم نے بڑی نرمی اور حلاوت سے بتیاں کو اپنے پاس بلایا......''ہاں ہاں......آؤ! ہم تمہیں کچھ نہیں کہیں گے......آؤ......شاباش......'' خانم نے دیکھا وہ لڑکھڑاتے قدموں اور نحیف بدن کو گھسیٹتے آ رہی تھی۔

''بیٹھو......شاباش......'' بتیاں بے دم سی خانم کے قریب گری جس کو خانم نے سہارا دیا۔

''میں...... میں......'' وہ اپنے بے ربط سانسوں پر قابو پاتے صرف اتنا ہی کہہ سکی......

''یہ لوگ تمہیں کہاں سے لائے ہیں......؟'' خانم نے بتیاں کے ریشمی بالوں پر ہاتھ پھیرا۔

''مجھے...... مجھے...... بہت سارے لوگوں میں سے......'' وہ اتنا ہی کہہ سکی۔

''بازار سے......؟'' خانم نے پوچھا۔

''نہیں...... ہاں......'' اس کے ساتھ ہی وہ خانم کی گود میں سر چھپا کر رونے لگی۔

''دیکھو...... روتے نہیں...... تم اچھی بچی ہو نا...... ہمارے ساتھ رہو گی؟'' خانم محبت سے پوچھا۔

''میں گھر جاؤں گی۔'' وہ سسکتے ہوئے بولی۔

''گھر کہاں ہے......؟'' خانم نے پوچھا۔

''گھر...... یہی ہے...... یہی ہوگا......'' وہ سوچنے لگی...... اور پھوٹ پھوٹ کر رونے

''پیارے لال......'' خانم نے آواز دی۔

''پیارا حاضر ہے خانم جان......'' دوسرے ہی لمحے پیارے لال جو بیس بائیس، سادہ جوان تھا...... سفید شلوار قمیض میں ملبوس حاضر ہوا۔

''جیون بائی کو بلاؤ......!'' خانم نے گردن اُٹھا کر بارُعب آواز سے کہا۔

''ابھی لایا خانم جان......!'' چند لمحوں کی تاخیر کے بعد جیون بائی حاضر ہوگئی۔

''جیون بائی حاضر ہے خانم جان......!'' پیارے لال نے بڑی دلکش مسکراہٹ ساتھ بتیاں کو دیکھا...... جس کے آنسو موتیوں کی طرح رُخساروں پر ٹکے ہوئے تھے۔

''جیون بائی......!'' خانم نے کہا۔

''حکم ہو خانم جان......!''

''اس بچی کے علاوہ کتنی لڑکیاں تمہاری تحویل میں ہیں؟''

''تین سرکار......!'' جیون بائی فوراً بولی۔

''اور باقی چار......؟'' خانم جان نے پوچھا۔

''گل بانو کے پاس سرکار......!'' جیون بائی نے جواب دیا۔

''ٹھیک ہے...... ہم اسے تمہاری نگرانی میں دے رہے ہیں۔'' خانم جان نے کہ

''یہ تو بہت چھوٹی ہے سرکار......!'' جیوا بائی جو رقم لے چکی تھی، شاید بھول چکی تھ

''چھوٹی ہے تو کیا ہوا...... دودھ پیتی بچی تو نہیں۔'' خانم جان نے کہا۔

بتیاں چاروں جانب پھٹی پھٹی نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔

''اپنا نام بتاؤ۔'' خانم نے پوچھا۔

''میرا نام...... میرا نام...... پتہ نہیں...... کیا ہو سکتا ہے...... نام......'' بڑ- سراسیمگی کے عالم میں بتیاں نے خانم کی جانب دیکھا...... اُس کی موٹی موٹی آنکھوں

علی اور نا سمجھی کی چمک روشن ہو چکی تھی......

''اپنا نام بتاؤ لڑکی......!'' جیون بائی نے بتیاں کے بازو کو پکڑ کر ذرا زور سے جنبش دی۔

''نہ...... نہ...... جیون بائی...... ہاتھ ہلکا رکھو...... ملوک سی کومل چھوری ہے۔'' پیارے لال نے فوراً جیون بائی کو اُس کا انداز یاد دلا دیا۔

''اپنے کام سے کام رکھو پیارے......!'' جیون بائی تنک کر جھلا اُٹھی۔

''اپنا ہی کام کر رہا ہوں۔'' پیارے لال نے بے خوفی کا مظاہرہ کیا۔

''جاؤ پیارے! جیون بائی کے ساتھ والا کمرہ درست کرواؤ لڑکی کے لئے......'' خانم جان نے موقع کی مناسبت سے کہا۔

''بہتر سرکار......'' وہ بڑے دروازے کی طرف بڑھ گیا...... دیکھا تو پو پھٹ چکی تھی...... سحر اُجالے میں تبدیل ہو چکی تھی۔

''بتیاں گل کر دو جیون بائی......!'' خانم جان نے کہا۔

''ہاں...... ہاں...... میرا نام بتیاں ہے...... یاد آ گیا...... میرا نام بتیاں ہے......'' وہ ایک دم اُچھلی اور خوشی سے بھرپور اظہار کے لئے خانم جان کے بازو کو مضبوطی سے تھام لیا۔

''بتیاں...... بتیاں...... بتیاں...... اتنا پیارا نام...... تم واقعی بتیاں ہو......'' تینوں کے منہ سے یکبارگی نکلا اور پیارے لال مسکراتا ہوا باہر نکل گیا۔

''تمہارا نام بتیاں ہے...... بہت پیارا نام ہے۔'' خانم جان نے کہا۔

''ہاں...... میری اماں مجھے اسی نام سے پکارتی ہے......'' وہ سنجیدہ ہو گئی۔

''کہاں کی رہنے والی ہو......؟'' جیون بائی خاموش بیٹھی دیکھتی رہی اور خانم نے سوال کیا۔

''یہ کون سی جگہ ہے......؟'' بتیاں نے کہا۔

''یہ تو کراچی ہے...... ملک کا سب سے بڑا شہر......'' خانم جان بولی۔ اتنا سننے کے بعد بتیاں خاموش ہو گئی...... شاید کسی گہری سوچ میں کھو گئی تھی۔ ؟؟ تم کہاں کی رہنے والی ہو......؟'' خانم جان نے کہا۔

''چک ہے...... یہ پتہ نہیں وہ کہاں ہے......؟'' بتیاں سوچ میں اُتر گئی۔

''گھر میں اور افراد تو ہوں گے......؟'' جیون بائی نے پوچھا۔

اس کے جواب میں بتیاں نے صرف جیون بائی کا چہرہ دیکھا۔ خانم جان نے ہاتھ کا

اشارہ کیا کہ اور سوالات پوچھنے کی ضرورت نہیں...... بتیاں کی یادداشت متاثر ہے۔

جیون بائی نے اقرار میں گردن ہلائی اور بڑے دروازے کی طرف دیکھا۔ ''کمرہ ٹھیک کر دیا خانم جان......!'' پیارے لال اندر آتے ہی بولا۔

جیون بائی نے اُسے دیکھ کر منہ پھیر لیا

خانم جان نے دیکھا اور لاپرواہی سے بتیاں کے بالوں کو سنوارا۔ ''پیارے لال!''

''حاضر ہے پیارے لال خانم سرکار......'' پیارے لال مخصوص انداز سے بولا۔

''بتیاں کو اس کے کمرے میں لے جاؤ...... میں جیون بائی کو لے کر ابھی آتی ہوں۔''

''بہتر سرکار...... آؤ بتیاں......!'' پیارے لال نے کہا۔

بتیاں نے ہاتھ بڑھایا...... جسے پیارے لال نے تھام لیا۔

''جاؤ اپنے کمرے میں بتیاں...... ہم تمہارے لباس کا بندوبست کر کے جیون بائی کو بھیجتے ہیں۔'' خانم جان نے کہا۔

وہ اقرار میں گردن ہلا کر پیارے کا بازو تھامے ساتھ چل دی۔

''جیون بائی......!''

''جی خانم جان......!''

بتیاں کی پرداخت اب تمہارے ذمے ہے...... لڑکی بڑی چالاک و چست ہے...... اگر نام بتیاں ہے تو خوبصورت بھی ویسی ہے......'' خانم جان نے آئندہ کے لئے ایک لائحہ عمل تیار کر لیا تھا۔

''ہم اس کی پرورش میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کریں گے سرکار...... لیکن ایک بات ضرور ہے جو آپ سے کہیں گے۔'' جیون بائی کی اُبھری ہوئی چوڑی پیشانی پر کئی سلوٹیں نمایاں ہو گئیں۔

''کہو......'' اس کے ساتھ خانم جان مسکرا دی۔ شاید وہ جان چکی تھی کہ جیون بائی کیا کہنا چاہتی ہے؟

''ہمیں پیارے لال کی مداخلت بالکل پسند نہیں۔'' جیون بائی ناگوار انداز میں بولی۔

''ہم اُسے منع کر دیں گے...... تم اُس کے بارے میں مت سوچو۔'' خانم جان نے مسکرا کر کہا۔

''کل کا چھوکرا نصیحت کرتا ہے...... مجھے اچھا نہیں لگتا۔ جیون بائی نے کہا۔

''دیکھو جیون بائی...... تم اپنے خاندان کے ساتھ اسی حویلی میں مدت سے مقیم ہو...... اور پیارے لال کا بھی یہی حال ہے...... وہ اسی حویلی میں پیدا ہوا...... اور یہیں پلا بڑھا...... یہ اور بات ہے باپ چھوڑ گیا اور ماں نے گلے میں پھانسی کا پھندہ ڈال کر کسی دوسرے شخص کے ظلم سے تنگ آ کر موت قبول کر لی...... خیر! تم کوئی خیال نہ کرو...... میں سمجھا دوں گی......'' خانم جان نے جیون بائی کے بھاری شانے پر ہاتھ رکھا۔

جیون بائی نے اقرار میں گردن ہلائی اور کھڑی ہو گئی۔

''جاؤ...... کوشش کرنا وہ تمہارے ساتھ مانوس ہو جائے...... ہمیں اُس سے بڑی اُمیدیں وابستہ نظر آتی ہیں...... اُمید واثق ہے کہ مستقبل میں بہترین ثابت ہو گی۔''

''ٹھیک ہے خانم سرکار......!'' جیون بائی کہتے ہوئے ہال سے نکل کر طویل راہ داری عبور کرتے کوریڈور سے ہوتی بتیاں کے کمرے میں داخل ہوئی...... بتیاں جیون بائی کو دیکھ کر کھڑی ہو گئی۔

''تمہیں کمرہ پسند آیا بتیاں! یہ تمہارا کمرہ ہے......'' جیون بائی بتیاں کے پاس آ کر بولی۔

''ہمارا کمرہ......؟'' بتیاں نے کھڑے ہو کر کمرے کی کشادگی، خوبصورتی، آرائشی سامان سے مزین در و دیوار کے چمک دار پالش کو دیکھا اور نگاہیں بڑے آویزاں کلاک پر ٹک گئیں۔

''ہاں...... یہ تمہارا کمرہ ہے......''

''لیکن یہ میرا گھر تو نہیں۔'' بتیاں نے کہا۔

''اب اپنے گھر کو چھوڑو...... تم نے یہاں رہنا ہے۔'' جیون بائی نے کہا۔

''میں یہاں نہیں رہوں گی...... نہیں رہوں گی۔'' وہ روتی ہوئی جیون بائی کے بازو سے چمٹ گئی۔

''اور کہاں رہو گی...... تمہیں تو اپنے گھر کا بھی علم نہیں۔'' جیون بائی نے کہا۔

''ہے تو اس دنیا میں۔'' بتیاں نے برجستہ جواب دیا۔

''تمہارا کیا خیال ہے...... ساری دنیا گھوم کر تمہیں تمہارا گھر مل جائے گا؟'' جیون بائی نے جیسے اُس کے زخم کرید ڈالے۔

''ہاں...... مجھے گھر لے کر چلو...... جیون بائی...... میرے گھر...... میں پہچان لوں گی......'' بتیاں نے جیون بائی کو جھنجھوڑا۔

''تمہارا رونا فضول ہے...... آرام سے رہو...... تم اپنے گھر سے بہت دُور ہو۔'' جیون بائی عادتاً کرخت لہجے میں بولی۔

''میں جاؤں گی......'' بتیاں سسکیاں لینے لگی۔

''معلوم نہیں تم کہاں سے آئی ہو...... جو لوگ تمہیں اُٹھا کر لائے تھے، وہ موت کے گھاٹ اُتر گئے......اور تمہارے گھر والے...... وہ تمہاری موت کا یقین کر چکے ہوں گے۔'' جیون بائی نے بڑے نصیحت بھرے موڈ میں کہا۔

''نہیں...... نہیں...... مجھے مرنے سے ڈر لگتا ہے......ایسا نہ کہو......'' وہ بولی۔

''بس! پھر خاموش ہو جاؤ...... تم نے اسی حویلی میں رہنا ہے بس...... کہیں نہیں جانا......'' جیون بائی نے بات کو ختم کرنا چاہا۔

''نہیں رہوں گی...... چلی جاؤں گی یہاں سے......'' وہ روتے ہوئے بولی۔

''دیکھو...... خاموش رہو...... شور مت کرو...... جب تمہارا اتا پتہ ہی نہیں تو جانا کیسا......تمہارا اشتہار اخبار میں کوئی نہیں نکلوائے گا......''

''جیون بائی...... مجھے یہاں سے جانے دو......میں نہیں رہوں گی......'' وہ چلا چلا کر جیون بائی سے اپنا ہاتھ چھڑانے لگی۔

''تمہارا دماغ چل بسا ہے......آرام سے بیٹھو......'' جیون بائی نے غصے سے کہا۔

''مجھے میرے گھر لے کر چلو......'' بتیاں نے چلانا شروع کر دیا......

''بتیاں...... خاموش ہو جاؤ...... کہاں جاؤ گی...... یہ دنیا بڑی سفاک ہے......تم اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی......کسی اور کے ہاتھ آ جاؤ گی......'' جیون بائی نے پوری طاقت سے بتیاں کو اپنی طرف کھینچا...... ''بکواس بند کرو......''

''جاؤں گی...... یہاں سے بھاگ جاؤں گی......'' غصے اور طیش میں بتیاں نے پوری طاقت سے اپنے آپ کو چھڑانے کی کوشش کی...... ابھی ہاتھ چھوٹا ہی تھا کہ جیون بھائی کا بھرپور بھاری ہاتھ اُٹھا اور بتیاں کے سرخ و سپید رُخسار پر نشان چھوڑ گیا...... اور پانچوں اُنگلیاں پیوست ہو گئیں......

''جیون بائی...... کیوں مارا کومل چھوری کو......؟'' ایک دم پیارے لال نے اندر آ کر بتیاں کو ساتھ لپٹا لیا۔ بتیاں پیارے لال سے لپٹ کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

''قابو میں نہیں آ رہی...... بھاگنے کی کوشش کر رہی ہے۔'' جیون بائی ہانپ رہی تھی۔

''کہاں جائے گی...... کنوئیں کے مینڈک کی طرح اسی حویلی میں رہنا ہے اس کو...... اِدھر نہ سہی اُدھر...... جگہ تو یہی ہے......'' پیارے لال نے بتیاں کے رُخسار کو سہلاتے ہوئے کہا۔

''یہ تیری شے پہ اکڑ رہی ہے...... تو یہاں سے چلا جا......'' جیون بائی پوری طرح غصے میں تھی۔ بتیاں نے اپنی گرفت کو پیارے لال کی کمر پر مضبوط کر لیا...... اور رحم طلب نگاہوں سے دیکھا۔

''گھبراؤ نہیں بتیاں...... یہاں بیٹھو...... میرے ہوتے ہوئے کوئی تمہیں کچھ نہیں کہے گا۔'' پیارے لال نے بڑی محبت سے بتیاں کو اپنے پاس بٹھایا۔

''تم میری روزی کے پیچھے پڑے ہوئے ہو......'' جیون بائی نے کہا۔

''کچھ نہیں ہوتا تمہاری روزی کو...... بچی کمزور ہے......شفقت سے پیش آؤ......'' پیارے لال نے بڑے گستاخ انداز میں جواب دیا۔

''جب تم میرے خلاف ایسی حرکات کرو گے تو پھر......'' وہ دانستہ خاموش ہو گئی۔

''جیون بائی! لوٹ کر دیکھو ماضی کے جھروکوں میں...... میں نے تمہارے کتنے تھپڑ برداشت کیے ہیں......اور جب بھی میں نے خانم جان سے شکایت کی...... یہی جواب ملا...... پیارے لال! جیون بائی تمہاری برداشت کر رہی ہے۔'' وہ جھک کر طنزیہ لہجے میں ہنس دیا۔

''میں نے جو کچھ کیا تمہارے فائدے کے لئے کیا تھا...... تم جو بھاگنا چاہتے تھے......'' جیون بائی نے ندامت بھرے انداز میں آنکھیں بتیاں کے چہرے پر مرکوز کر لیں جو ابھی تک پیارے لال سے لپٹی ہوئی تھی۔

''نہ تمہاری روزی بند ہوئی...... نہ جانے آج تک کتنی رقم......''

''بکواس بند کرو......اور دفعہ ہو جاؤ یہاں سے......''

''جا رہا ہوں......'' پیارے لال کھڑا ہوتا ہوا بولا۔

بتیاں حراساں اُس کے ساتھ ہی کھڑی ہو گئی۔

''دیکھا...... یہ اب مجھ سے دُور بھاگنے لگی ہے۔'' جیون بائی کو بتیاں کی اس حرکت پر اور غصہ آ گیا۔

''نہیں بھاگتی...... پیار کی بھوکی ہے......محبت کرو اس سے......تمہارا خوف اس کے

دامن سے اُتر جائے گا۔'' وہ جانے کے لئے آگے بڑھا۔

''پیارے لال......مت جاؤ......''

''ابھی آؤں گا...... خانم کا کچھ کام باقی ہے۔'' بتیاں کی دلدوز پکار پر وہ چند ثانئے رُکا پھر تیز رفتاری سے دروازے کی طرف بڑھا۔ اور وہ ہاتھوں پر چہرہ رکھے سسک اُٹھی۔

''بتیاں! آرام کرو...... تم بہت تھکی ہوئی ہو۔'' جیون بائی اپنے غصیلے جذبات پر قابو پاتے اُس کے قریب آئی۔

بڑی مایوس کن نظریں بتیاں نے کمرے کی چار دیواری پر ڈالیں...... جب کوئی چارہ نہ رہا تو ساکن افسردہ نرم و گداز بستر پر دراز ہوگئی...... بہت کچھ یاد کرنے کی کوشش کر رہی تھی کہ وہ کون ہے اور کہاں سے آئی ہے...... گاڑی کے زبردست جھٹکے نے اُس کی یادداشت کو بڑا متاثر کیا تھا...... وہ یوں محسوس کر رہی تھی جیسے اُس کا کچھ کھو گیا ہے...... اور اُسے کسی کی تلاش ہے۔ وہ سکون کے لئے سونا چاہتی تھی لیکن نیند اُس کی آنکھوں سے بہت دُور تھی...... اور اِسی کشمکش میں کئی روز بیت گئے...... وہ حراساں اِدھر اُدھر دیکھتی...... اُسے کچھ سمجھ نہ آتی۔''

☆☆☆

بتیاں کا کھو جانا گویا اسماعیل پر غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑنے کے مترادف تھا...... وہ رئیس کی حویلی جاتا...... نہ چاہتے ہوئے بھی وہ رئیس کا کام کرتے ہی لوٹ آتا...... اکثر گم سم لوگوں کی نظروں سے غائب رہتا...... اُس کا دل نہ حویلی میں لگتا اور نہ باہر...... دائرہ حیات تنگ ہوتا دکھائی دے رہا تھا...... یوں لگتا جیسے ہر شخص اُس کو چور سمجھتا ہو...... وہ ساری بستی کا مجرم ہو...... یوں سارے لوگوں کے گناہ اُس کے کھاتے میں جا رہے ہوں...... سب کو گناہ پر آمادہ کرنے والا بھی وہی ہے۔ وہ بچتا بچاتا زندگی کے دن گزار رہا تھا...... ہر شخص اُس کو عجیب نظروں سے دیکھتا محسوس ہوتا جیسے پھانسی پر چڑھا کر اُس کے پیروں تلے سے زمین کھینچ لے گا...... وہ بڑی تیز رفتاری سے باہر نکل آیا۔

''اسماعیل......'' سانول کی آواز پر وہ رُک گیا۔

''گھر جا رہے ہو......؟'' سانول نے قریب جا کر کہا۔

''ہاں......تھوڑا سا کام تھا، کر دیا...... باقی کل سہی......'' اسماعیل نے رُومال اُتار کر چہرہ صاف کیا۔

''ارے یار...... تمہیں کیا ہو گیا ہے......؟ اپنے آپ کو سنبھالو یار......'' سانول نے اُس کی حالت سے اندازہ لگایا۔

''کیا کروں سانول...... حویلی کاٹنے کو دوڑتی ہے...... یہ کھیت کھلیان ڈستے ہیں مجھے......اور میرا جی کہیں ٹھہرتا ہی نہیں۔'' اسماعیل نے ایک گہرا سانس لیا اور آسرے کے لئے سانول کے مضبوط شانے پر ہاتھ رکھا۔

''حوصلہ کرو نا یار...... میں جانتا ہوں تم پر ظلم ہوا ہے...... لیکن دُکھ سکھ تو خدا کی طرف سے آتے ہیں نا۔'' سانول نے اُس کا شانہ دبا کر تسلی دی۔

''اب حوصلے کی بات مت کرو سانول...... بتیاں کی جدائی میری رُوح کو چاٹ رہی ہے......'' اسماعیل کے الفاظ میں بڑی مایوسی عیاں تھی۔

''ایسے سانحے حوصلے پست کر دیتے ہیں...... خیر! اللہ نے چاہا تو کہیں نہ کہیں تو سراغ مل ہی جائے گا۔'' سانول نے کہا۔

''کوئی سراغ نہیں ملے گا...... یوں لگتا ہے جیسے میری بیٹی کو زمین نگل گئی ہے یا آسمان نے اُٹھا لیا ہے۔'' اسماعیل کی آواز بھرا سی گئی تھی۔

''تو، تو بڑا عزت دار بنتا تھا...... کہاں گئی تیری آکڑ پھاکڑ...... ہا...... ہا...... ہا......''

ڈاور کا فلک شگاف قہقہہ بلند ہوا...... اُس کے ساتھ اُس کا دست راست سلطان بھی شامل ہو گیا۔

تڑپ کر اسماعیل اور سانول نے دیکھا...... ''شرم کرو ڈاور...... تمہاری بھی بیٹی ہو گی۔ خدا کے خوف سے ڈر......'' سانول نے کہا۔

''شکر ہے اُس رب کا...... ہماری کوئی بیٹی ہی نہیں...... اگر ہوتی......'' وہ دونوں طنزیہ ایک ساتھ اداکاری کرتے بولے...... زور سے ہنسے......

''اگر ہوتی تو......؟'' سانول نے کہا۔

''اگر ہوتی تو نکیل ڈال کر رکھتے...... بھاگنے نہ دیا ہوتا۔'' سلطان کے لہجے میں متکبرانہ انداز مخفی تھا۔

''وہ تو معصوم بچی تھی...... کھیلنے کودنے کے دن تھے اُس کے۔'' سانول کی نگاہ میں بتیاں کا سراپا گھوم گیا۔

''ہنہ بچی...... بھولے یار...... بیٹیاں پیدا ہوتے ہی جوان ہوتی ہیں...... کیا سمجھے؟''

سلطان نے طنز کے بھرپور نشتر کو سانول کے جگر میں پیوست کیا...... اور ایک فلک شگاف قہقہہ بلند کرتے آگے نکل گئے......

''ہائے بیچارہ...... بیٹی کا غم کھا گیا......'' ڈاور نے قہقہہ لگایا اور سلطان کے شانے پر تھپڑ مارا۔

اسماعیل زمین میں گڑا جا رہا تھا...... ''سانول! مجھے گھر لے چلو......'' اسماعیل نے لرزتے ہوئے کہا۔

''کیا بات ہے......؟'' سانول بھی گھبرا سا گیا...... اُس کی حالت بڑی غیر لگ رہی تھی......وہ بری طرح کانپ رہا تھا......

''بس! تم جلدی کرو......'' اسماعیل نے سانول کے شانے تھام لئے۔

''آؤ......تم زیادہ دل چھوڑ گئے ہو......'' سانول نے اسماعیل کا بوجھ اپنے شانوں پر ڈالا اور گھر کی طرف چل دیا۔

''شیری پتر......اوئے شیری......''

دستک ہوتے ہی خدیجہ نے دروازہ کھول دیا...... ''سانول بھیا...... کیا ہوا ہے؟'' خدیجہ بری طرح گھبرا اٹھی۔

''کچھ نہیں ہوا بھرجائی......تم جلدی سے چائے رکھو......اور دہکتے ہوئے کوئلے لاؤ اس کے پاس...... اسے ٹھنڈ لگ گئی ہے......'' وہ اسماعیل کو گھسیٹتے ہوئے اندر لے آیا اور برآمدے میں بچھے تخت پر لٹا دیا۔

اسماعیل نے ایک جھرجھری سی لی اور آنکھیں کھول دیں...... سانول نے لحاف اُس پر اوڑھا دیا...... چند لمحوں کی تاخیر نہ ہوئی تھی کہ خدیجہ دو کپ چائے لے آئی......

''لو پیو......'' سانول نے ایک کپ اسماعیل کو دیا اور دوسرا خود لے لیا۔

''شیری کے ابا! کیا ہو گیا ہے تمہیں...... میں بھی تو جی رہی ہوں......'' وہ بڑے کرب سے آنکھیں صاف کرتے بولی۔

''یہ جینا کوئی جینا تو نہیں خدیجہ......'' اسماعیل نے خالی کپ پکڑا کر خود کو تکیے پر گرا لیا۔

''بھیا......اسے کیا ہو گیا تھا......؟'' خدیجہ نے گھبرا کر سانول سے پوچھا۔

''کچھ نہیں ہوا......بس! ذرا چکر آ گیا تھا......اب ٹھیک ہے۔ پریشانی کی کوئی بات نہیں۔'' سانول نے کہا۔ اُسے خدیجہ پر رحم آ رہا تھا۔

''کیا کروں...... اُس کی صورت نے جگر چھلنی کر دیا ہے...... کہاں کھو گئی موہنی صورت......کون ظالم چور ہو گیا......کون میری بتیاں کو چرا کر لے گیا......؟'' اسماعیل چہرہ جھکا کر بری طرح رو دیا۔ اُس کے چہرے پر حزن و ملال کے ان گنت سائے رقص کناں تھے۔

سانول اُس کا ہمدرد تھا اور رشتے میں اسماعیل کا بھائی بھی لگتا تھا۔ وہ اسماعیل کو اس قدر افسردہ دیکھتا تو اُس کا دل کٹ جاتا...... اس وقت بھی وہ دل کے پھپھولے پھوڑتا رہا...... وہ خاموش اسماعیل کی دُکھ بھری داستان سنتا رہا...... ماحول پر سراسیمگی کا عالم طاری تھا...... خدیجہ بھی سانس روکے بیٹھی تھی۔ شیری اور بالا گھر میں نہیں تھے......

ایک دم اسماعیل تڑپ کر تخت سے اُٹھ بیٹھا......

''کیا ہوا......؟'' سانول چونک گیا۔

''میں اس گاؤں میں نہیں رہوں گا۔'' وہ جھکا اور سانول کے شانے پر سر رکھ دیا۔

''تمہیں کیا ہو گیا ہے...... حوصلہ کرو یار...... اب اس دکھ کا سامنا تو کرنا پڑے گا۔'' سانول نے بڑی کوشش کی کہ وہ اس غم کی پرچھائیں سے دُور رہے...... لیکن بتیاں کی عدم موجودگی آسیب کی طرح اُس کا تعاقب کر رہی تھی۔

''نہیں کر سکتا سامنا...... لوگ ہنستے ہیں مجھ پر۔ خاشاک تمسخر کرتے ہیں...... فرش سے عرش تک سب کا مجرم لگتا ہوں...... کیا کروں...... اپنی ہی نظروں میں گر چکا ہوں۔'' وہ سسک اُٹھا...... ''کاش پیدا ہوتے ہی میں گلا دبا دیتا اُس کا......'' وہ بلک بلک کر رو دیا۔

''بیٹی کا غم ہے...... تمہیں برداشت کرنا ہوگا۔'' سانول نے کہا۔

''اسی لئے تو برداشت نہیں ہو رہا مجھ سے......ہائے کاش بتیاں میری بیٹی نہ ہوتی......وہ تیری کوکھ سے جنم نہ لیتی...... خدیجہ! وہ تیری کوکھ سے جنم نہ لیتی......'' وہ خدیجہ کو پوری طاقت سے جھنجھوڑ کر خود دیوانوں کی طرح رونے لگا...... خدیجہ بھی آنچل منہ پر رکھے رونے لگی۔

دروازے پر دستک ہوئی...... اسماعیل نے آنسو صاف کئے...... اور خدیجہ نے تیزی سے دروازہ کھول دیا۔

''آ گیا تو......؟'' اسماعیل نے دیکھا بالا بیساکھی ایک کونے میں کھڑی کر رہا تھا۔

''ہاں چاچا! آ ہی گیا ہوں۔'' بالا مایوسی سے جیسے سسک اُٹھا۔

''باغ میں گیا تھا......؟'' اسماعیل نے پوچھا۔

''اور کہاں جاؤں گا......؟'' بالا اپنے کپڑوں پر سے مٹی جھاڑتے بولا۔

''تو پاگل ہو گیا ہے...... وہ کہاں آئے گی...... کوئی بیری لے گیا اُس کو......'' اسماعیل نے غمزدہ لہجے میں کہا۔

''اسماعیل...... میں چلتا ہوں۔'' سانول اُداس باہر نکل گیا۔

''چاچی......'' بالا جیب میں ہاتھ ڈال کر بولا۔

''کیا ہے......؟'' خدیجہ یونہی بیٹھے بیٹھے بولی۔

''یہ دیکھ...... یہ بتیاں کی چوڑیاں ہیں نا؟'' بالے نے ٹوٹی ہوئی چوڑیوں کے کئی ٹکڑے جو کرچیوں کی صورت میں تھے خدیجہ کے ہاتھ پر رکھے۔

''ہائے میں مری...... یہ تو بتیاں کی چوڑیاں ہیں......'' خدیجہ نے تڑپ کر چوڑیاں آنکھوں کو لگالیں۔

''یہ وہی چوڑیاں ہیں جو میں اُس کے لئے لایا تھا۔'' بالے نے چوڑیاں واپس جیب میں ڈال لیں۔

''دکھا مجھے......'' اسماعیل جلدی سے اُٹھ کر بالے کے پاس آیا۔

''یہ دیکھ چاچا...... کوئی بیری ہی بتیاں کو لے گیا ہے...... کوئی دشمن تھا......'' بالے نے پھر ٹوٹی چوڑیاں اسماعیل کے سامنے اپنے ہاتھوں پر پھیلا دیں۔

''تو نے کہاں سے لیں......؟'' اسماعیل نے بالے کو بڑے غور سے دیکھا۔

''میں اُدھر بالی والی سڑک پر گیا تھا...... یوں ہی مٹی پر نظر پڑی تو مجھے ٹوٹی چوڑیاں نظر آگئیں۔'' بالے نے چوڑیاں واپس جیب میں رکھ لیں۔

''ہوں...... اب معاملہ سمجھ میں آ رہا ہے......'' اسماعیل نے سوچتے ہوئے کہا۔

''کیا......؟'' خدیجہ نے اُٹھ کر آنسو صاف کئے اور بالے کے پاس آ گئی۔

''بتیاں کو کسی نے اغواء کیا ہے......'' اسماعیل نے چہرہ جھکا لیا۔

''کون ظالم تھا...... جس نے ایسا کیا......؟'' بالا انتہائی عالم افسردگی میں روہانسا سا ہو گیا۔

''بس! وہی رُسوائی، ذلت اور بدنامی...... جو مقدر ہے اب ہمارا......'' اسماعیل اُٹھ کر واپس اپنی جگہ پر چلا گیا۔

''چاچی...... آج کتنے دن ہو گئے بتیاں کو گئے ہوئے......؟'' بالے نے پوچھا۔

''بہت دن ہو گئے......'' خدیجہ نے ایک ٹھنڈی آہ بھری۔

''بہت دن...... یوں لگتا ہے جیسے کل کی بات ہو......'' بالے نے کہا۔

''اسی طرح گزرتے جائیں گے دن......'' خدیجہ نے کہا...... درد و کرب اُس کے الفاظ میں پوشیدہ تھا۔

بتیاں کا کہیں پتہ نہیں چل رہا...... کیا اسی طرح دن......'' بالے نے اضطراب میں بال درست کئے۔

''کہاں سے پتہ چلے گا...... اب نہ آئی وہ...... کچھ بھی ہو...... رُسوا تو ہو گئے ہم......'' اسماعیل نے کہا...... خدیجہ بھی چہرہ چھپا کر رونے لگی۔

''مت رو...... اندھی ہو جائے گی اس طرح رو رو کر...... بس! اب یہاں سے چلنے کی تیاری کرو......'' اسماعیل نے جھنجھلا کر کہا۔

''اور جوریکس کا قرض......؟'' خدیجہ نے یاد دلایا۔

فصل پکنے کے بعد اپنے حصے کی فصل بیچ کر قرض اُتار دوں گا۔'' اسماعیل نے جیسے پوری طرح ٹھان لیا تھا۔

''چاچا...... کیا یہ گھر چھوڑ دیں گے......؟'' یوں لگا جیسے بالے کے سینے میں کسی نے خنجر اُتار دیا ہو۔

''ہاں...... کیا کرنا ہے اس گھر کو جہاں لٹیروں نے نقب لگا لی ہے...... راہزن قیمتی اشیاء لے گئے ہیں...... آگ لگا دو اس گھر کو......'' ایک دم چیخنے کے بعد اسماعیل چہرہ تکیے پر گرا کر زار و قطار رو دیا۔

''میں یہاں سے نہیں جاؤں گا...... اسی چوکھٹ پر مروں گا اور اسی پر جیوں گا۔'' بالے نے زور سے ہاتھ جھٹکا۔

''تو پاگل ہو گیا ہے...... ساری زندگی بھی چوکھٹ پکڑ کر بیٹھے گا نا تو تیری مراد پوری نہیں ہو گی۔'' اسماعیل کو سارے اندیشے، وسوسے اور شکوک ڈسنے لگے تھے۔

''تیرا کیا رکھا ہے یہاں بالے...... ضد مت کر......'' خدیجہ نے نرمی سے کہا...... یا وہ مسلسل رونے کے بعد تھک چکی تھی۔

''بہت کچھ ہے یہاں۔ جیون کی ساری دولت یہاں ہے...... یہاں...... یہاں......'' آگے اُس کی آواز حلق میں پھنس گئی...... وہ کچھ بھی نہ کہہ سکا...... یوں بے بس، تہی دامن...... بیساکھی پر سر رکھے بلک بلک کر رو دیا...... جیسے کوئی بچہ عزیز ترین کھلونا کھو جانے

سے روتا ہے۔ بتیاں اُس کے تصور میں پوری آب و تاب کے ساتھ آ گئی ہو...... ''یہاں اُس کے میٹھے میٹھے قہقہے...... کھنکتی ہوئی ہنسی...... شوخیاں...... شرارتیں...... سب ہی تو ہے...... اس گھر میں اُس کی خوشبو پھیلی ہوئی ہے...... چاچا! نہیں جاؤں گا میں...... اس گھر کو نہیں چھوڑوں گا......'' وہ دیوانے پن میں یہ بھی بھول گیا کہ وہ بیساکھی کے بغیر چل نہیں سکتا...... وہ اُٹھا اور گرتے گرتے واپس بیٹھ گیا۔

''تو باولا ہو گیا ہے...... وہ مر گئی ہے...... زندہ نہیں ہے...... کسی نے مار دیا اُس کو۔'' اسماعیل چیخ اُٹھا۔

''نہیں مری وہ...... میرا من کہتا ہے وہ زندہ ہے...... آئے گی ایک دن...... میرے دل کی ہر دھڑکن یہی کہتی ہے کہ بتیاں زندہ ہے...... وہ زندہ ہے......'' بالے نے کہا۔

خدیجہ رو دی...... ''اسے کون سمجھائے......؟''

اسماعیل نے دیکھا وہ لاٹھی ٹیکتا سامنے کوٹھری میں گھس گیا۔

''یہ نہیں سمجھے گا...... اکیلا رہ گیا ہے...... اُس کا بچپن لڑکپن صرف بتیاں کے ساتھ تھا۔ کھیلتا تھا اُس کے ساتھ...... اُسے اس گھر میں اور کوئی نظر نہیں آتا۔'' خدیجہ نے بڑے کرب سے سامنے کوٹھری کو دیکھا۔ ''ہم تو بتیاں کو رو لیتے ہیں...... اور یہ معصوم دل سے مجبور گلیوں کی خاک چھانتا پھرتا ہے...... پو پھٹتے ہی نکل جاتا ہے...... رات کو مایوس لوٹ آتا ہے......'' خدیجہ کو بالے پہ بہت رحم آیا۔

اسماعیل نے کندھے پر رکھے رُومال سے چہرہ صاف کیا۔

''شیری کے ابا......'' خدیجہ ایک دم چونکی۔

''ہاں......!'' اسماعیل نے کہا۔

''بتیاں کو کوئی اُٹھا کر نہ لے گیا ہو۔'' بڑی دیر کے بعد خدیجہ کو خیال آیا۔

''تو رونا کس بات کا ہے...... وہ معصوم اکیلی کہاں جاتی......؟'' اسماعیل ایک سرد آہ بھرنے کے بعد دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔

''یہ کام کوئی دشمن ہی کر سکتا ہے۔'' خدیجہ نے کہا۔

''اس زمین کا ذرہ ذرہ مجھے دشمن نظر آتا ہے...... کوئی بھی تو سجن نہیں......'' اسماعیل نے آنکھیں بند کر لیں۔ ''ہوا کے ایک جھونکے سے میں خوفزدہ ہو جاتا ہوں۔ کیا کروں کوئی نجات کا راستہ نظر نہیں آتا۔'' وہ مجبور لاچار اپنا چہرہ گھٹنوں میں چھپا کر سسک اُٹھا۔

''نہ جانے اس وقت بتیاں کہاں ہو گی...... کس کے چنگل میں پھنس گئی ہے میری کومل بچی۔''

کون جانے بتیاں پر کیا بیت رہی تھی......

حویلی کی دیوار کے پاس بڑے درخت پر چڑھنے کی ناکام کوشش کرتے پہرے دار نے اُس کو ٹانگ سے گھسیٹ لیا۔

''بھاگ رہی ہے تو...... تیرا کیا خیال ہے درخت پر چڑھ کر تو حویلی کی دیوار پھلانگ لے گی......؟ تجھے نہیں پتہ کمبخت! یہ تو آسمان سے باتیں کرتی ہے...... چل! تجھے خانم سرکار کے پاس لے چلتا ہوں...... وہی فیصلہ کریں گی تیری سرکشی کا۔'' سیاہ فام افریقی پہریدار کے دیو ہیکل ہاتھوں نے اُسے بری طرح دبوچ لیا۔

''چھوڑ دو مجھے...... میں یہاں نہیں رہوں گی...... نہیں رہوں گی ہاں......'' وہ پوری طاقت لگاتے چن ژی کے ہاتھ سے اپنی کومل کلائی چھڑانے لگی۔ بہرحال گرفت چن ژی کی ہی مضبوط تھی۔

''کیسے نہیں رہے گی...... اب آ گئی ہے تو رہنا پڑے گا...... یہاں سے تو تیرا جنازہ ہی نکلے گا۔'' وہ اُسے گھسیٹتا ہوا بولا۔

''دیکھ...... تو میرا گلا دبا کر مجھے مار دے...... تاکہ میں مر جاؤں...... لے! دبا دے میری گردن۔'' وہ اپنی صراحی دار گردن چن ژی کے سامنے کرتے بولی۔

''تو چل خانم سرکار کے پاس...... وہ تیرا گلا دبائیں یا جان سے ماریں......'' وہ اُس کا بازو پکڑے راہ داری سے ہوتا غلام گردش کا بڑا زینہ چڑھ گیا۔

''نہ نہ نہ...... مجھے خانم سرکار کے پاس نہ لے جاؤ...... دیکھ...... میں تیرے ہاتھ جوڑتی ہوں......'' وہ سسکیاں بھرتے ہوئے بولی۔

چن ژی نے چند لمحوں کے لئے اُس کی صورت کو دیکھا...... رحم کے جذبے نے اُس کا غصہ پاش پاش کر دیا۔ ''اچھا...... چل...... تجھے تیری دائی کے سپرد کرتا ہوں۔'' چن ژی نے بتیاں کا بازو پکڑا اور جیون بائی کے کمرے میں لے گیا...... ''یہ چھوری تیری نگرانی میں ہے نا جیون بائی......؟'' چن ژی نے بتیاں کو اندر دھکیل کر کہا۔

''ہاں...... اسے کیا ہوا......؟'' حیرت و استعجاب کے عالم میں جیون بائی نے انڈہ چھیل کر منہ میں رکھا۔

"بھاگ چلی تھی...... موقع پر پکڑ لیا...... ورنہ......" چن ژی نے بتیاں کو بازو سے پکڑ کر جیون بائی کے سامنے کھڑا کر دیا۔

"اچھا...... میں تو سمجھی یوں ہی ہوا خوری کے لئے گئی ہے...... لیکن یہ بھاگ کیسے سکتی ہے...... حویلی کی دیواریں......" جیون بائی نے آنکھوں کے اندازے سے دیواروں کی بلندی کا اندازہ لگایا......

"دیواروں کو نہ دیکھ جیون بائی...... بھاگنے والے نقب بھی لگا لیتے ہیں۔ اور یہ چھوری...... اس کا کھیال رکھو......" وہ معنی خیز بات کہہ کر گیٹ نما دروازے سے باہر نکل گیا۔

بتیاں روتی سسکتی سامنے کرسی پر بیٹھ گئی۔

"اپنی عمر دیکھی ہے تو نے...... اور کرتوت...... میں نے تیرے جیسی چھوکری آج تک نہیں دیکھی۔ کہاں جانے کا ارادہ ہے تیرا......؟ بول!" جیون بائی نے اُسے جھنجھوڑ ڈالا۔

بتیاں نے نفرت سے منہ موڑ لیا...... جیون بائی کا تن من کباب ہو گیا...... اندر ہی اندر غصے سے دانت کچکچائے۔ لیکن بتیاں سے نرمی شفقت اُس کی مجبوری تھی۔ جیون بائی کا جی چاہا اُس کا گلا دبا دے......

"دیکھ لڑکی...... اپنی اور میری خیریت چاہتی ہے تو بس! یہاں کی ہو جا......" جیون بائی نے بڑی عاجزی سے کہا۔

"مجھے جانے دے...... میں چلی جاؤں گی...... ہاں...... میرا من کہیں نہیں ٹھہرتا۔" بتیاں بڑے باغیانہ انداز میں بولی۔

"تجھے معلوم ہے...... شکاری کتے تیری بو سونگھ کر تجھے چیر پھاڑ دیں گے...... تجھے اپنی بوٹیاں تڑوانے کا شوق ہے......؟" جیون بائی نے حویلی کے اصول بے نقاب کر دیئے۔

"نہیں......" وہ خوف سے لرزنے لگی۔

"تو میں کیا کروں...... یہاں میرا جی نہیں لگتا۔" وہ دو زانو ہو کر جیسے جیون بائی کی منت کرنے لگی......

"دیکھ لڑکی...... نہ تجھے گھر کا پتہ ہے اور نہ گاؤں کا...... تو کیسے اپنوں میں جا سکتی ہے......؟" جیون بائی نے اب ذرا نرم لہجہ اختیار کر لیا۔

"نام تو یاد آ گیا...... گاؤں اور جگہ یاد نہیں آ رہی...... بس! یہ یاد ہے...... وہ دو آدمی مجھے پکڑ کر لائے تھے۔" بتیاں نے پوری طرح دماغ پر زور دیا۔

"وہ بھی جہنم رسید ہو گئے...... ورنہ پولیس اُن سے کچھ اُگلوا لیتی۔" جیون بائی نے کہا۔

"ہاں......!" بتیاں نے اپنے گھیر دار فراک سے آنکھیں صاف کیں۔

"بائی جی! استاد آئے ہیں...... بتیاں کو تیار کر کے ہال میں لے آؤ......!" اندر آنے والے پیارے لال نے بتیاں کے بھیگے چہرے کو دیکھا...... اُسے بتیاں کی معصومیت پر رحم آ گیا...... ضرور بائی نے ڈانٹا ہے اس کو......

"جیون بائی...... تم نے مارا ہے بتیاں کو......؟" پیارے لال کو جیون بائی پر غصہ آ گیا۔

"تجھے معلوم بھی ہے...... چن ژی افریقی پہرے دار حویلی کی دیوار پھلانگتے ہوئے پکڑ کر لایا ہے اسے......" جیون بائی چلا کر بولی...... اور بتیاں نے چونک کر جیون بائی کی طرف دیکھا۔

"کیا...... بتیاں دیوار پھلانگ رہی تھی؟" پیارے لال کا فلک شگاف قہقہہ بلند ہوا۔

"تجھے ہنسی کس بات کی آئی...... میں جھوٹ بول رہی ہوں......؟" جیون بائی کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔ اُس کے تیور بھی فوراً بدل گئے۔

"بھلا یہ کمزور سی نازک چھوری دیوار پھلانگ سکتی ہے؟" پیارے لال ہنستے ہنستے بولا۔

"یقین نہیں آتا تو پوچھ لے اس سے......" جیون بائی نے کہا۔

"کیوں بتیاں...... تو دیوار پھلانگ رہی تھی......؟" پیارے لال اُس کے پاس جا کر محبت سے بولا۔

"نہیں تو...... وہ کالا مجھے دیوار نہیں درخت پر چڑھتے ہوئے پکڑ کر لایا تھا۔" بتیاں نے من وعن ساری بات بتا دی...... پیارے لال نے عجیب قسم کا تمسخرانہ منہ بنایا......

"تو چل...... میں اسے تیار کر کے لاتی ہوں......" جیون بائی کپڑوں والی الماری کی طرف بڑھ گئی۔

"جا رہا ہوں...... جلدی کرو...... تمہیں خانم سرکار کے غصے کا علم ہے۔" وہ جاتے جاتے بولا۔

"جانتی ہوں......" پیارے لال کو جاتے دیکھ کر وہ ناگواری سے بولی...... اور بہترین فراک سوٹ نکال کر پلنگ پر پھیلا دیا...... آج بتیاں کو تیار کرنے کے بعد وہ خود اپنے آپ کو منوانا چاہتی تھی کہ وہ کس قدر اپنے کام میں تاک ہے۔

☆☆☆

ہال کی آرائش و سجاوٹ قابل دید تھی..... جیسے کسی مغل فرمانروا کی رسم تاجپوشی ہو......
چاروں جانب حویلی کے مکین اپنی اپنی نشستوں پر براجمان تھے..... درمیان میں عروسی تخت پر مور پنکھ کے درمیان خانم جان جلووں کے ہجوم میں خدام نوجوان لڑکیوں کے درمیان نشست فرما تھی..... فرشی کمخواب کا زرق برق آنچل، حسن میں یکتا..... اردگرد خادمین خدمت کے لئے مامور.....شہر کے انتہائی رئیس امیر زادے اپنی نگاہیں دروازے پر لگائے اُس اُٹھنے والے فتنے کے منتظر تھے جس سے آئندہ اُنہوں نے لطف اندوز ہونا تھا......

حسب دستور ساری حویلی بقعہ نور بن گئی..... پھر چند لمحوں کے بعد صرف ہال میں روشنی باقی رہ گئی۔ کیونکہ جیون بائی بتیاں کو ہال کے بڑے دروازے سے لے کر داخل ہوئی تھی.....شہر کے بہت بڑے استاد جو گائیکی میں اپنا ثانی نہ رکھتے تھے اُنہوں نے مٹھائی سے بھری طشتریوں پر ہاتھ رکھ دیا تھا......

''واہ..... کیا قیمتی ہیرا ہے.....'' ایک ہم عصر رقاصہ اُستاد عورت نے خانم جان کے پُرتفاخر چہرے کی طرف دیکھا......

''ابھی تو اس کی تراش ہونا باقی ہے.....'' خانم جان نے بڑی چاہت سے بتیاں کے خوبصورت جگمگاتے چہرے کی طرف دیکھا جو سبز روشنی میں حوروں کی مثل تھا۔

خانم جان نے اپنے انگوٹھیوں سے لدے ہاتھوں سے سب کو احتراماً بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ سب چہ مگوئیاں کرتے نشستوں پر بیٹھ گئے۔ ملازم چاک و چوبند چائے، مشروب اور شیرینی سے مہمانوں کی تواضع کرنے لگے۔ سب کے چہرے مسرت و انبساط سے چمک رہے تھے.....شہر کی بہت بڑی رئیسہ خانم جان کا اپنی حویلی میں ان سب کو مدعو کرنا کسی بہت بڑے اعزاز سے کم نہ تھا۔

خانم جان کا ایک مخصوص معیار تھا..... گو بنیادی طور پر وہ ایک طوائف تھی۔ لیکن آباو اجداد سے ہی اُن کا انداز بدل چکا تھا۔ وہ بے سہارہ لڑکیوں کے لئے امان کی جگہ تھی......

اور اُن کی مرضی کے مطابق اُن کو وہی کام سونپتی جو وہ کرنا پسند کرتیں..... خانم جان کے ہاں زیادہ تر گانے بجانے اور رقص کی تربیت دی جاتی.....لڑکیاں گائیکی اور رقص سیکھنے کے بعد اپنے اپنے ورثاء کے ساتھ چلی جاتیں..... وہ ان کی عزت کی محافظ بھی ہوتی..... وہ لڑکیاں آگے چل کر بہت بڑی گلوکارائیں بن جاتیں یا پھر بہت بڑی رقاصائیں.....جن کی مانگ بیرونِ ملک میں بھی بہت ہوتی..... یوں اُن پر دولت کے دروازے کھل جاتے...... اگر کوئی لڑکی عصمت فروشی کے گھٹیا دھندے کو پسند کرتی تو وہ اُسے اپنے پاس رکھنے کی بجائے دوسری جگہ اُس اڈے پر منتقل کر دیتی جہاں یہ دھندہ ہوتا ہو.....بعض لڑکیاں خانم جان کے لاکھ منع کرنے پر بھی اسی دھندے کو پسند کرتیں.....عصمت فروشی خانم جان کے لئے بڑا اذیت ناک کام تھا.....لیکن جن عورتوں کو اس کی چاٹ پڑ جاتی تھی وہ کسی طور بھی باز نہ آتیں..... خانم جان صرف موسیقی اور رقص کی تربیت کرنے پر اپنا ثانی نہ رکھتی تھی اس کام کے لئے ملک کے بڑے بڑے استاد لوگ اپنی خدمات پیش کرتے اور ہزاروں کے نذرانے وصول کر کے لوٹ جاتے۔

''اُستاد جی! بتیاں کے پاؤں نازک ہیں..... چاندی کی ہلکی پازیب لیجئے.....'' ہال میں خانم جان کی آواز گونجی۔

اُستاد جی نے اپنے پاس رکھی خوبصورت ٹوکریوں میں ہاتھ ڈالا اور چاندی کی پازیب تلاش کر کے بتیاں کے نازک پیروں میں پہنا دی......

☆☆☆

چھم..... چھم..... بتیاں نازک کومل چھوری چاندی کی پازیب سے چاندی کے گھنگھروؤں تک آ گئی..... کیا خوب جوانی آئی بتیاں پر..... اُس کی ایک جھلک دیکھنے کے لئے رئیس زادے، امیر کبیر جاگیردار دُور دراز سے آنے لگے۔ وہ رقص و موسیقی کا ایک تابندہ ستارہ تھی..... وہ جب دنیا مافیا سے بے نیاز کوئی راگ چھیڑتی تو سننے والے اُس کی آواز کے سحر میں کھو جاتے..... وہ تھرکتی ہوئی جب ایرانی قالین پر رقص کرتی تو یوں لگتا جیسے وہ دلوں پر تھر تھرا رہی ہو..... حاضرین دل تھام کر رہ جاتے..... وہ قیامت جگاتی..... نخوت و رعونیت کا پہاڑ..... کسی کی طرف آنکھ اُٹھا کر نہ دیکھتی..... جیسے اُسے کسی سے کوئی سروکار ہی نہ ہو۔ اُس کے شب و روز بے مقصد گزر رہے تھے..... رئیس زادے بہت چاہتے وہ اُن سے ہنس کر بات کرے..... لیکن وہ کسی کو پلّے ہی نہ باندھتی..... اور ایک دن شہر کے چوٹی

کے رئیس میاں داؤد نے خانم جان سے بتیاں کے اِس رویّے کی شکایت کی۔

’’بتیاں......‘‘ میاں داؤد نے میدان صاف دیکھ کر زینہ چڑھتے بتیاں کو پکارا۔

’’ہمیں فرصت نہیں......‘‘ بتیاں نے ہال میں چاروں جانب دیکھا...... قیمتی صوفوں پر تمام لوگ لطف اندوز ہو رہے تھے۔ سب کی آنکھ اُس وقت کھلی جب بتیاں اپنا سرمئی آنچل لہراتی ہوئی اُوپر جانے والا زینہ پار کر چکی تھی۔

میاں داؤد نے کھسیانی سی مسکراہٹ کے ساتھ چاروں طرف دیکھا۔ پروگرام کے اختتام پر میاں داؤد اُٹھ کر خانم جان کے پاس آیا۔ ’’میں یہاں بیٹھ سکتا ہوں......؟‘‘

’’ضرور......!‘‘ خانم جان نے سامنے صوفے کی طرف اشارہ کیا۔

’’قہوہ یا چائے پسند کیجئے گا......؟‘‘ خانم جان نے ملازمین کو برتن اُٹھاتے دیکھ کر کہا۔

’’No Thanks‘‘ وہ کہتے ہوئے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔

’’آپ کچھ کہنا چاہتے ہیں......؟‘‘ خانم جان نے آخری گھونٹ حلق سے اُتارا۔

’’بس! ایسے ہی کوئی بات کرنا چاہتا ہوں۔‘‘ سیٹھ داؤد نے سوچ کر جواب دیا۔

’’کہئے......!‘‘ خانم جان نے کہا۔

’’یہ جو لڑکی ہے...... ابھی جو رقص کر کے گئی ہے...... اس کے بارے میں چند سوال کروں گا۔‘‘

’’کوئی شکایت پہنچی ہے آپ کو......؟‘‘ خانم جان نے اپنی ساڑھی کا کامدار پلو شانے پر سیدھا کیا...... جو بیٹھنے سے ڈھلک چکا تھا۔

’’نہیں...... بتیاں کی طرف سے تو دانستہ کوئی بات نہیں ہوئی...... شاید مجھے محسوس ہوا ہے۔‘‘ سیٹھ داؤد نے بات کی تمہید باندھی۔

’’آپ نے اُس کی لاپرواہی سے کوئی اثر لیا ہے......؟‘‘ خانم جان جانتی تھی کہ اکثر حاضرین بتیاں کے خشک رویّے سے متاثر تھے۔

’’ہم بہت دُور سے اُس کا رقص دیکھنے آتے ہیں...... اور دل کھول کر داد دیتے ہیں...... لیکن اُس کی طرف سے ایک مسکراہٹ نصیب نہیں ہوتی۔‘‘ سیٹھ داؤد نے بھرپور شکایت کی۔

’’یہ اُس کا ذاتی معاملہ ہے...... میں نے اُسے اس خشک رویّے کے لئے پابند نہیں کیا۔‘‘ خانم جان نے جواب دیا۔

’’دوسری لڑکیاں تو ایسا نہیں کرتیں۔‘‘ سیٹھ داؤد نے کہا۔

’’اپنی اپنی طبیعت کے مطابق ایسا ہوتا ہے...... بتیاں کو یہ سب کچھ شاید پسند نہیں...... بتیاں اچھی لڑکی ہے......‘‘ خانم جان نے سیٹھ داؤد کے دل سے بتیاں کے بارے میں خدشات نکالنا بہتر سمجھا۔

’’اُس کو یہ بھی احساس نہیں ہوتا کہ ہم لوگ اُس کا ایک گانا سننے کے لئے کتنی رقم لٹاتے ہیں۔‘‘ سیٹھ داؤد نے خانم جان کو جتانا چاہا۔

’’سیٹھ صاحب! یہ سب آپ اپنی تفریحِ طبع کے لئے کرتے ہیں...... ہم لوگ آپ کو گھر سے پکڑ کر نہیں لاتے...... اور یہ احسان بھی نہیں۔‘‘ خانم جان کو ناگوار گزرا۔

’’آپ شاید برا مان گئیں......‘‘ سیٹھ داؤد کھڑا ہو گیا۔ اُس نے محسوس کیا کہ خانم جان کی تیوری پر کتنے بل پڑ گئے ہیں......

’’میں نے برا نہیں مانا...... اور آپ کی اطلاع کے لئے عرض ہے کہ میرا یہ عصمت فروشی کا اڈہ نہیں ہے...... یہ تو صرف ایک تفریح گاہ ہے۔ ہزاروں تماشائی آتے ہیں...... رقص اور گانا سن کر چلے جاتے ہیں۔‘‘ خانم جان نے کہا۔

’’ٹھیک کہتی ہیں آپ۔‘‘ سیٹھ داؤد ناگوار انداز میں ہال سے باہر نکل گیا۔

خانم جان نے چند لمحے سوچا، پھر ڈرائنگ رُوم کا مہین پردہ سرکا کر اندر چلی گئی۔

’’پیارے لال......‘‘

’’پیارا حاضر ہے خانم سرکار......!‘‘

’’بتیاں کو بلاؤ...... اگر آرام کر رہی ہو تو مت کہنا۔‘‘ خانم جان محسوس کر رہی تھی کہ صبح سے دو مرتبہ محفل سجائی ہے...... تھک گئی ہوگی۔

’’بہتر خانم سرکار......!‘‘ پیارا آہستہ سے بتیاں کے کمرے میں داخل ہوا۔

’’ارے...... یہ سرخ انار...... اِس کا رس پی رہی ہو......؟‘‘ پیارے نے دیکھا وہ سرخ اناروں کا جوس بلوریں گلاس میں اُنڈیل کر مزے سے نوش کر رہی تھی...... اُس کے رُخساروں کی سرخی بالکل گلاس کے ہم رنگ تھی۔

’’تم بھی پیو...... ایک گلاس اور ہے۔‘‘ بتیاں نے جگ کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

’’نہ نہ...... بتیاں...... میری توبہ...... اس سے گلا خراب ہو جاتا ہے۔ اور تمہیں تو بالکل نہیں پینا چاہئے۔‘‘ پیارے لال نے سامنے صوفے پر بیٹھتے رنگین میگزین کو پکڑ کر کہا۔

’’اس لئے کہ میرا گلا نہ خراب ہو اور میں گا نہ سکوں گی؟‘‘ بتیاں نے پیارے لال کے

دل کی بات کہہ دی۔

''اور کیا...... اسی لئے تو کہہ رہا ہوں۔'' ٹھپ سے میگزین میز پر پٹختے پیارے لال کھڑا ہو گیا۔

''کس کام آئے تھے......؟'' وہ جانتی تھی کہ پیارے لال اُس کے پاس کوئی پیغام لے کر ہی آتا ہے۔''

''ہاں...... خانم جان یاد فرما رہی ہیں......'' پیارے نے کہا۔

''مجھے...... کس لئے؟ ابھی تو میں ہال سے واپس آئی ہوں۔'' نصف گلاس چھوڑ کر وہ کھڑی ہو گئی۔

''اوہو...... ایک دم اُداس ہونے کی تمہاری عادت نہ گئی...... اسے خالی کرو!'' پیارے لال نے بڑی نرمی سے کہا۔

''کوئی خطا ہو گئی ہم سے......؟'' وہ افسردہ سی بولی۔

''یہ پیو...... بعد میں دیکھا جائے گا...... ویسے پریشان ہونے کی کوئی بات نہیں۔''
پیارے لال کو تو بچپن سے اُس پر رحم آتا تھا۔ گلاس اُس کے ہاتھ میں پکڑاتے بولا۔

وہ معصوم بچے کی طرح باقی گلاس خالی کر کے پیارے لال کے ساتھ ڈرائنگ رُوم کی طرف بڑھ گئی۔

''بتیاں آ گئی ہے خانم سرکار......'' پیارے لال نے اطلاع کی۔

''اُسے بھیجو...... اور تم خانساماں کو چائے کا کہو۔'' خانم جان نے دروازے کی طرف دیکھا...... ''آؤ آؤ بتیاں...... بیٹھو!'' خانم جان نے آہستہ سے جاتے پیارے لال کی پشت پر نظر ڈالی اور دوسری طرف بتیاں کو بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

''شکریہ...... خانم سرکار...... آپ نے بلایا تھا......؟'' بتیاں سہمی سہمی سی بیٹھ گئی۔

''ہاں...... اُس دن میڈنگ پر بھی تم سے بات نہیں ہو سکی...... سناؤ! کیسی ہو......؟''
خانم جان نے بتیاں کی خواب آگیں آنکھوں میں جھانکا۔

''ہم بالکل ٹھیک ہیں خانم سرکار......!'' بتیاں نے زیرلب متبسم ہو کر کہا۔

''خوش رہا کرو...... اُداسی حسن کی چور ہوتی ہے...... اس سے گریز کیا کرو......'' خانم جان نے بتیاں کے سرخ رُخساروں کو دیکھا جو سبز روشنی پڑنے سے کس قدر دلکش لگ رہے تھے۔

''میرے ساتھ تو اس نے کبھی کھل کے بات ہی نہیں کی...... بس! پیارے لال سے

ہنس بول لیتی ہے۔'' جیون بائی نے چائے کی ٹرالی معہ لوازمات خانم جان کے سامنے رکھتے ہوئے کہا۔

''وہ بات ہی ایسی کرتا ہے...... ہم سے ضبط نہیں ہوتا۔'' وہ مسکراتی ہوئی ٹرالی کے پاس دوزانو بیٹھ گئی۔

جیون بائی جانے کے لئے پلٹی...... ''رُکو جیون بائی! بیٹھو...... چائے پیو۔''

''شکریہ خانم سرکار......'' جیون بائی ڈھیروں چیزیں دیکھ کر سامنے صوفے پر بیٹھ گئی۔

''لیجئے......!'' بتیاں نے ایک کپ خانم جان کے سامنے رکھ کر دوسرا جیون بائی کو دے دیا۔

''تم بھی لو بتیاں......!'' خانم جان نے بڑے مرغوب انداز میں چسکی لی...... بہت اچھی بناتی ہے چائے......'' خانم جان نے دل ہی دل میں تعریف کی اور ایک شامی اپنی پلیٹ میں رکھا۔

''شکریہ خانم سرکار...... ہم نے انار کا جوس پیا ہے۔'' بتیاں نے ایک طرف بیٹھتے ہوئے کہا۔

''لے لو...... چائے اچھی ہے...... گلا خراب ہونے سے بچ جائے گا۔'' خانم جان نے کہا۔

''کئی مرتبہ منع کیا ہے کہ انار کا جوس مت پیا کرو...... مگر اسے اثر ہی نہیں ہوتا......'' جیون بائی نے شکایتاً کہا۔

''مت ڈانٹو جیون بائی...... چائے سے گلا درست ہو جائے گا۔'' خانم جان نے ایک دم بتیاں کا خوف دُور کرنا چاہا۔

''خانم سرکار! انار ترش ہوتا ہے...... اس کی ترشی سے گلے میں خراش ہونے لگتی ہے...... اور ایسا ہوگا تو گائیکی میں رخنہ پڑے گا۔'' جیون بائی نے ایک سانس میں ساری خرابی بیان کر دی۔

''کیا کریں خانم سرکار...... ہمیں یہی ترشی اچھی لگتی ہے۔'' وہ چائے لے کر اپنی سیٹ پر بیٹھ گئی۔

جیون بائی نے آنکھیں نکال کر بتیاں کی طرف دیکھا...... خانم جان کے روبرو کچھ اور کہنے سے بھی گریز کیا۔

خانم جان نے حسبِ منشاء چائے پی کر کپ واپس ٹرالی پر رکھ دیا......

''برتن اُٹھا لوں خانم سرکار......؟'' بیرا اندر داخل ہوا۔

''لے جاؤ.....!'' جیون بائی برتن سمیٹ کر بیرے کے ساتھ ہی نکل گئی۔

''بتیاں.....!'' خانم جان کی اسرار بھری آواز کمرے کی خاموش فضا میں گونجی۔

''ہم نے دانستہ تو کوئی خطا نہیں کی خانم سرکار.....؟'' بتیاں خوفزدہ سی لگنے لگی۔

''تم نے خطا نہیں کی..... صرف سیٹھ داؤد نے تمہارے رویئے کی شکایت کی ہے۔'' خانم جان نے سادے الفاظ میں بیان کر دیا۔

''ہمیں اُس سے خوف آتا ہے..... بعض اوقات دورانِ رقص وہ ہمیں تھامنے کی کوشش کرتا ہے..... اور کوئی ہمارے بدن کو یوں ہاتھ لگائے..... ہمیں بالکل پسند نہیں خانم سرکار!''

''تمہارے خیالات کی ہم قدر کرتے ہیں..... ہمارا مطلب ہے کہ حاضرین کے مزاج کا بھی خیال رکھا جائے..... ویسے ہم اُسے سمجھا دیں گے۔'' خانم سرکار نے کہا۔

''ٹھیک ہے خانم سرکار..... آپ کو ہم سے آئندہ شکایت نہیں ہو گی..... اب ہم جائیں.....؟'' وہ کھڑی ہو گئی۔

''جاؤ.....!''

شام کے دُھندلکے چھانے لگے تھے..... وہ بجھی بجھی سی بستر پر گری اور سوچ کی اتھاہ گہرائیوں میں ڈوب گئی..... یہ کیا زندگی ہے..... کہ کوئی لمحہ بھی ہمارا نہیں ہے..... بلکہ مستقبل پر بھی اختیار نہیں ہے.....

وہ نرم وگداز بستر پر چت لیٹ گئی۔ تکیہ کھینچ کر اُس نے سینے پر رکھ لیا..... دل سے ایک ہوک سی اُٹھی..... نہ چاہتے ہوئے بھی آنکھوں کے سوتے پھوٹ پڑے۔ اُس کا اپنا سانس بھی اُس کی اپنی سسکیوں میں ڈوب گیا.....

دروازے پر نرم سی دستک ہوئی..... وہ جانتی تھی.....

''آ جاؤ پیارے لال.....'' بتیاں نے اپنی مخروطی اُنگلیوں سے اپنے رُخساروں پر بہتے آنسوؤں کو صاف کیا۔

''بتیاں! روشنی کیوں نہیں کی؟'' پیارے لال حیرت زدہ سا اندر آیا اور سوئچ آن کر دیا۔

''ہمارے اندر کی طرح باہر بھی اندھیرا ہے پیارے.....''

''ارے! تم رو رہی ہو..... جیون بائی نے کچھ کہا؟'' پیارے لال کا دل کٹ سا گیا۔

''نہیں تو..... بس! یوں ہی اندر کے اندھیرے غالب آ گئے ہیں پیارے لال!'' اچانک اُسے محسوس ہوا کہ واقعی وہ رو رہی ہے۔

''اِن اندھیروں سے پیچھا چھڑا لو..... اچھی رہو گی۔'' پیارے لال نے مشورہ دیا۔

''کیسے چھڑا لوں..... مجھے تنہا دیکھ کر یہ اندھیرے مجھے ڈرانے لگتے ہیں..... میں کون ہوں..... کہاں سے آئی ہوں..... پیارے لال! تم تو مجھے بچپن سے جانتے ہو..... ایک مرتبہ ہی بتا دو! میں کون ہوں.....؟'' وہ بے چین مضطرب دو زانو بیٹھ کر پیارے لال کی جیسے منت سماجت کرنے لگی۔

''بتیاں..... تم بتیاں ہو..... سارے دلوں کی روشنی..... اور بس.....'' پیارے لال نے لاجواب ہو کر جواب دیا۔

''سب یہی کہتے ہیں..... لیکن ہمیں پتہ تو چلے ہم کون ہیں..... ہماری شناخت کیا ہے.....؟'' وہ بے ساختگی سے پیارے لال کے گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر بولی۔

''اوہو..... تم کن خیالوں میں اُلجھ گئی ہو..... انسان کی پہچان آپ ہے..... اور تم تو خود اپنی پہچان ہو.....'' وہ جان بوجھ کے بات اُلجھا گیا۔ وہ خانم جان کے خوف سے زبان نہیں کھول سکتا تھا۔

''کیسے..... کون ہمارا ہے..... اپنوں سے پہچان ہوتی ہے۔ اور ہمارا تو کوئی بھی نہیں۔'' وہ بڑے دلگیر انداز میں پیارے لال کے تاثرات سے عاری چہرے کو دیکھ کر بولی۔

''کیا کہہ رہی ہو بتیاں..... ہم سب تمہارے ہیں..... تمہارے اپنے..... اور اپنا تو وہ ہوتا ہے نا جو دُکھ سکھ سانجھا کرے۔'' پیارے لال نے جھک کر اُسے یقین دلانا چاہا۔

''نہیں..... ہماری زندگی تو ایک جام ہے جو کتنے ہی ہاتھوں میں گردش کرتا ہے.....'' وہ کرب سے مسکرا دی۔

''پیاس بجھانے سے جام کا گردش کرنا بہتر ہے۔'' کتنی ذومعنی بات کہی تھی پیارے لال نے۔

''تم بھی نہیں جانتے..... تو کیا ہم خودرو پھول ہیں..... جسے جو جی چاہے توڑے؟'' وہ اُٹھ کر دوسری طرف دریچے میں کھڑی ہو گئی۔

''کبھی مت ایسا سوچو..... تم سب کی محبت ہو..... تمہیں معلوم ہے..... تمہیں تو خانم سرکار بھی بہت پیار کرتی ہیں۔'' پیارے لال کی محبت اُس کے الفاظ میں پوشیدہ تھی۔

''بتیاں..... تم نے ابھی لباس تبدیل نہیں کیا.....؟'' اندر آتے جیون بائی نے خشمگیں انداز میں پیارے لال کی طرف دیکھا۔ ''تم یہاں کیا کر رہے ہو.....؟'' وہ دوسری طرف

پلٹ کر غرائی۔

''پیارے لال کو میں نے بلایا تھا جیون ماں!'' بتیاں نہیں چاہتی تھی کہ اُس کے ہمدرد پیارے لال کے سر کوئی الزام آئے۔

''کیوں......؟'' وہ جیسے بیچ پا ہو گئی۔

''چائے کے لئے کہنا تھا جیون ماں......!'' وہ نرم لہجہ اختیار کر گئی۔

''پھر لے آیا چائے......؟'' جیون بائی نے بری طرح طنز کا خنجر گھونپا۔

''ابھی تو آیا ہوں......'' وہ اُٹھتے ہوئے بولا۔

''کہاں جا رہے ہو......ٹھہرو......!'' جیون بائی نے فوراً پیارے لال کو آواز دی۔

''اب کیا بات ہوئی......؟'' پیارے لال پلٹ کر بولا۔

''جیون بائی کا موڈ ایک زبردست حد تک آف ہو گیا...... اس طرح پیارے لال کا سرکش رویہ اُسے بالکل پسند نہ تھا۔

''چائے کی ضرورت نہیں ہے......کھانے پر تمہارا انتظار خانم سرکار کر رہی ہیں۔'' جیون بائی نے بتیاں کو یاد کرایا۔

''میرا......؟'' بتیاں حیرت زدہ سی ہنس دی۔

''تمہیں یاد ہے......آج رات کا کھانا خانم سرکار نے تمہارے ساتھ کھانے کو کہا تھا۔'' جیون بائی نے یوں یاد دلایا جیسے بتیاں نے فراموش کر کے کوئی بہت بڑا جرم سرزد کیا ہو۔

''تم جاؤ......منہ اُٹھا کے کیا دیکھ رہے ہو......؟'' جیون بائی نے پیارے لال کو کہا۔

بتیاں نے ناگواری سے جیون بائی کی طرف دیکھا......نہ جانے جیون بائی کو پیارے لال سے اِس قدر چڑ کیوں ہے......؟ وہ سوچنے لگی۔

''جا رہا ہوں......'' وہ باہر نکل گیا۔

''چلو کھانے کے لئے......'' جیون بائی نے کہا۔

''آج ہم کھانا نہیں کھائیں گے۔'' بتیاں نے کہا۔

''تم ٹھیک تو ہو......؟'' جیون بائی کو تشویش ہوئی۔

''ہم ٹھیک ہیں......ہمیں کیا ہو گا......؟'' بتیاں مایوسانہ لہجے میں بولی۔

''دیکھو......اپنے آپ کو پیارے لال سے دُور رکھو......کہیں اس کے جال میں نہ پھنس جانا۔'' جیون بائی نے بڑے خوفناک انداز میں کہا۔

''کیا مطلب ہے جیون ماں...... پیارے لال......خود ہی تو تم نے کہا تھا کہ وہ......''

وہ بھونچکی سی رہ گئی۔

''ہاں ہاں...... میں نے کہا تھا نا کہ اُس میں مردانہ صفت نہیں ہے......لیکن دل تو مردانہ رکھتا ہے۔'' جیون بائی نے اُسے خبردار کیا۔

بتیاں نے زیورات اُتار کر قریبی ٹوکری میں رکھے۔

''یہ سب مرد ایک ہی قسم کے ہوتے ہیں......محبت کا بہلاوہ دے کر عمر بھر کا روگ لگا جاتے ہیں۔'' جیون بائی نے بتیاں کو حقیقت سے آگاہ کیا۔

''جیون ماں......تمہارا وہم ہے......مجھ سے کون محبت کرے گا...... میں تو سر عام بجتے جھرنے کی طرح ہوں...... ہر راہ گیر دو گھونٹ پانی پی لے......'' وہ بڑی زہر خند مسکراہٹ سے کھڑی ہو گئی۔

''ایسا نہ کہو بتیاں......تم تو بڑی معصوم اور پوتر ہو۔ تمہارے حسن سے نگاہوں میں ٹھنڈک اور دل میں تازگی حاصل کی جا سکتی ہے۔ لیکن کس میں اتنا دم خم ہے جو پیاس بجھائے۔'' جیون بائی نے اُس کے شانے پر ہاتھ رکھا۔

''جیون ماں! تم بھی درست کہتی ہو......ہم اپنی عزت و ناموس کا سودا تو کبھی نہ کریں گے۔'' بتیاں نے کہا۔

جیون بائی نے بتیاں کے چہرے پر بڑے کرخت نقوش دیکھے۔ ''چلو بس...... ذہن سے سب کچھ جھٹک دو......وہاں سب تمہارا انتظار کر رہے ہیں......'' جیون بائی نے بتیاں کی پیٹھ تھپکی۔ جیون بائی کے زبردست اصرار پر وہ ڈائننگ ہال کی طرف بڑھ گئی۔

''کیا بات ہے بتیاں...... ہم تمہارے چہرے پر ناگوار اثرات کا شائبہ دیکھ رہے ہیں......کیا بات ہے......؟'' خانم جان نے ترتیب وار سب لڑکیوں کی طرف دیکھا اور آخر میں نگاہیں بتیاں پر ٹھہر گئیں۔

''ہم بالکل ٹھیک ہیں خانم سرکار! ایسی کوئی بات نہیں۔'' وہ اپنی کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولی۔

''ہم تمہیں بجھا ہوا دیکھ رہے ہیں......'' خانم جان کو تشویش ہو رہی تھی۔

''یوں ہی ذرا......'' وہ مسکرا دی۔

''تھک گئی ہو......فنکشن بہت بڑا تھا......اور ایسے فنکشن پر ہم سب مل کر رات کا کھانا کھاتے ہیں۔'' خانم جان نے جیون بائی کی طرف دیکھا......''آپ بتیاں سے تخلیے میں

پوچھ سکتی ہیں......'' جیون بائی نے کہا۔

''نہیں نہیں خانم سرکار...... ہمیں کسی سے کوئی شکایت نہیں...... بس! ذرا تھکاوٹ سی محسوس ہوئی تو آنے میں تاخیر ہوگئی۔'' بتیاں نے بوکھلا کر معذوری ظاہر کر دی۔

سب نے کھانا شروع کیا۔

''گل بانو......!'' سامنے بیٹھی لڑکی سے خانم جان نے کہا۔

''جی خانم سرکار......!''

بتیاں دو دن ریسٹ کرے گی...... اس کی جگہ پارہ فردوس میں رقص تم کرو گی۔''

''بہتر خانم سرکار۔'' گل بانو نے اقرار میں کہا۔

بڑے ہی خوشگوار ماحول میں کھانا ختم ہوا...... خانم سرکار نے سب کی طرف دیکھا......

''اپنے اپنے کمروں میں جاؤ...... باورچی قہوہ پہنچا دے گا۔''

سب کے ساتھ بتیاں بھی اپنے کمرے میں چلی گئی...... اندر جاتے وہ ایک دم ٹھٹھک سی گئی...... ''ارے تم پیارے لال......''

''ہاں...... میں تمہارے لئے قہوہ لے آیا ہوں۔'' وہ پیالی درمیانی میز پر رکھتے بولا۔

''تم کتنے اچھے ہو پیارے لال...... کتنا خیال رکھتے ہو میرا......'' وہ قہوہ اُٹھا کر اپنی مسہری پر بیٹھ گئی۔

''بیٹھو نا......!'' بتیاں نے بڑے مطمئن انداز میں ٹیک لگائی۔

''نہیں...... میں جا رہا ہوں۔'' پیارے لال آج پژمردہ سا لگ رہا تھا۔

''کیا بات ہے...... طبیعت تو ٹھیک ہے تمہاری؟'' بتیاں نے پوچھا۔

''جانا ہی بہتر ہے بتیاں...... جیون بائی کی آنکھوں میں کانٹے کی طرح کھٹکتا رہتا ہوں...... نہ جانے کیوں......؟'' وہ بڑے کرب سے ہنس دیا۔

''بڑے سنجیدہ لگ رہے ہو...... ارے پگلے! جیون بائی کی تو عادت ہے۔'' وہ ہنس دی۔

وہ سامنے صوفے پر بیٹھ گیا۔

''قہوہ پیو گے......؟'' وہ بولی۔

''نہیں...... تم پیو...... تھک جاتی ہو سارا دن کام کرتے ہوئے۔'' پیارے لال کو نہ جانے کیوں بتیاں پر رحم آنے لگتا تھا۔

''تم چھوڑو اس بات کو...... تمہارا منہ کیوں پھولا ہوا ہے......؟'' بتیاں نے کپ ایک

طرف رکھا اور شریر انداز میں پیارے لال سے مخاطب ہوئی۔

''نہیں...... ایسی بھی کوئی بات نہیں۔'' وہ سنجیدگی سے بولی۔

''جیون ماں کی بات سن لی تم نے......؟'' بتیاں نے پوچھا۔

''میں اُس کی ہر بات سنتا ہوں...... نہ جانے اُس عورت کو ہم پر کیوں شک ہے...... حالانکہ......''

پیارے لال کے رُکتے ہی بتیاں نے بات مکمل کر دی۔ ''نہیں...... ہم کو شک کی نگاہ سے دیکھتی ہے۔'' وہ بولی۔

''تم کو شک کی نگاہ سے دیکھتی ہے...... تم تو شفاف پانی کی طرح ہو......'' وہ جیسے ساری کائنات بتیاں پر نچھاور کرنا چاہتا ہو۔

''ہاں پیارے...... کہ ہم کہیں تمہارے عشق و محبت کے جال میں نہ پھنس جائیں۔''

''یہ وہم ہے اُس کا...... ہم تو یکطرفہ محبت کرتے ہیں...... جال نہیں پھینکتے......''

پیارے لال کی نگاہوں میں سارے جہان کی اُداسیاں اُمڈ آئیں۔

''کیا مطلب ہے تمہارا......؟'' کچھ کچھ معلوم ہونے کے باوجود بھی وہ کہنے لگی۔

''محبت تو ایک فطری جذبہ ہے...... اگر ہم محبت کرتے ہیں تو صرف محبت ہی کریں گے۔ کسی کو نقصان نہیں پہنچائیں گے۔'' پیارے لال نے کہا...... ''ایک جگہ رہنے کے لئے یہ بہت ضروری ہے کہ آپس میں محبت کریں...... لیکن...... اب میں جاؤں گا...... دشمن آ رہی ہے شاید......'' وہ کپ اُٹھا کر باہر نکل گیا۔

اور وہ ماضی کے جھروکوں میں جھانکنے لگی...... وہ کون ہے جو پوری آب و تاب کے ساتھ میرے خیالوں میں آتا ہے...... میرے پیدا کرنے والے بھی کوئی لوگ ہوں گے۔

وہ بہت حد تک ماضی فراموش کر چکی تھی...... وہ نہیں جانتی تھی کہ اُس کی جدائی کا زہر چاٹتے چاٹتے اسماعیل موت کی نیند سو چکا تھا...... بالا خوبصورت توانا نوجوان بننے کے باوجود بھی اُس کی راہ تکتا رہتا ہے۔ اور خدیجہ صبر کا پہاڑ کلیجے پر رکھے شیری کی بیوی کے طعنے سنتی رہتی ہے...... صبح و شام باہر گلی کی نکڑ پر کھڑے ہونا اُس کا معمول بن چکا تھا...... شاید اُس کی بتیاں لوٹ آئے...... جب بہت وقت گزر جاتا تو وہ واپس لوٹ آتی۔

دودھ چولہے پر رکھا تھا...... اُبل اُبل کر گرتا رہا...... وہ اپنے ہی خیالات میں محو دنیا مافیا سے بے نیاز......

اُپلوں پر دُودھ کے جلنے کی بو سے صنوبر باہر آئی۔ ''اماں...... کہاں ہو...... آگ کے پاس بیٹھ کر تو حواس میں رہا کرو...... دُودھ دیکھو...... بتیاں کا خیال......'' صنوبر کی تیز چھری جیسی آواز اُس کی سماعت سے ٹکرائی۔

اُس نے جلدی سے دیگچی اُتار دی...... جلے ہوئے ہاتھ کو دوسرے سے دبایا اور تکلیف سے چلا اُٹھی۔ طنز کے نشتر چلا کر میرا کلیجہ چھلنی مت کر...... تو نہیں جانتی کیا گزر رہی ہے مجھ پر...... جوان بیٹی یوں جدا ہو جائے......'' وہ منہ چھپا کر رونے لگی۔

''بھول جا اُس کو...... اُس نے آنا ہوتا تو آ جاتی......'' صنوبر نے بیٹے کا منہ دھلایا او اندر لے جاتے بولی۔

''کیا کروں...... عادت پڑ گئی ہے اس کی...... ہائے میری بتیاں......'' وہ بری طرح رونے لگی۔

''اماں...... صبر کی سل رکھ لے کلیجے پر...... وہ مر کھپ گئی ہے ہمارے لئے......'' شیر دِ نے نفرت کا اظہار کیا۔

''کیسے صبر کر لوں...... کتنے برس بیت گئے......'' وہ عاجز سی آ گئی۔

''میں نے کر لیا ہے صبر...... تو بھی کر لے......'' وہ باہر نکل گیا۔

خدیجہ آنکھیں پھاڑے اُسے جاتے دیکھتی رہی۔

''اماں! یوں سمجھ...... تو نے پیدا ہی نہیں کیا۔'' صنوبر نے کہا۔

''کیسے مان لوں...... ؟ یہ کوکھ جلتی رہتی ہے اُس کے بنا...... رات کو نیند نہیں آتی...... آنکھیں پھوڑے کی طرح پکنے لگی ہیں اُس کے انتظار میں۔'' خدیجہ نے آنکھیں پلو سے صاف کیں۔

''چاچی...... چائے بن گئی ہے......؟'' بالا اندر داخل ہوا......

''لے......'' خدیجہ نے پیالی اُسے تھما دی، دوسری خود لے کر بیٹھ گئی۔

''چاچی...... میں اب یہاں نہیں رہوں گا......''

''کیا بک رہا ہے...... کہاں جائے گا......؟'' وہ روہانسی سی ہو گئی۔

وہ ہنس دیا...... چاچی! کوئی کام کروں گا......''

مجھے چھوڑ کر تو بھی چلا جائے گا......؟'' وہ افسردہ سی ہو گئی۔

''میں تمہیں ملنے کے لئے آیا کروں گا نا......'' وہ خدیجہ کے شانے پر ہاتھ رکھ کر بولا۔

''یہ سب جھوٹ ہے...... جو چلے جاتے ہیں، واپس نہیں آتے...... تو بھی نہیں آئے گا...... تو بھی بتیاں کی طرح غائب ہو جائے گا۔'' خدیجہ کا دل جیسے رو دیا۔

''اوہو...... اماں...... کیوں دل چھوٹا کرتی ہو...... ؟ بالا اب بڑا ہو گیا ہے...... کوئی کام کرنا چاہتا ہے۔'' باہر آ کر صنوبر نے کہا۔

''کیا کام کرے گا...... اسے یہاں روٹی نہیں ملتی؟'' وہ بڑی مضطرب سی لگنے لگی۔

''روٹی کیوں نہیں ملتی...... اب مجھے بھی کام کرنا چاہئے۔ بڑا ہو گیا ہوں......'' بالے نے مسکرا کر کہا۔

''مجھے معلوم ہے...... تو کیا چاہتا ہے...... تو صرف بتیاں کے لئے جانا چاہتا ہے۔ اگر اُس نے آنا ہوا تو آ جائے گی بالے...... تو نہ جا......'' حد درجہ مایوسیوں کے ان گنت سائے اُمڈ آئے اور وہ اُداسیوں کے بادلوں میں تحلیل ہو گئی۔

''چاچی......!'' بالے نے اپنی آنکھیں صاف کیں...... آج بتیاں اُسے شدت سے یاد آنے لگی...... وہ سر کو گھٹنوں میں دے کر رو دیا...... وہ جو غم چھوڑ کر گئی تھی وہ جوں کا توں بالے کے دل میں برقرار تھا...... وقت کی تیز آندھی اُس کو بڑھانے میں کامیاب رہی...... نہ کہ اس کو سرد کرنے میں......''

''بالے! کہاں جا رہا ہے......؟'' صنوبر نے پوچھا۔

''کراچی جاؤں گا۔'' بالے نے کہا۔

''کراچی...... وہ بہت دُور ہے...... کیسے جائے گا......؟'' صنوبر حیران سی رہ گئی۔

خدیجہ دیکھتی رہ گئی...... اُس نے تو کراچی کا نام شاید خواب میں ہی سنا ہو گا۔

''چلا جاؤں گا بھر جائی...... ایک دوست ہے۔ اُس کے بابا کو مزدوروں کی ضرورت ہے...... میں نے حامی بھر لی۔''

''تو مزدوری کرے گا......؟'' صنوبر قہقہہ لگا کر ہنس دی۔

خدیجہ نے پلٹ کر دونوں کو دیکھا۔

''جو تو سمجھ رہی ہے نا...... وہ مزدوری نہیں ہے میری۔'' بالے نے بڑے تفاخر سے سینہ تان کر کہا۔

''تو کیا افسر لگے گا...... کرسی میز لگا کے بیٹھے گا...... پڑھا لکھا تو ہے نہیں...... ہنہ...... گپیں کم چھوڑا کر۔'' وہ ہاتھ جھٹک کر سبزی کاٹنے لگی۔

......تو میں کون سا کام کروں گا...... ذاکر نے وعدہ تو کیا ہے......'' وہ سوچ میں کھو گیا...... پڑھا لکھا میں نہیں...... بوریاں میں نہیں اُٹھا سکتا...... وہ کئی دن یہی سوچتا رہا۔ اُس کی سمجھ اس بات سے بالاتر تھی کہ ذاکر کا باپ اُس سے کون سا کام لے گا...... وہ رات دن انہی ادھوری سوچوں میں مستغرق رہتا کہ ایک دن بیٹھے بٹھائے باہر دروازے پر بڑی زوردار دستک ہوئی......

''دیکھو! کون ہے......؟'' شیری نے نوالہ نگل کر کہا۔

''بالا جلدی سے بیساکھی لئے باہر کی طرف لپکا...... ''ذاکر...... آ گئے تم...... کیسے ہو یار......!'' بالا ذاکر سے مصافحہ کرتے خوش دلی سے بولا۔

''خدا کا شکر ہے...... جلدی چلو...... بابا نے تمہیں بلایا ہے۔'' ذاکر بولا۔

''اچھا...... میں اندر بتا آؤں۔'' بالا اندر کی طرف لپکا۔

''ٹھیک ہے......'' ذاکر نے کہا۔

''بھیا...... میں ذاکر کے ساتھ جا رہا ہوں۔'' وہ اندر آتے ہی شیری سے بولا۔

''جلدی آ جانا۔'' شیری بلند آواز سے بولا۔

''دیکھنا بالے...... دُور نہ نکل جانا......!'' خدیجہ نے اُٹھ کر جیسے اُس کو تاکید کی۔

''ارے نہیں چاچی...... تو کیوں گھبرا رہی ہے...... تجھے بتا کے جاؤں گا۔'' وہ باہر کے دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

''جا...... رب راکھا......!'' خدیجہ سہم سی گئی۔

''اماں...... تو گھبرا کیوں رہی ہے...... ابادان نہیں جا رہا...... آ جائے گا۔'' شیری ہنس دیا۔

خدیجہ دروازہ بند کر کے لوٹ آئی......

دونوں چلتے چلتے جائے مقصود پہنچ گئے...... جہاں ذاکر کا باپ اُن کا منتظر تھا۔

''بابا...... بالے کو لے آیا ہوں......'' ذاکر نے بالے کو اندر لے جاتے کہا۔

''آؤ...... آؤ...... بیٹھو......!'' ذاکر علی کے بوڑھے والد باقر علی نے بڑی محبت سے بالے کو اپنے پاس بٹھایا۔ ''بالے...... یہ تم ہو...... یار تم تو بڑے جوان نکل آئے ہو...... ماشاء اللہ......'' باقر علی نے بالے کی خوبصورت چوڑی پیشانی پر سیاہ بالوں کو چھوتے دیکھ کر کہا۔ بالے کا توانا صحت مند چوڑا چکلا سینہ اور تاج محل کی طرح دراز قد جس میں کوئی خم تک نہ تھا...... اُس کی جوانی پر اس وقت اُس کی ٹانگ کا نقص چھپ سا گیا تھا۔

''بس اللہ کا کرم ہے جی!'' حسب عادت بالا نظریں جھکا کر بولا۔

''آؤ...... میرے پاس بیٹھو نا یار......!'' بالے نے ذاکر کو بازو پکڑ کر پاس بٹھا لیا۔

''غور سے میری بات سنو...... سیٹھ کا خط آیا ہے...... اُس کو نئے کام کے لئے چند لوگوں کی بہت ضرورت ہے۔ شریف اور ایماندار......'' باقر علی نے کہا۔

''کام تو کرنا ہے بابا...... اب وقت فارغ بیٹھنے کا تو نہیں......'' ذاکر نے کہا۔

''ذاکر ٹھیک کہتا ہے بابا!'' بالے نے کہا۔

''تم دونوں صبح کی گاڑی سے کراچی روانہ ہو جاؤ...... تمہاری سیٹیں ریزرو ہو چکی ہیں...... صبح پہلی کرن کے ساتھ نکل جاؤ......''

''ٹھیک ہے بابا......!'' بالے نے کہا اور چمکتی آنکھوں کے ساتھ اُس نے ذاکر کو دیکھا۔

''ذاکر! تمہیں میں نے سب کچھ سمجھا دیا ہے...... اور ایک دو مرتبہ تم میرے ساتھ گئے بھی ہو۔'' باقر علی نے کہا۔

''اس کیا آپ فکر نہ کریں بابا...... یہ ہمارا یار بہت ہوشیار ہے۔'' ذاکر نے محبت سے ایک تھپکی بالے کے بازو پر ماری۔

''بس! ہر کام ہوشیاری سے اور سوچ کر کرنا...... کراچی بہت بڑا شہر ہے۔ وہاں تو انسانوں کی منڈی لگتی ہے۔ جو اس بھیڑ میں کھو گیا، بس کھو گیا۔'' باقر علی نے خبردار کیا۔

''اللہ بھلی کرے گا بابا...... آپ فکر نہ کریں......'' بالا اور ذاکر اُٹھ کر باہر آ گئے۔

''بس...... سویرے پہلی گاڑی سے نکلنا ہے تم دونوں نے۔'' باقر علی نے کہا۔ اور بالا ذاکر کے ساتھ گھر لوٹ آیا۔

''تو آ گیا بالے......؟'' خدیجہ جیسے اُس کی منتظر ہو۔

''آ گیا چاچی...... صبح پہلی گاڑی سے جانا ہے۔'' وہ خدیجہ کے پاس بیٹھتا ہوا بولا۔

''تو چلا جائے گا...... کب آئے گا؟'' حسرت بھرے انداز میں خدیجہ نے اُس کے بازو پر اپنا ہاتھ پھیرا۔

''تو فکر نہ کر چاچی...... میں جلدی آ جاؤں گا۔'' بالے نے کہا۔

خدیجہ نے بڑی محبت سے اُس کی طرف دیکھا اور آنسو صاف کئے۔

☆☆☆

پیارے لال نے ڈرائنگ رُوم میں قدم رکھا...... منشی فضل الٰہی اس وقت حساب کتاب کر کے رقم بنک میں جمع کروانے جا رہا تھا۔

''آؤ پیارے لال......!'' خانم جان نے کہا۔

''مجھے اجازت ہے خانم سرکار......؟'' منشی فضل الٰہی نے پوچھا۔

''جی ہاں...... آپ جائیں...... اور ہاں! کل افشاں ہال کی رقم بھی جمع کروا دیجئے گا۔''

''بہت بہتر......'' منشی فضل الٰہی باہر نکل گیا۔

''خانم سرکار...... سیٹھ داؤد آپ سے شرفِ باریابی چاہتا ہے۔'' پیارے لال نے حسبِ عادت الفاظی وزن دار ماری۔

''اس وقت...... پارہ فردوس کی محفل میں تو سیٹھ داؤد پورے وقت ہمارے ساتھ رہے ہیں۔'' خانم جان کو حیرت ہوئی۔

''میرے لئے کیا حکم ہے......؟''

''بھیج دو...... اور خانساماں سے چائے معہ لوازمات کہہ دینا......''

''ابھی گیا اور ابھی آیا۔'' چٹکی بجاتا ہوا پیارے لال باہر نکل گیا...... اور دوسرے لمحے سیٹھ داؤد اندر داخل ہوا۔

''آیئے سیٹھ صاحب...... خیریت......؟'' خانم نے معنی خیز سا سوال کیا۔

''خیریت ہی ہے...... ویسے ہی آپ سے ملنا ضروری تھا...... اس لئے چلا آیا۔''

''ضروری......؟ کیا کوئی شکایت ہے ہماری طرف سے......؟'' خانم جان نے حیرت سے آنکھیں سیٹھ داؤد کے چہرے پر مرکوز کر دیں۔

''آپ سے مشورہ ہے...... شکایت کیا ہو گی......؟'' سیٹھ داؤد نے کہا۔

''مشورہ...... کس بارے میں......؟'' خانم جان کی حیرت عروج پر پہنچ گئی۔

''میں چاہتا ہوں کہ شادی کروں......'' وہ عجلت میں بولا۔

''شادی کر لوں...... کیا مطلب ہے آپ کا......؟ آپ تو پہلے سے شادی شدہ ہیں۔''

خانم جان کو ہنسی آ گئی۔

''اوہ سوری...... خانم جان صاحبہ...... میں چاہتا ہوں کہ ایک اور شادی کر لوں۔''

خفت محسوس کرتے سیٹھ داؤد بھی ہنس دیا۔

''یہ آپ کا ذاتی معاملہ ہے...... ایک چھوڑ چاہے دس شادیاں کیجئے۔'' خانم جان نے لاپرواہی سے کہا۔

''آپ میری بات نہیں سمجھ رہیں۔'' سیٹھ داؤد کے الفاظ ایک دم خانم جان کے ذہن میں گولی کی طرح لگے اور فوراً چھٹی حس بیدار ہو گئی۔

''آپ کہیں تو سہی...... آخر بات کیا ہے؟'' وہ بولی۔

''میں بتیاں سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔'' سیٹھ داؤد ایک دم سے بولا۔

''جی......؟ آپ کو معلوم ہے کہ کیا کہہ دیا ہے آپ نے......؟'' خانم جان کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔

''کوئی بری بات نہیں کہہ دی...... میں اُسے عزت دینا چاہتا ہوں۔'' سیٹھ داؤد نے گردن کا تناؤ سیدھا کیا۔

''کس قسم کی عزت......؟'' خانم جان کو سیٹھ داؤد کی بات ناگوار گزری۔

''آپ میری بات سمجھ نہیں پا رہیں...... میں شادی کے بعد بتیاں کو تحفظ دینا چاہتا ہوں۔'' سیٹھ داؤد نے اپنی چھوٹی چھوٹی آنکھیں پوری کھول کر کہا۔

''معاف کیجئے سیٹھ صاحب...... بتیاں عدم تحفظ کا شکار نہیں ہے۔'' خانم جان کی پیشانی کے شکن اور نمایاں ہو گئے۔

''میرے خیال میں مجھ سے شادی کے بعد کم از کم بتیاں کو کوئی مقام تو ملے گا۔'' سیٹھ داؤد نے شانے اُچکائے۔

''کیا آپ بتیاں کو وہ مقام دیں گے جو آپ کی پہلی دو بیویوں کو حاصل ہے؟'' اس کے ساتھ ہی خانم جان نے سیٹھ کے چہرے کو بغور دیکھا۔

''یہ تو میں نہیں کہہ سکتا...... وہ میری خاندانی بیویاں ہیں...... بتیاں کا اُن سے کیا مقابلہ......؟'' وہ سفاک لہجے میں بولا۔

''میں نے تو صرف آپ کے خیالات جاننے کے لئے آپ سے سوال کئے تھے......

ورنہ بتیاں کوئی سرِ راہ ویرانے میں اُگا ہوا پھول نہیں جسے جب چاہے کوئی مرد اپنے کو
کے کالر میں سجا لے۔''

سیٹھ نے ایک دم کھڑے ہو کر چونک کر خانم جان کے کرخت چہرے کی طرف دیکھا

''آپ کی اطلاع کے لئے عرض ہے کہ بتیاں جھرنے میں بہنے والے پانی کی طر
شفاف اور پاکیزہ ہے...... میرے ہاں رہنے والی ہر لڑکی کی عصمت کی دل و جان
حفاظت کی جاتی ہے...... سمجھ رہے ہیں نا آپ......؟'' خانم جان نے زور دے کر کہا۔

''دیکھو خانم جان! ہم بتیاں کے بغیر نہیں رہ سکتے...... نہ جانے کیوں اُس کے بغیر
ادھورے لگتے ہیں۔'' بوڑھا مگر سانڈ کی طرح بھاری بھرکم سیٹھ بتیاں کے عشق میں پو
طرح غلطاں تھا۔

''آپ یہ کیوں نہیں کہتے کہ ہر نوجوان لڑکی کو دیکھ کر پہلے آپ کی رال ٹپکتی ہے۔
پھر آپ تحفظ کا لالچ دیتے ہیں......''

''دیکھیں...... دیکھیں...... میرے ذاتی معاملے میں کوئی بات نہ کیجئے گا......''
نے غصہ دباتے ہاتھ لہرایا۔

''یہ ذاتی معاملے کی بات نہیں...... دولت مندوں کی سرشت بیان کر رہی ہو
خانم جان کو غصہ آ گیا۔

چائے آنے پر چند لمحے دونوں خاموش رہے۔

بناؤں سرکار......؟'' خانساماں ٹرالی اندر لاتے بولا۔

''نہیں تم جاؤ!'' خانم نے ہاتھ سے جانے کا اشارہ کیا۔ خانساماں وہیں سے پلٹ گ

''کیا بتیاں کی طرف سے کوئی ایسا ردِعمل ہے......؟'' خانم ایک دم کسی گہری
سے اُبھری۔

''ارے نہیں نہیں...... اُس کو شاید علم ہی نہیں...... میں ہی بتیاں کے بغیر......'' وہ
سا گیا۔

''پھر آپ جائیے...... اپنے چھوٹے جذبات کی تکمیل کے لئے ہیرا منڈی کی
بوڑھی طوائف کا انتخاب کیجئے جو آپ کی ہم عمر بھی ہو اور ہم خیال بھی......'' خانم جان
زمین پر پاؤں پٹخے اور باہر نکل گئی۔

بڈھے سیٹھ داؤد نے پلٹ کر دیکھا...... چائے اُس پر قہقہے برسا رہی تھی

زبردست طیش میں ہاتھ ملتا ہوا باہر پورچ میں آ گیا۔ گاڑی کی تیز رفتاری سے اندازہ کرنا
مشکل نہیں تھا کہ سیٹھ داؤد کو بتیاں کا چھپٹ جانا کسی سانحہ سے کم نہیں...... وہ اپنی فطری
کمزوری کو بروئے کار لاتے ہوئے اب کسی نوخیز دوشیزہ سے شادی رچانا چاہتا تھا...... جس
کے لئے اُس نے بتیاں کو بہتر جانا تھا۔ لیکن خانم جان کی وجہ سے یہ خواب شرمندہ تعبیر نہ
ہو سکا اور بتیاں جس کی جوانی نے اُس کے اندر ہلچل سی مچا دی تھی۔

''نواز...... نواز......'' اپنے ڈرائنگ رُوم میں قدم رکھتے ہی سیٹھ داؤد نے زوردار
آواز میں ملازم کو آواز دی۔

''جی صاحب......!'' نواز بھاگم بھاگ لرزتا ہوا اندر داخل ہوا۔

''کہاں مر گئے تھے...... چائے لاؤ......!''

''ابھی لایا سرکار......!'' نواز برق رفتاری سے باہر کی طرف پلٹا...... عجلت اور تیزی
مین دیوار سے ٹکرایا، پھر سیدھا ہوا اور پردے میں اُلجھ کر گرتا پڑتا باہر نکل گیا۔

''کیا ہو گیا...... اس قدر شور کیوں مچا رکھا ہے...... آج پھر کہیں سے ناکام تو نہیں
لوٹ آئے......؟'' سلطانہ بیگم کا قیافہ درست تھا۔

''کیا تم نے علم نجوم پڑھ لیا ہے......؟'' سیٹھ داؤد کے انداز میں ٹھہراؤ سا آ گیا......
اسے کیسے علم ہوا کہ میں ناکام لوٹا ہوں......؟ وہ کچھ لمحے سوچنے لگا۔

''علم نجوم سے میں واقف نہیں ہوں...... البتہ خدا آنکھوں سے نہیں دیکھا جاتا......
اُس کی قدرتوں سے اندازہ ہوتا ہے۔''

''چائے منگواؤ...... میں کچھ سننے کو تیار نہیں...... مجھے اکیلا چھوڑ دو......'' وہ ٹپٹا کر بولا۔

''ہنہ......'' بڑی لاپرواہی سے سلطانہ بیگم نے ہونٹ سکیڑ کر بازوؤں کو جھٹکا اور
کمرے سے نکل گئی۔

''اماں...... کیا بات ہے...... آپ کے ناک پر غصہ......؟'' زینہ اُترتے سلطانہ بیگم
کے بیٹے نے مسکرا کر کہا۔

''آج تیرے باپ کا موڈ بالکل اُسی طرح خراب ہے جس طرح دس سال پہلے تیری
دوسری ماں لانے پر ہوا تھا''...... سلطانہ بیگم کو پرانا زمانہ یاد آ گیا...... جب وہ بلقیس کو بیاہ
کر لایا تھا۔

''اماں...... دوسری ماں تو بچپن کی منگیتر تھی......'' وہ بولا۔

''اور میں تو ضد تھی...... تمہارے دادا کی...... وہ مجھے اسی خاندان میں بیاہنا چاہتے تھے...... مجھ سے شادی کر کے تیرے باپ نے اپنی منگیتر کو نہیں چھوڑا...... شادی کر کے چھوڑی۔'' وہ ایک ہی سانس میں کہہ گئی۔

''اب کیا ہے......؟'' جواد دوزانو ماں کے پاس ہی بیٹھ گیا۔

''مجھے کچھ شک ہے کہ تیرا باپ تیسری شادی کرنا چاہتا ہے...... اُس کا موڈ یوں ہی خراب نہیں۔'' سلطانہ بیگم سوچنے لگی۔

''اب اس سانحہ ارتحال کی خبر بلقیس ماں کو دے دیجئے...... آپ کو کیا غم......؟'' جواد نے بڑے لاپرواہ انداز میں قہقہہ لگایا۔

''ہاں میرے بچے...... اب مجھے کیا غم...... سیٹھ داؤد اب میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔'' سلطانہ بیگم نے مطمئن ہوتے جواد کو دیکھا۔

''کہاں جا رہے ہو......؟'' سلطان بیگم نے جواد کو باہر کی طرف جاتے دیکھا۔

''جلدی لوٹ آنا...... رات کو دیر سے آنا مجھے بالکل پسند نہیں۔''

''اچھا اماں......!'' وہ ہونٹوں کو گول کیے سیٹی بجاتا باہر کی طرف چل دیا......

''جواد بھائی...... مجھے ساتھ لے جاؤ......!'' وسیع غلام گردش کے ایک کونے میں اپنی والدہ بلقیس کی اُنگلی پکڑے سات سالہ انعم نے جواد کو پکارا۔

''معاف رکھو بابا...... میں کام جا رہا ہوں...... فرصت نہیں ہے مجھے......'' جواد نے دونوں کانوں کو ہاتھ لگایا۔

''بیٹا...... انعم نے کچھ کاپیاں اور کتابیں لینی ہیں...... لا دو نا......'' بلقیس زینہ اُتر کر جواد کے پاس آ گئی۔

''چھوٹی ماں...... میں اس چڑیل کو نہیں لے کر جاؤں گا...... ہرگز ہرگز نہیں......'' وہ شریر انداز میں بولا۔

''امی......!'' انعم نے بلقیس کی طرف شکایتاً دیکھا۔

''لے جاؤ بیٹا...... تمہارے بابا کو ٹائم نہیں ملتا...... نوکر نہ جانے صحیح خریدے یا نہ خریدے۔'' بلقیس نے کہا۔

''میں نے دوست کو وقت دے رکھا ہے...... اچھا خیر...... آؤ......!'' وہ انعم کا ہاتھ پکڑے گاڑی کی طرف بڑھ گیا۔

جاتے جاتے انعم نے اپنی ماں کی طرف بڑے فاتحانہ انداز میں دیکھا۔

''بلقیس بیگم......!'' دروازے میں سلطانہ نے آواز دی۔

''کیا بات ہے آپا...... کوئی کام ہے......؟'' بلقیس پلٹ کر بولی۔

''نہیں...... میرے کمرے میں آؤ......!''

''کوئی خطرناک بات تو نہیں......؟ میرا دل ہول کھانے لگا ہے۔'' بلقیس نے سلطانہ کے ساتھ اندر داخل ہوتے ہوئے کہا۔

''میرے لئے تو ایسی بات نہیں ہے...... البتہ تمہارے لئے ہے۔'' سلطانہ بیگم نے کہا۔

''آپ سیٹھ صاحب کے بارے میں تو نہیں کہنا چاہتیں......؟'' بلقیس نے قیافہ لگایا۔

''تمہیں معلوم ہے کہ سیٹھ کا موڈ ان دنوں پھر خراب رہنے لگا ہے۔'' سلطانہ نے سرگوشی کی۔

''میں نے ایک دن منشی سے بات کرتے سن لیا تھا۔'' بلقیس نے کہا۔

''کیا......؟'' سلطانہ کے کان کھڑے ہو گئے۔

''کوئی بتیاں نامی رقاصہ ہے...... اُس سے شادی کرنا چاہتے ہیں۔'' بلقیس نے آہستہ سے کہا۔

''ہیں...... اور تم خاموش رہیں......؟ دیکھو! اب تمہارا معاملہ ہے...... تم اپنے دونوں بھائیوں کو اطلاع کر دو......'' سلطانہ نے کہا۔

''میں جھگڑا نہیں چاہتی۔'' بلقیس فطرتاً سادہ مزاج عورت تھی۔

''اس میں جھگڑے کی کون سی بات ہے...... سیٹھ کا ایک بیٹا اور ایک بیٹی ہے...... اُسے تیسری شادی کی کیا ضرورت ہے...... اب اس جائیداد کا بٹوارہ نہیں ہو گا'' سلطانہ نے پوری طرح بلقیس کو باخبر کیا۔

''بات تو آپ کی ٹھیک ہے...... کیا شادی کرنا سیٹھ کے شغل میں شامل ہے......؟'' بلقیس نے کہا۔

''مجھ سے یا تم سے شادی کرنا سیٹھ کی مجبوری تھی...... اب تیسری کی کوئی مجبوری نہیں ہے۔'' سلطانہ کو غصہ آ گیا۔

''میرا بھائی فتح خان بڑا اکھڑ ہے...... وہ سنبھال لے گا سیٹھ کو......'' بلقیس کی بھی رگِ حمیت پھڑک اُٹھی۔

''میرا خیال ہے پہلے تم براہِ راست سیٹھ سے بات کرلو......'' سلطانہ بولی۔

''یہ ٹھیک ہے...... میں بات کروں گی...... ویسے آپا! اب تو سیٹھ کو جواد کی فکر ہونی چاہئے۔'' بلقیس نے ایک دم کہا۔

''سیٹھ کو اپنی پڑی ہوئی ہے...... اُس کا بس چلے تو یہ شہر کی ساری نوجوان عورتوں کو اپنی زوجیت میں قبول کرلے۔'' سلطانہ نے طنز کیا۔

بلقیس ہنس دی...... ہاں آپا...... ٹھیک ہے۔''

شام میلی ہوتے ہی سرخ سرخ سی روشنی چاروں جانب پھیل گئی...... کائنات کو جیسے سونے کے رنگ میں رنگ دیا گیا ہو...... سرخ پتھر سے بنی سیٹھ داؤد کی کوٹھی خود اس روشنی کا حصہ نظر آرہی تھی......

''چھوٹی......'' وہ انعم کو لئے ڈرائنگ رُوم سے ہوتا ہوا بلقیس کے پاس پہنچ گیا۔

''آگئے بیٹا'' وہ چائے کا کپ میز پر رکھتے مسکرا دی۔

''سنبھالئے اس آفت کی پڑیا کو...... اس میں کتابیں، نوٹ بک اور بہت کچھ ہے......'' وہ بڑا سا بیگ میز پر رکھتے ہوئے بولا۔

''بیٹھو...... چائے تو پیو!'' بلقیس نے کہا۔

''اب وقت نہیں ہے...... پہلے ہی بڑا نقصان ہوگیا ہے...... خیر! واپسی پر ڈگنے پیسے لوں گا...... بائے......'' وہ تیزی سے کہتا ہوا باہر کی طرف لپکا۔

''شریر...... جتنے چاہے لے لینا...... تم سے پیسے اچھے ہیں......؟'' وہ بڑے اُنس سے انعم کو ساتھ لگاتے بولی۔

''امی...... بھیا نے اتنی ساری ٹافیاں، برگر اور چاکلیٹ بھی لے دی ہیں......''

''واہ...... یہ تو بہت کچھ ہے بیٹا......'' بلقیس نے ساری چیزیں میز پر رکھتے ہوئے کہا۔

چند دن یوں ہی گزر گئے...... سیٹھ داؤد کے دل و دماغ پر بتیاں قابض رہی...... وہ ایک نئی ترکیب لے کر خانم جان کے پاس چلا گیا۔

''بیٹھیے سیٹھ صاحب...... خیریت......؟'' خانم جان نے خوش مزاجی کا مظاہرہ کیا...... جیسے گزشتہ تلخی بھول چکی ہو۔

''خیریت ہی ہے...... ویسے ہی ایک سودا کرنا چاہتا ہوں۔'' سیٹھ ایک دم سے صوفے پر پہلو بدل کر بولا۔

''سودا...... کیسا سودا......؟'' خانم جان کی چھٹی حس ایک دم بتیاں کی طرف پھڑک اٹھی...... بتیاں کے حسن و جمال نے بڑے بڑے لوگوں کو متاثر کیا تھا...... اور بہت مداح پیدا ہوچکے تھے...... اب تو خانم جان نے پارہ فردوس کے ساتھ افشاں ہال بھی آراستہ کرلیا تھا...... اگر ایک ہال میں بتیاں کا رقص اور گانا ہوتا تو دوسری جگہ کسی اور لڑکی کا...... لیکن بتیاں کا ہال فل ہوتا...... تماشائیوں کا ہجوم بیکراں ٹھاٹھیں مار رہا ہوتا...... ہزاروں کی تعداد میں ٹکٹیں بکنے کے لئے بلیک میں بھی نہ ملتیں...... ہجوم بڑھتا جاتا...... مجبوراً بتیاں کا دوسرا شو کروانا پڑتا...... بتیاں اپنے فن میں کمال حاصل کرچکی تھی...... اُس کے گلے میں جادو تھا...... اور اُس کی تھرک میں مدھوشی...... وہ جب رقص کرتی تو دیکھنے والے کو گمان ہوتا کہ یہ سٹیج پر کر رہی ہے یا پانی پر؟ یا یوں لگتا جیسے وہ شیشے کی پلیٹ پر تھرک رہی ہو...... تماشائی تھے کہ بڑھتے ہی جاتے تھے۔ اور ہر کوئی جاننے کی کوشش کرتا کہ یہ لڑکی کون ہے اور کہاں سے آئی ہے......؟ اس تحفے کے لئے خانم جان جیون بائی اور پیارے لال کی ممنون تھی۔

آج پارہ فردوس میں بتیاں کا خاص شو تھا...... پچیس ہزار کے قریب تماشائی ہال میں موجود تھے...... کراچی جیسے بارونق شہر میں یہ واحد ہال تھا جس میں اتنے لوگوں کے بیٹھنے کا اچھا خاصا انتظام تھا...... بتیاں گانے کے ساتھ محو رقص تھی۔ جیسے پوری کائنات اُس کے ساتھ رقص کناں ہو۔ ایک پراسراری خاموشی تھی...... اُس کی آواز کے سوز و گداز کے انوکھے سحر نے سب کو پتھر کا بنا دیا تھا...... ہال میں سوئی بھی گرے تو چھناکے کی آواز آئے......

''ذاکر...... ذاکر یار......!'' بالے نے پوری طاقت سے ذاکر کو جھنجھوڑا۔

''گانا سن یار...... کتنا لطف آرہا ہے......'' ذاکر نے بالے کو چپ رہنے کی تاکید کی۔

''میں چپ نہیں رہ سکتا...... تمہیں معلوم ہے یہ مجھے بتیاں لگتی ہے...... یہ وہی بتیاں ہے...... میری بتیاں...... بتیاں......'' وہ ایک دم کھڑا ہوگیا۔

''پاگل ہوگئے ہو یار...... بیٹھ جاؤ آرام سے۔'' ذاکر نے اُسے پکڑ کر بٹھا دیا۔

''میں واقعی پاگل ہوجاؤں گا...... مجھے بات کرنے دو......'' وہ بولا۔

''لوگ خاموش بیٹھے ہیں...... تم ہنگامہ کھڑا کروگے تو تمہیں پولیس پکڑ لے گی۔'' ذاکر نے منت بھرے لہجے میں کہا۔

''پھر کیا کروں...... ضبط نہیں ہو رہا...... جی چاہتا ہے سٹیج پر جا کر اُس کے پاؤں پکڑ

لوں...... میرا دل جھوٹ نہیں بولتا...... یہ میری بتیاں ہے۔'' وہ جھنجھلا کر بولا۔

''خدا کے لئے رُک جاؤ...... پروگرام ختم ہو جائے تو ہم باہر جا کر مل لیں گے۔'' ذاکر نے بڑی منت سماجت کی۔ اور وہ اپنے سرکش جذبات کو لئے دھڑکتے دل کو دبائے بیٹھا رہا۔

''شو ختم ہو گیا...... لوگ پولیس کی نگرانی میں باہر نکلنے لگے......

''چلو! جلدی کرو......'' بالے نے ذاکر سے کہا۔

''ہاں ہاں...... نکلو! تمہاری بھی غلط فہمی دُور ہو جائے...... اپنے ساتھ مجھے بھی جوتے پڑوائے گا۔'' ذاکر کو بالے کی اضطرابیت پر غصہ آ گیا۔

''میں سب سہہ لوں گا...... بس! تو باہر چل......!''

باہر لوگوں کا ہجوم اُمڈا ہوا تھا...... وہ پیارے لال اور گارڈ کے ساتھ گاڑی میں بیٹھنے ہی والی تھی کہ بڑی بے کلی کے ساتھ بالے نے گاڑی کا دروازہ بند کر دیا...... بتیاں...... تم بتیاں ہو نا......؟''

بتیاں نے گہری نظروں سے بالے کی طرف دیکھا۔ ''کیا بات ہے...... آپ کو کسی کی تلاش ہے......؟'' وہ انجان سی بولی۔

''تم بالے کی بتیاں ہو نا...... بتیاں...... یاد کرو...... دیکھو! میں بالا ہوں...... تمہارا بالا...... میں چل نہیں سکتا نا...... اب میں نے چھڑی لے لی ہے...... بیساکھی......''

''پیچھے ہٹ لڑکے...... میڈم کا راستہ چھوڑ......!'' گارڈ نے بالے کا بازو پکڑنا چاہا۔

''رُک جاؤ...... ہمیں اِس نوجوان سے بات کر لینے دو...... بھٹکا ہوا ہے شاید کسی کی تلاش میں......'' بتیاں نے ہاتھ آگے بڑھا کر گارڈ کو روک دیا۔ ''کہاں سے آئے ہو......؟'' اُس نے بالے سے پوچھا۔

''میں چاند نگر سے آیا ہوں...... بہت دُور گاؤں ہے ہمارا بتیاں...... تمہیں یاد تو ہو گا...... میں بالا ہوں...... اسماعیل چاچا...... تیرا......''

''پیارے لال! ہمارا کارڈ دے دو اِس جوان کو......'' وہ گاڑی میں بیٹھ گئی...... اور ایک نظر بھرپور اُس نے بالے کے سراپا پر ڈالی۔

''یہ لو...... اِس پر میڈم کا ایڈریس ہے...... ملنا ہو تو آ جانا......'' گارڈ ڈرائیور کے ساتھ ہی گاڑی میں سوار ہو گیا۔

بالے نے کارڈ پکڑا اور بڑی محرومیت سے ذاکر کی طرف دیکھا۔ ''آؤ! گھر چلیں۔''

ذاکر جیسے بالے کی میت اُٹھا کر لایا ہو۔

''پانی پیو گے......؟'' وہ بالے کو اندر لے جا کر مسہری پر بٹھاتے ہوئے بولا۔

بالے نے صرف دیکھا......''لو! پانی پیو......'' ذاکر نے گلاس اُس کے ہاتھ میں تھما دیا...... جسے بالا ایک ہی سانس میں چڑھا گیا۔ من کی پیاس یوں بھی بجھتی ہے......؟ وہ تو ازل سے ہی پیاسا تھا......

''ذاکر......'' وہ ذاکر کو گلاس پکڑاتے بولا۔

''بولو......!'' ذاکر کو اب بالے پر رحم بھی آ رہا تھا۔

''تم نے بتیاں کو دیکھا ہوا ہے......؟''

''دیکھا ہوا ہے یار...... بچپن ہم سب کا اکٹھا تو گزرا ہے۔''

''تمہیں کیا لگتی ہے...... خدا لگتی بات کرنا...... مجھے بہلانا مت......'' بالے کو ذاکر پر بھی یقین نہ آ رہا تھا۔

''یار! دیکھنے میں تو وہ بتیاں ہی لگتی ہے...... اگر اُس کی چال ڈھال پر نظر رکھو تو یقین نہیں آتا...... بھلا بتیاں اتنی دولت مند کیسے ہو گئی...... پھر تم نے اُس کے بولنے کا انداز دیکھا......؟'' ذاکر حیرت سے بولا۔

''یہ میں نہیں جانتا...... وہ کیسی ہو گئی ہے...... لیکن دل کہتا ہے وہ بتیاں ہے...... بتیاں......'' وہ مجبوراً چار تکیے پر چہرہ رکھے پھوٹ پھوٹ کر رو دیا...... اتنا رویا کہ اُس کی ہچکی بندھ گئی۔

''اچھا ہوا...... رو لے! غبار چھٹ جائے گا تو تمہیں صبر بھی آ جائے گا......'' ذاکر نے دو کپ چائے اُس کے سامنے رکھی۔

''کیسے صبر کروں...... نہیں صبر آتا...... جی چاہتا ہے اِس دھرتی کو آگ لگا دوں جس نے میری بتیاں چھین لی ہے......'' وہ روتا رہا...... اُس معصوم بچے کی طرح جس کی عزیز ترین چیز کسی نے چھین لی ہو اور وہ واپس لینے کے لئے تڑپ رہا ہو۔

''لو چائے پیو! کچھ تو قرار آئے گا۔'' وہ اُس کے ہاتھ میں کپ پکڑاتے ہوئے بولا۔

''ذاکر یار......!'' ایک دم بالے نے کپ پکڑ کر ذاکر کے قریب منہ لے جا کر کہا۔

''کہو......!'' ذاکر نے گھونٹ حلق سے نگل کر کہا۔

''کسی دن ملنے نہ چلیں......؟'' بالے نے بڑی اُمید سے کہا۔

"ضرور چلیں گے...... یار! وہ بہت بڑی ہوگئی ہے...... مل بھی لے گی؟" ذاکر کو اُس کی لمبی گاڑی یاد آ گئی۔

"اُس نے ملاقاتی کارڈ دیا ہے...... اور وہ بڑی ہوگئی تو ہو...... میرے لئے تو وہی ہے...... اتنی سی......" بڑی محبت سے بالے نے ہاتھ سے بتیاں کے گزشتہ سراپا کو ظاہر کیا۔

ماضی یاد آ گیا......

"ٹھیک ہے...... مجھے کیا اعتراض ہے...... تمہاری خوشی میری خوشی......" ذاکر نے ایک تھپکی بالے کی پشت پر ماری اور اُس کے پاس ہی بیٹھ گیا۔

☆☆☆

اُدھر وہ اندر قدم رکھتے ہی پھوٹ پھوٹ کر رو دی......

"بتیاں...... کیا ہو گیا......؟" جیون بائی نے جب الماری سے کپڑے نکالے تو حیران رہ گئی۔

وہ روتی رہی...... اُس کے جسم کے خفیف جھٹکوں سے اس بات کا اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ بہت رو رہی ہے۔

"تم نے کچھ کہا بتیاں کو......؟" اندر آتے پیارے لال کو دیکھ کر جیون بائی نے کہا۔

"کیا...... بتیاں...... رو رہی ہو......؟' پیارے لال کو حیرت ہوئی۔

"تم نے تو کچھ نہیں کہا......؟" جیون بائی نے پوچھا۔

"میں نے کچھ نہیں کہا...... البتہ تمہاری کسی بات سے دُکھ نہ پہنچا ہو۔" پیارے لال تنک کر بولا۔

"پاگل ہو گیا ہے...... خبیث...... بکواس کر رہا ہے...... دفعان ہو......" جیون بائی نے ایک ہی سانس میں کئی صلواتیں سنا ڈالیں۔

لیکن وہ روتی رہی...... سسکتی رہی...... تڑپتی رہی......

"مجھ سے بتیاں کا رونا نہیں دیکھا جاتا......" پیارے لال کے لہجے میں دُکھ اور کرب شامل تھا۔

"جیون بائی......" اندر آتی ملازمہ نے کہا۔

"کیا ہے......؟" جیون بائی نے پوچھا۔

"خانم سرکار بلا رہی ہیں۔"

"آ رہی ہوں......" جیون بائی ملازمہ کے ساتھ ہی باہر نکل گئی۔

پیارے لال حراساں کھڑا رہا...... نہ وہ جا سکتا تھا اور نہ وہ بتیاں سے کسی قسم کا سوال کر سکتا تھا۔ "بتیاں...... خدارا...... ہم سے کوئی خطا سرزد ہوگئی ہے......؟" پیارے لال نے قریب جا کر کہا۔

"پیارے......!" بتیاں بیٹھتے ہوئے بولی۔

"بتیاں! تمہیں آتے ہی کیا ہو گیا ہے......؟ اچھی بھلی تو آئی تھی واپس......" پیارے لال نے کہا۔

"پیارے لال...... آج ہماری اپنوں سے ملاقات ہوگئی...... لیکن ہم اُسے اپنا کہہ نہیں سکتے۔" وہ اپنے رُخساروں سے پھسلنے والے آنسوؤں کو صاف کرتے بولی۔

"کون اپنا بتیاں جی......؟" پیارے لال دوزانو قالین پر بیٹھ گیا۔

"جس کو ہم نے کارڈ دیا تھا نا...... وہ ہمارا اپنا تھا...... بچپن ایک ساتھ کھیلا ہم نے......" وہ پھر سسک اُٹھی۔

وہ جوان لڑکا...... جس کے ہاتھ میں چھڑی تھی......؟" پیارے لال نے ایک دم یاد کرتے ہوئے کہا۔

"ہاں...... وہ ہمارا ہے...... ہمارا اپنا چچا زاد بلکہ تایا زاد...... ہماری محبت...... اور اب ہم کیا کریں......؟" وہ کس قدر مجبور بے بس نظر آنے لگی۔

"کرنا کیا ہے...... اُسے حویلی میں لے آئیں۔" پیارے لال نے ایک دم بغیر سوچے کہہ دیا۔

"کیسے......؟ پہلے ہم مُردہ تھے...... اُسے دیکھ کر ہم زندہ ہو گئے ہیں...... وہ ہمیں شدت سے یاد آنے لگا ہے۔"

سوچنے دو مجھے......" پیارے لال نے چند لمحے سوچا...... ذہن پر زور دیا...... پھر بتیاں کی طرف جھکا۔ "ہم اُس نوجوان کو حویلی میں ملازم رکھوا دیں گے۔" پیارے لال نے کہا۔

"ہم اُس پر یہ ظاہر نہیں کر سکتے کہ ہم بتیاں ہیں۔"

"کیوں......؟" پیارے لال نے چونک کر کہا۔

"ہم کیا تھے...... اور کیا بن چکے ہیں...... ہم پیدائشی رقاصہ تو نہ تھے...... ہم تو محبت و اُلفت میں پلنے والی پُرسکون آغوش میں زندگی گزار رہے تھے...... بالے کو دیکھ کر ہمیں

سب کچھ یاد آ گیا ہے...... ہم کون ہیں اور کہاں سے آئے ہیں......'' وہ انتہائی افسردگی کے عالم میں بیٹھی رہی۔

''اب اس کا کیا حل ہو سکتا ہے......؟'' پیارے لال نے کہا۔

''سوچو...... لیکن یہ راز تمہارے سینے میں رہے...... حویلی کے کسی فرد کو اس بات کا احساس نہ ہو کہ ہم کون ہیں...... اور بالا ہمارا کیا ہے......'' وہ خوفزدہ انداز میں بولی۔

''توبہ توبہ...... بتیاں جی! ہم مر جائیں گے لیکن اس بات کی تشہیر نہیں کریں گے۔'' پیارے لال نے کہا۔

''اور نہ ہی بالے کو پتہ چلے کہ ہم کون ہیں......'' وہ پیارے لال کو سمجھانے لگی۔

''بے فکر رہو......!'' پیارے لال نے کہا۔

دروازہ کھلا اور جیون بائی کے ساتھ خانم جان داخل ہوئی......

''آپ...... آپ خانم سرکار......!'' بتیاں ایک دم اُٹھ کر کھڑی ہو گئی اور پیارے لال نے کھڑے ہو کر رومال سے اپنا چہرہ صاف کیا۔

''کیا بات ہے بتیاں......؟'' خانم جان سامنے صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولیں۔

''کچھ نہیں خانم سرکار......!'' وہ زبردستی ہونٹوں پر تبسم لاتے بولی۔

''بیٹھ جاؤ......!'' خانم جان نے اُسے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ ''طبیعت ٹھیک ہے بتیاں......؟'' خانم جان نے بڑی شفقت سے کہا۔

''ٹھیک ہیں ہم......'' وہ آہستہ سے بولی۔

''پھر اس قدر رونے کی وجہ......؟ جیون بائی آپ کے اس قدر رونے سے بہت پریشان تھی۔ اس اضطراب کی وجہ......؟'' خانم جان نے بھرپور نظر بتیاں کے وجود پر ڈالی...... اُس نے تو ابھی لباس بھی تبدیل نہیں کیا تھا۔

''کوئی وجہ نہیں خانم سرکار...... ہمیں اپنا ماضی شدت سے یاد آنے لگا تھا......'' وہ چہرہ صاف کرتے بولی۔

''کہیں ایسا تو نہیں اس لڑکے کی وجہ سے تم پریشان ہو......؟'' خانم جان کو یاد آ گیا۔

''کون سا لڑکا خانم سرکار......؟'' بتیاں کی رُوح قبض ہو گئی...... اُس نے چونک کر سامنے کھڑے پیارے لال کی طرف دیکھا...... جو خاموش ہاتھ پشت کی جانب باندھے کھڑا تھا۔

''ہمیں معلوم ہوا ہے کہ وہ لڑکا تمہارے گاؤں کا ہے۔'' خانم جان نے بغور بتیاں کے مرجھائے ہوئے چہرے کو دیکھا۔

''اچھا...... وہ لڑکا...... اقبال...... ہاں خانم سرکار!...... وہ نوجوان ہمارا اپنا نکلا۔'' وہ ایک دم بولی...... کیونکہ اب جھوٹ بولنا بیکار تھا۔ جب خانم جان کو علم ہو ہی گیا ہے......

''اپنا...... کیا مطلب......؟'' خانم چونک گئی۔

''وہ میرے گاؤں کا ہی لڑکا ہے خانم سرکار...... اگر آپ اجازت دیں تو میں اُس سے کبھی کبھی ملاقات کر سکتی ہوں......؟'' بتیاں نے اجازت لینا بہتر سمجھا۔

''ہاں...... لیکن پیارے لال تمہارے پاس رہے گا...... ہم نہیں چاہتے کہ کوئی اجنبی تمہیں کوئی نقصان پہنچائے۔'' خانم جان نے اُٹھتے ہوئے کہا۔

''شکریہ خانم سرکار...... ہم آپ کے احسانوں کا بدل نہیں دے سکتے۔'' وہ احسانوں کے بوجھ تلے دبتی چلی گئی۔

''نہیں بتیاں...... ہم تم سے بہت خوش ہیں...... یہی وجہ ہے کہ تمہیں پریشان اور آزردہ نہیں دیکھنا چاہتے۔'' خانم سرکار باہر نکل گئی۔

''تو چل لڑکے...... کام کر......!'' جیون بائی الماری کی طرف بڑھ گئی اور پیارے لال کو ہاتھ سے اشارہ کیا۔ پیارے لال خاموشی سے باہر نکل گیا۔

جیون بائی نے لباس نکال کر بتیاں کے پلنگ پر رکھا...... اور بتیاں باتھ رُوم کی طرف بڑھ گئی۔

چند دِن اور گزر گئے...... دل اور بے قرار ہو گیا...... کاش اس وقت بالا آ جائے۔ اور وہ اُس سے ایک تفصیلی گفتگو کرے...... اُس سے کوئی سوال تو کرے...... وہ ضرور کوئی معقول جواب دے گا۔

''بتیاں...... وہی لڑکا تمہیں ملنے کے لئے آیا ہے...... ملو گی......؟'' پیارے لال نے اندر آتے ہی کہا۔

''خانم سرکار کدھر ہیں......؟'' وہ تڑپ کر بولی۔

''وہ یہاں نہیں ہے...... تم آج اُس نوجوان سے مل لو......'' پیارے لال نے کہا۔

''اچھا...... تم بٹھاؤ اُسے ڈرائنگ رُوم میں۔''

''وہ بیٹھا ہے......'' پیارے لال نے کہا۔ اور وہ تیز رفتاری سے ڈرائنگ رُوم کی

طرف بڑھ گئی۔

''تمہیں سلام ہو بتیاں......'' بالے نے کھڑے کھڑے بڑے مؤدب انداز میں کہا۔

''بیٹھو اقبال......!'' بتیاں نے اجنبانا سا انداز اپنایا۔

وہ چھڑی ایک طرف رکھ کر قیمتی صوفے پر بیٹھ گیا۔

''کیسے آئے ہو......؟'' بتیاں نے ایک ہاتھ سے بالوں کو ہٹایا۔

''بس! یوں ہی...... دل نے چاہا۔'' وہ کہہ ہی گیا۔

''اقبال...... شاید تم کسی کی تلاش میں ہو۔'' بتیاں پیچھے کی طرف لوٹنا چاہتی تھی۔ لیکن حالات اجازت نہ دے رہے تھے۔

''میری تلاش تو یہاں تک تھی...... تمہیں دیکھ کر میں اور کہیں جانے کا سوچ بھی نہیں سکتا۔'' بالے نے کہا۔

''کیا......؟ تم کہنا کیا چاہتے ہو......؟'' وہ چونک گئی...... کیا بالے کو یقین ہے کہ میں ہی بتیاں ہوں......؟ اُس نے سوچا۔

''میری کھوئی ہوئی بتیاں تو تمہی ہو۔'' وہ بڑے وثوق سے بولا۔

''تمہاری غلط فہمی ہے۔ صرف نام سے تمہیں یقین نہیں کر لینا چاہئے۔'' بتیاں کا کلیجہ چھلنی ہو گیا۔ وہ اب کیا ہے...... ایک رقاصہ......

''ایسا نہیں ہے...... میرا دل جھوٹ نہیں بول سکتا...... میں تو بتیاں کو لاکھوں کروڑوں میں پہچان لوں۔'' بالے نے بڑے غور سے اُس کے سراپا کو دیکھا۔

''تمہارا باپ...... یعنی کہاں رہتے ہو......؟'' بتیاں نے کہا۔

''میں اپنے چاچا کے پاس رہتا ہوں...... چاچا اسماعیل بتیاں کی جدائی میں رو رو کر اس دنیا سے چل بسا...... اور ماں نیم پاگل ہو گئی ہے......'' بالے نے جواب دیا۔

ایک دم بتیاں کے ہاتھ میں پکڑا ہوا گلاب کا پھول قالین پر گرا...... دل اُچھل کر حلق میں اٹک گیا...... اُس کا جی چاہا چیخ چیخ کر آسمان سر پر اُٹھا لے...... ساری کائنات کو آگ لگا دے۔ اُس کا باپ مر گیا اور اُس کی ماں نیم پاگل...... اُس کی وجہ سے......

''بتیاں کا اور کوئی تو ہو گا......'' وہ صبر کی سل سینے پر رکھ کر بولی۔

''صرف ایک بھائی شیری جو بتیاں کو تلاش کر کے اُسے قتل کر دینے کے انتظار میں وقت کی رفتار کو گن گن کر گزار رہا ہے۔'' بالا حسب عادت پھر بتیاں کے حسن و جمال کو

دیکھتا رہا۔

''ٹھیک کہتے ہو...... ایسی بیٹی سے ایسا ہی سلوک ہونا چاہئے...... جو والدین کی عزت سے کھیل کر گھر چھوڑ دے۔'' بتیاں نے بالے کو مطمئن کرنا چاہا۔

''نہیں نہیں...... میری بتیاں ایسی نہیں ہے...... اُسے کوئی دشمن اُٹھا کر لے گیا...... یہ دیکھو!'' بالے نے جیب سے ٹوٹی چوڑی نکال کر بتیاں کو دی۔

چوڑی دیکھ کر اُس کی آنکھوں کے گرد اندھیرا چھا گیا...... اتنے سالوں کے بعد بھی اس نے چوڑی سنبھال کر رکھی ہوئی تھی۔

''یہ کیا ہے......؟'' وہ جان بوجھ کے انجان بن کر بولی۔

''یہ وہی چوڑی ہے جو آج سے سات سال پہلے اُس جگہ سے ملی تھی جہاں سے کوئی دشمن بتیاں کو اغواء کر کے لے گیا تھا۔ بالے نے حسرت بھری نظر بتیاں کے معصوم چہرے پر ڈالی...... کاش! تم کہہ دو کہ میں بتیاں ہوں...... بالے نے سوچا۔

''کیا دیکھ رہے ہو......؟'' بتیاں خود سے لرز گئی۔

''میں دیکھ رہا ہوں تم وہی بتیاں ہو...... جو مجھے چھوڑ کر چلی گئی ہے۔'' بالے نے آنکھیں صاف کیں۔

''یہ تمہارا وہم ہے اقبال...... اگر ہم تمہاری بتیاں ہوتے تو کبھی تمہیں اس قدر پریشان نہ دیکھتے۔'' بتیاں کے اندر سے ایک چیخ بلند ہوئی۔ دوسرے دروازے سے پیارے لال قیمتی ٹرالی میں چائے لے آیا اور اُس کے ساتھ بہت ساری چیزیں۔

''تم جاؤ پیارے لال...... میں بنا لوں گی چائے......''

''ٹھیک ہے......'' پیارے لال اقبال کو دیکھتا ہوا باہر نکل گیا۔

''یہ ہاتھ بتیاں کے لئے...... ان نازک کلائیوں پر ہری ہری چوڑیاں...... بالکل بتیاں کی ہی لگ رہی ہیں...... اے میرے خدا...... یہ...... لڑکی کیوں نہیں مانتی کہ وہ بتیاں ہیں۔''

''لو اقبال! چائے پیو......'' وہ جان بوجھ کے بڑی لاتعلقی سے بولی۔

بالے نے اُسے بغور دیکھتے ہوئے پیالی پکڑ لی...... بتیاں ایک دم کانپ سی گئی...... وہ بالے کی نظروں کا مقابلہ نہیں کر سکتی تھی۔ یہ شخص ابھی تک بھولا نہیں ہے۔

''با...... اقبال......!'' وہ بالا کہتے کہتے رُک سی گئی...... پھر دوسری مرتبہ اُس کے منہ سے اقبال نکلا۔

''ہوں......'' حسبِ عادت بالے نے کہا۔

''دیکھو...... ہوسکتا ہے تمہاری بتیاں برے لوگوں کے ہتھے چڑھ گئی ہو...... یا کسی جگہ مر کھپ گئی ہو......''

''نہیں...... وہ مری نہیں...... وہ زندہ ہے...... پھر وہ جیسی بھی ہے مجھے قبول ہے۔''

بے شک اُس کا بھائی......'' وہ ایک دم خاموش ہوگئی۔

''کیا...... کیا ہوا اُس کے بھائی کو؟'' بالے نے حیرت سے بتیاں کا کرب محسوس کیا۔

''یہ میں مانتا ہوں رشتہ دار، برادری والے اور شیری اُسے قبول نہیں کریں گے......'' بالے نے دلگیر انداز میں بالوں کو پیشانی سے ہٹایا۔

''تم کیا کرو گے......؟''

''ایسی صورت میں اُسے لے کر دُور نکل جاؤں گا...... جہاں ایسے لوگوں کا سایہ بھی اُس پر نہ پڑے...... بس! میں اور وہ......'' بالا دل کے ہاتھوں مجبور نظر آنے لگا۔

''اچھا...... اتنا زبردست عشق ہے تمہارا...... بتیاں سے اِس قدر محبت ہے؟'' بتیاں نے پھر اُس کی متلاشی نگاہوں میں جھانکا۔

''میں نے جب آنکھ کھولی تو صرف اُسی کو دیکھا ہے...... اُس کی صورت کے سوا کوئی صورت میرے من میں نہیں ہے۔'' وہ کھڑا ہوگیا۔

''جا رہے ہو......؟'' وہ خود بھی کھڑے ہوتے ہوئے بولی۔

''اب جاؤں گا...... ذاکر میرا منتظر ہوگا۔''

''آجایا کرو...... تمہیں یہاں آنے سے کوئی نہیں روکتا۔'' وہ مجبوراً کہہ گئی۔

''اچھا......'' ایک چمکتی ہوئی نظر بالے نے بتیاں کے روشن چہرے پر ڈالی اور باہر نکل گیا۔ بتیاں کو یوں احساس ہوا جیسے اُس کے اندر کی دنیا بالا اپنے ساتھ لے گیا ہو۔ وہ خاموش افسردہ سی اپنے کمرے میں چلی گئی...... من میں ایک آگ سی بھڑک اُٹھی کہ کاش! اُس کے پنکھ ہوتے اور وہ اپنی ماں کو دیکھ سکتی۔ بھائی اُسے قبول نہیں کرے گا...... ماں تو اپنے دامن میں اُسے جگہ دے گی...... ملاقات کے لئے اُس نے خانم جان سے اجازت لی۔

''دیکھو بتیاں...... ہمیں کوئی اعتراض نہیں...... تم اپنے عزیز و اقارب سے مل سکتی ہو۔'' خانم جان نے وسیع القلبی کا ثبوت دیا۔

وہ مسکرا دی...... چند لمحے ماحول خوشگوار رہا۔

''ایک بات قابلِ غور ہے بتیاں......'' خانم جان کو خیال آگیا۔ ''کیا تمہیں تمہارے گھر والے قبول کرلیں گے......؟'' خانم جان نے اصل حقیقت سے آشنا کیا۔

''مجھے کوئی قبول نہیں کرے گا...... اس بات کا تو اندازہ ہے۔''

''پھر جانے کا فائدہ......؟'' خانم جان نے پوچھا۔

''خانم سرکار...... میں صرف اپنی ماں کو ملنا چاہتی ہوں...... بلکہ دیکھنا چاہتی ہوں۔ وہ میری جدائی میں نیم پاگل ہوگئی ہے...... دن رات میں کئی مرتبہ میری راہ تکتی ہے...... جب نصف رات گزر جاتی ہے تو گھر واپس لوٹ جاتی ہے۔'' اس کے ساتھ ہی بتیاں کے گرم گرم آنسو اُبل کر اُس کے رُخساروں پر بہہ نکلے۔

''اُداس ہونے کی ضرورت نہیں بتیاں...... تم اپنی ماں کو مل سکتی ہو...... لیکن یہاں سے جانے والی کسی لڑکی کو اُس کے گھر والے قبول نہیں کرتے۔'' خانم جان نے حقیقت بیان کر دی۔

''میں صرف ماں کو دیکھنا چاہتی ہوں...... اگر وہ قبول کرلے گی تو ٹھیک ورنہ واپس لوٹ آؤں گی۔'' بتیاں نے وعدہ کیا۔

''ٹھیک ہے...... گاڑی لے جاؤ...... ہمارے دو آدمی تمہارے ساتھ جائیں گے اور ایک گھنٹے تک تمہارا انتظار کریں گے...... اگر تم وقت مقررہ پر آگئیں تو ٹھیک...... ورنہ وہ لوٹ آئیں گے۔'' خانم جان نے کہا۔

بتیاں نے بڑی احسان مند نگاہوں سے خانم جان کی طرف دیکھا...... خوش قسمتی سے وہ اس پر مہربان تھیں......

چنانچہ چند روز کے بعد بتیاں دو بھروسے کے آدمی لے کر چاند نگر روانہ ہوگئی...... کراچی سے لاہور تک کا سفر تھکا دینے والا تھا۔ شام کے دُھندلکے چھاتے ہی گاڑی لاہور کے باہر بستی چاند نگر کے قریب رُکی......

''چاند نگر آگیا ہے بتیاں سرکار......!'' ایک آدمی نے باہر کی طرف دیکھ کر کہا۔

''ہاں رمیض خان! یہی چاند نگر ہے۔'' بتیاں نے گاڑی کی کھڑکی سے چاروں جانب سرسبز فصلوں کو لہراتے دیکھ کر کہا۔

''اگر اجازت ہو تو گاڑی دروازے......''

''نہیں نہیں خادم حسین...... یہ تو ہم تصور بھی نہیں کر سکتے......'' بتیاں نے چونک کر

ڈرائیور کے منہ سے بات اُچک لی۔

''ہمارے لئے اب کیا حکم ہے......؟'' رمیض خان مؤدب بولا۔

''ذرا اور شام میلی ہو جائے...... تاکہ لوگ مجھے پہچان نہ لیں۔'' وہ اُداس سی بولی۔

''ٹھیک ہے......''

چند لمحے اور گزر گئے...... سورج مغرب کی تپتی آغوش میں ڈوب چکا تھا۔ ایک ملگجی سی روشنی تھی جو کائنات کو اپنے سرمئی سیاہی مائل رنگ میں لے رہی تھی۔ ہر چیز اس رنگ میں ڈوبتی نظر آ رہی تھی...... وہ سہمی سہمی سی سیاہ چادر سر سے پیروں تک اوڑھے گاڑی سے نکلی اور جانے پہچانے راستے پر چل دی......

ہر چیز جوں کی توں تھی...... وہ کھیت...... وہی مشین کی کپ کپ کی آواز...... اور راستے میں وہی باغ جس کا دروازہ کھول کر وہ بے ساختہ اندر چلی گئی...... تیز ہوا جھولوں کو جھولا رہی تھی...... وہ خود سے مسکرائی۔ بچپنا لوٹ آیا اور وہ آج سے سات سال پہلے کی بتیاں بن گئی...... سکھیاں اُس کے اردگرد جھولا جھولاتی رہیں...... چاندنی اور بالی اور دوسری لڑکیاں اُس کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کرتی رہیں...... اُس وقت گزرنے کا احساس ہی نہ رہا۔

''اے لڑکی...... کون ہے تو......؟ چل لڑکی! اپنے گھر چل! تجھے نظر نہیں آ رہا...... مغرب کا وقت ہو گیا ہے۔''

بوڑھے چوکیدار کی آواز تیز چھری کی طرح اُس کی سماعت کو پارہ پارہ کر گئی...... وہ بڑبڑا سی گئی۔

''اچھا بابا جی......!'' بتیاں نے جھولے کو آہستہ کیا اور جھولے سے اُتر گئی۔

''اس وقت اکیلی...... جھولا جھولنے آئی ہے...... باؤری نہ ہو......'' چوکیدار نے حیرت سے اُس کے لپٹے سراپا کو دیکھا۔ لیکن وہ گیٹ کی طرف بڑھ گئی۔ بجلی نے تڑپ کر اُسے راستہ دکھایا......

پورا گاؤں تاریکی میں ڈوب رہا تھا...... وہ نہ چاہتے ہوئے بھی گیٹ سے باہر نکل آئی...... اِکا دُکا کسان اپنے کاموں سے لوٹ رہے تھے...... وہ اپنے گھر جانے والے راستے پر چل دی...... بادل اُمڈ رہے تھے...... رات ڈراؤنی اور اندھیری تھی...... گھٹا چھا رہی تھی...... بجلی تڑپ تڑپ کر کڑکتی...... اُس کو احساس ہو چلا تھا کہ اُس کے اندر کی طرح باہر بھی آندھی آنے والی ہے...... اُس کا دل کانپ گیا...... وہ دو قدم چلتی اور رُک جاتی...... وہ

گزشتہ واقعات کو جتنا یاد کرتی اُس کا غم اتنا ہی بڑھ جاتا...... سارے گھر والے اُس کو پیار کرتے تھے...... وہ ماں کی آنکھ کا تارہ اور باپ کے دل کا سرور تھی...... بھائی اُس پر جان چھڑکتا تھا...... کہاں گیا سب کچھ...... چلتی جاتی اور پرانی یادوں کو کھنگالتی جاتی...... ایک جگہ وہ گرتے گرتے بچی...... اُس نے بغور دیکھا...... اُس کے گھر کی طرف جانے والی نکڑ پر وہ کھڑی تھی...... اُس نے اپنے آپ کو کسی آنے والے صدمے کے لئے تیار کر لیا...... پرس کو چادر کے اندر شانے پر لٹکایا اور آگے تیز رفتاری سے چل دی...... وہ ایک دم ٹھٹکی...... بارش زور سے برسنے لگی تھی۔ وہ ٹھٹکی......

''اماں......'' دروازے پر کھڑی دیوانی ماں کو دیکھا تو اُس کے منہ سے یکبارگی نکلا......

''کون...... بتیاں...... یہ بتیاں کی آواز ہے......'' خدیجہ نے ہاتھ پھیلائے۔

''اماں...... میں بتیاں ہوں......'' وہ ایک دم ماں سے لپٹ گئی......

''بتیاں...... تو بتیاں ہے...... جھوٹ ہے...... وہ تو مر گئی ہے...... سب نے کہا تو مر گئی ہے...... نہیں...... نہیں...... تو میری بتیاں نہیں ہے...... دُور ہو جا......'' اس کے ساتھ ہی کسی گندے تعفن زدہ بدبودار کیڑے کی طرح خدیجہ نے اُسے پرے ہٹا دیا۔

وہ سسک اُٹھی...... ''دیکھ اماں...... میں بتیاں ہوں...... میں بتیاں ہوں......'' بتیاں نے ماں کے شانے تھام کر اُسے جھنجھوڑ ڈالا...... ''گلے لگا لو ماں......''

''نہیں...... تو بتیاں نہیں ہے...... چلی جا...... میری بتیاں مر گئی ہے...... مر گئی ہے...... تو آسیب ہے...... آسیب ہے...... اُس کا آسیب......''

''اماں...... مجھے ساتھ لگا لے...... میں بتیاں ہوں......'' وہ چیخ اُٹھی...... خدیجہ دیوانہ وار اندر کی طرف بھاگی......

''اماں...... تیرا یہ حال ہو گیا میری جدائی میں......'' وہ سوچتے ہی اندر کی طرف لپکی۔

''کون ہے تو......؟'' شیری نے ماں کو اپنے بازو کے حصار میں لے کر بتیاں سے پوچھا۔

''شیری...... بتیاں مر گئی ہے نا......؟'' خدیجہ نے اپنے بُریدہ بالوں پر ہاتھ پھیرا۔

''ہاں اماں...... بتیاں تو مر گئی......'' شیری نے آنکھیں پھاڑے بتیاں کے خدوخال پہچاننے کی کوشش کی۔

''بھائی...... میں بتیاں ہوں...... میں بتیاں ہوں۔'' وہ آگے بڑھ کر بڑے کرب سے گویا ہوئی۔

''تو بتیاں ہے..... کیا بکواس کرتی ہے..... چلی جا یہاں سے.....'' شیری بھوکے شیر کی طرح گرجا..... اور آنکھیں چرالیں.....

''ہاں..... مجھے دیکھو..... میں بتیاں ہوں..... پہچانو مجھے.....'' وہ اپنے خوبصورت چہرے کو شیری کے سامنے کرتے بولی۔

مدت سے دفن شدہ چنگاری بھڑک کر شعلہ بن گئی..... شیری کے اندر کا الاؤ بھانبڑ بن گیا..... ''دفعہ ہو جا..... ہمیں ذلت اور رُسوائی کے گڑھے میں پھینک کر آج بتانے آ گئی ہے کہ تو بتیاں ہے..... تو ہماری بتیاں نہیں ہے..... جہاں سے آئی ہے وہیں چلی جا..... ہمارے زخموں پر نمک پاشی کرنے آ گئی ہے..... ہمیں کیا خبر..... تو کون ہے..... کوڑے کے کس ڈھیر سے اُٹھ کے آئی ہے تو..... یا تعفن زدہ بدبودار گندی نالی کا کیڑا ہے تو.....''

''بھائی.....'' وہ آگے بڑھی۔

''دُور ہو جا..... تو بتیاں نہیں ہے..... مرگئی ہے وہ۔'' شیری نے اُسے پوری طاقت سے دھکا دیا..... ''جا..... خدا کے لئے..... ہمیں تباہ کر کے اب آئی ہے..... میں کہتا ہوں چلی جا..... مرگئی ہے بتیاں.....'' وہ پوری طاقت سے گرجا۔

اُس کی رگِ حمیت پھڑک اُٹھی..... وہ واپس تاریک راہوں پر اندھا دُھند بھاگی.....

''ہاہاہا..... اُسے یوں احساس ہوا جیسے وہ بہت چھوٹی ہو گئی ہے۔ لوگ اُسے دیکھ کر تمسخر اُڑا رہے ہیں..... گھر سے بھاگی ہوئی لڑکی کا یہی انجام ہوتا ہے..... تو اب اُسی بالا خانے کی مورت ہے۔ شرافت تیری میراث ہے لیکن تو اب شریف زادی نہیں ہے..... تو طوائف ہے..... تجھے کون پناہ دے گا..... اچھا ہوا..... جہاں سے آئی ہے..... وہیں چلی جا..... وہی تیرا ٹھکانہ ہے..... یہ آبادی..... یہ گھر..... یہ درودیوار تیرے لئے اجنبی ہیں.....

وہ پاگل پاگل تیز رفتاری سے چلی جا رہی تھی..... یہ تو سوچا ہی نہ کہ گاؤں ختم ہو گیا..... آبادی کی جگہ ویرانہ شروع ہو گیا..... اور گاڑی..... تڑپ کر اُس نے کلائی کی گھڑی دیکھی..... شب کے نو بج رہے تھے..... گاڑی کب کی جا چکی تھی..... اُسے چکر سا آ گیا..... الٰہی یہ کیا ہو گیا..... اس ویرانے میں کہاں رُکوں گی.....؟

سڑک کے ویرانے کنارے پر اُس نے دُور تک دیکھا..... مجھے کہاں جانا چاہئے..... کیا میں واپس چلی جاؤں.....؟ نہیں! ہرگز نہیں..... اور رُسوائیاں نہیں دے سکتی۔

تاریکی بڑھتی جا رہی تھی..... سڑک پر آمدورفت بھی کم ہو رہی تھی.....

اچانک ایک تیز رفتار گاڑی ایک چیخ کے ساتھ رُکی۔ ''خاتون! لفٹ چاہئے.....؟''

اُس نے بغور دیکھا..... اچھی صورت کا ادھیڑ عمر کا آدمی سٹیئرنگ پکڑے بیٹھا تھا۔

''جی..... میں راستہ بھول گئی ہوں..... شاید گاڑی والے نے صحیح جگہ ڈراپ نہیں کیا۔''

''کہاں جانا ہے آپ نے.....؟'' اُس شخص نے تاریکی میں بتیاں کی صورت دیکھنے کی کوشش کی..... لیکن ناکام رہا۔

''مجھے لاہور جانا ہے۔'' وہ مختصر سا جواب دے کر بولی۔

''بیٹھئے..... میں لئے چلتا ہوں..... میں بھی لاہور ہی جا رہا ہوں۔'' وہ اصرار پر اُتر آیا۔

''نہیں نہیں! شکریہ..... کوئی بس آئے گی تو میں چلی جاؤں گی۔'' وہ دل کڑا کر کے بولی۔

''اس وقت کوئی بس نہیں آئے گی..... ضد نہ کیجئے..... رات سر پر کھڑی ہے۔'' آدمی نے کہا۔

''جی..... جی ہاں! رات تو ہے۔'' وہ آسمان کی طرف لرزتے دل کے ساتھ دیکھ کر بولی۔

''آیئے..... میں آپ کو آپ کے عزیزوں کے ہاں پہنچا دوں گا..... شریف آدمی ہوں.....'' اُس شخص نے اگلا دروازہ کھول دیا..... وہ مجبور لاچار..... پچھلا دروازہ کھول کر بیٹھ گئی۔

''All Right'' وہ ہونٹوں میں مسکرایا اور گاڑی سٹارٹ کر دی۔

تمام راستہ دونوں ہی خاموش رہے..... کسی نے کوئی بات نہ کی.....

''میں بیدار عالم ہوں..... میری مستقل رہائش لاہور میں ہے..... یہاں چاند نگر میں میرے بابا رہتے ہیں..... بہت بڑے جاگیردار ہیں..... چوہدری افضل.....'' بیدار عالم نے موڑ کاٹا۔ وہ سن سی ہو کر رہ گئی..... کاٹو تو بدن میں لہو نہیں..... یہ بیدار عالم تو اُس کے گاؤں چاند نگر کا ہی رئیس ہے.....

وہ خاموش دھڑکتے دل کے ساتھ سنتی رہی.....

''میں نے اپنا تعارف کروا دیا..... آپ اپنے بارے میں کچھ نہ کچھ تو بتایئے.....!''

شہر شروع ہو چکا تھا..... بتیاں نے سوائے آنکھوں کے چہرے کو اچھی طرح ڈھانپ رکھا تھا..... وہ مسلسل سامنے لگے آئینے سے اُسے دیکھ رہا تھا۔

''بتایئے نا.....!'' وہ ضدی باز نہ آیا۔

''کہہ جو دیا کہ میں بچھڑ گئی ہوں۔'' وہ غصیلے انداز میں بولی۔

''قافلے سے......؟'' وہ ہنس دیا۔

''بس...... یوں ہی سمجھئے......'' بتیاں نے اپنا منہ پھیر کر باہر کی جانب کرلیا۔

''بہتر......''

گاڑی دو تین موڑ کاٹ کر ایک خوبصورت بنگلے کے سامنے رُکی۔

''آیئے......'' بیدار عالم نے دروازہ کھول دیا۔ وہ سہمی سہمی سی باہر نکلی۔

''اندر آجاؤ......''

ڈرائیور گاڑی گیراج میں لے گیا۔

''عطیہ...... عطیہ بیگم......'' اندر داخل ہوتے ہی بیدار عالم نے اپنی بیوی عطیہ کو پکارا۔

''آ گئے آپ...... اور......'' وہ بالکونی کا زینہ اُترتے ایک دم ٹھٹکی......

''پہلے ایسے کرو...... گرم گرم چائے بناؤ...... تمہیں موسم کا تو اندازہ ہے۔''

''یہ کون ہے......؟'' عطیہ نے پوچھنے پر اصرار کیا۔

''ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھے سب کچھ بتادوں گا...... تم نوکر کو کہو۔''

''ٹھیک ہے......'' عطیہ واپس چلی گئی۔

''آیئے......'' دونوں ڈرائنگ رُوم میں آ گئے۔

''ریلیکس ہوجایئے...... اس گھر کو اپنا ہی گھر سمجھئے......''

بتیاں کو کچھ سکون ہوا کہ اُس کی بیوی ہے...... اس گھر میں وہ تنہا نہیں ہے۔

''جی ہاں...... آپ بتایئے نا...... تعارف کروایئے نا اپنا۔'' عطیہ اب براہِ راست بتیاں سے محوِ گفتگو تھی۔

''جی...... میں...... میرے بارے میں پوچھ رہی ہیں آپ......؟'' وہ ہکلا سی گئی...... اور چہرے پر لپٹی چادر کو اور مضبوط کرلیا......

''آپ نقاب اُتار دیں اور دوپٹہ لے لیں......'' عطیہ نے چادر کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

''نہیں نہیں! دوپٹہ تو ہے میرے پاس۔'' بتیاں نے اپنے بیگ کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

بیدار عالم نے بڑے تجسس بھرے انداز سے بتیاں کی طرف دیکھا...... بتیاں نے سیاہ چادر اُتار کر واپس بیگ میں رکھی اور لباس کے ہم رنگ دوپٹہ لے لیا......

''حسن...... بیدار عالم ٹھٹک سا گیا...... ڈرائنگ روم میں جیسے جادو پھیل گیا ہو...... ایسا حسن کہیں دیکھا ہی نہیں...... ان آنکھوں میں جو ڈوب گیا...... واپس نہیں آسکتا...... وہ

سر سے پاؤں تک سراپا حسن تھی...... اُس کا مرمریں تراشا ہوا بدن جیسے کسی ماہر سنگ تراش کا بہترین خیال ہو...... سیاہ پرینٹ سوٹ میں یوں احساس ہو رہا تھا کہ ابھی ایک پھول بن کر ہوا میں بکھر جائے گی...... اُس کے بند یاقوتی لب انہونی داستان سنانے کے لئے کھلتے نظر آرہے تھے...... بیدار عالم تو دیوانہ ہو ہی گیا تھا...... عطیہ اس حسن کی تصویر کو دیکھ کر پاگل ہوگئی تھی......

''آپ بیٹھئے نا......'' بتیاں نے عطیہ اور بیدار عالم کو یوں حواس باختہ بھونچکے دیکھ کر کہا۔

''Thank You'' بیدار عالم ایک دم چونک کر سامنے بیٹھ گیا۔

''عطیہ! مہمان کے لئے......'' وہ جھنجلا سا گیا۔

''آرہی ہے چائے...... ذرا ٹھہر جایئے......!'' عطیہ نے سخت لہجے میں کہا۔

''بھئی خود لے آؤ......!'' بیدار عالم کو عطیہ کی موجودگی بھی اچھی نہ لگ رہی تھی۔

''کیا...... ملازم کس لئے ہے......؟'' عطیہ کی تیوری چڑھ گئی۔

بیدار عالم کو اپنی حماقت کا احساس ہوا...... عطیہ نے چونک کر سامنے دروازے کی طرف دیکھا۔

''لیجئے بیگم صاحب...... چائے حاضر ہے......!'' ملازم نے ٹرالی گھسیٹ کر سامنے رکھی۔

''تم جاؤ...... میں خود بنالوں گی۔''

''ٹھیک ہے بیگم صاحب......!'' ملازم واپس لوٹ گیا۔

بیٹھے بیٹھے کئی مرتبہ عطیہ نے اپنے حسن پرست شوہر کی طرف کن انکھیوں سے دیکھا۔ اور ہر بار اُس کو بتیاں کے حسن و جمال سے لطف اندوز ہوتے ہی دیکھا......

''عالم صاحب! چائے......'' وہ کپ کو میز پر رکھتے اُونچی آواز میں بولی۔

''اچھا......'' بیدار عالم بری طرح بوکھلا سا گیا...... وہ سوچنے لگا، کیا یہ اسی جہاں میں پیدا ہوئی ہے......؟

''آپ بھی لیں......!'' عطیہ نے چائے کا کپ بتیاں کی طرف بڑھادیا۔

''شکریہ......'' بتیاں نے شکریہ کے ساتھ کپ تھام لیا۔

عطیہ کو بتیاں کے مخروطی سفید چاندی کی طرح چمکتے ہاتھ کو دیکھ کر سکتا سا آگیا...... کیا یہ آسمان سے اُتری ہے......؟ حور کہ پری...... کیا اس نے ان ہاتھوں سے کوئی کام کیا ہوگا......؟ عطیہ نے سرسری سی طائرانہ نظر اپنے ہاتھوں پر ڈالی...... جو بتیاں کے ہاتھوں سے

ایک فیصد بھی نہ ملتے تھے۔

بیدار عالم مسلسل گرم چائے اپنے اندر انڈیل رہا تھا...... تاکہ پیالی کی اوٹ میں چشمہ حسن سے باقاعدہ سیراب ہو سکے۔

''آپ کا نام کیا ہے......؟'' عطیہ کو ایک دم یاد آیا۔

''میرا نام......عطو...... ہے......'' وہ بوکھلا سی گئی...... اُسے عجلت میں کوئی نام بھی ذہن میں نہیں آ رہا تھا...... اصل نام بتانے سے اُسے گریز تھا۔

''عطو......؟ مجھے بھی پہلے پیار سے اماں باوا عطو ہی کہتے تھے۔'' عطیہ نے زبردست حیرت سے آنکھیں پھیلا لیں۔

''خیال ہے عاطفہ ہوگا......'' بیدار عالم نے خیال آرائی کی۔

''خیر ہم تو عطو ہی کہیں گے......ہمیں کسی اور نام سے کیا غرض......؟'' عطیہ نے کہا۔

''جی ہاں......'' بتیاں نے چائے پی کر کپ واپس شیشے کی ٹرے میں رکھ دیا۔

ایک جھٹکے سے عطیہ اُٹھی اور ملحقہ کمرے میں جا کر ملازم سے کہا۔ ''صاحب کو بلاؤ!''

''اچھا بیگم صاحبہ......''

وہ ڈرائنگ میں جاتے ہی چونکا...... بیدار عالم ندیدوں کی طرح مہمان کو تکے جا رہے تھا۔ ''صاحب! بیگم صاحبہ بلا رہی ہیں۔'' ملازم نے کہا۔

''آ رہا ہوں......اب کیا کام پڑ گیا۔'' بیدار عالم کو کوفت ہوئی اور وہ بادلِ نخواستہ اُٹھا۔

''کیا بات ہے......؟'' بیدار عالم نے پوچھا۔

''تم نے اپنی عادت نہیں بدلی......نوجوان لڑکی کیا ملی کہ حواس ہی کھو بیٹھے ہو۔'' عطیہ اُنگلی نچاتے طنزاً بولی۔

''کیا مطلب ہے تمہارا......؟'' وہ جھنجھلا کر بولا۔

''مطلب یہ ہے کہ میری عدم موجودگی میں تم نوجوان لڑکیاں لاتے رہے ہو......آخر تمہیں لڑکیاں ہی مہمان کیوں ملتی ہیں...... آدمی کیوں نہیں ملتے......؟'' وہ جیسے زچ سی ہو گئی ہو۔

''آہستہ بولو...... وہ سن لے گی۔'' عطیہ کے اُونچا بولنے سے وہ گھبرا گیا...... ''تمہیں کس نے کہا......اور یہ تو مجھے بھاگی ہوئی لگتی ہے۔'' بیدار عالم کو حیرت ہوئی۔

''مجھے سب معلوم ہے...... تم اپنی حرکتوں سے باز نہیں آؤ گے...... اسے چلے

کرو......'' عطیہ کو غصہ آ گیا۔

''اوہو...... بیوقوف عورت...... یہ تو راستہ بھول گئی ہے...... بڑی سڑک پر ملی......اس نے لفٹ مانگی......میں لے آیا۔'' وہ جلدی سے کہانی گھڑ کر سنانے لگا۔

''سب بکواس...... اس وقت راستہ بھول گئی...... اگر ایسی بات تھی تو گھر سے باہر کیوں نکلی......یہ تو واقعی فرار کیس ہے۔'' عطیہ کی آواز بلند ہو گئی۔

''دیکھو......صبح ہو لینے دو......میں اُسے چھوڑ آؤں گا۔'' بیدار عالم نے کہا۔

''تم چھوڑ آؤ گے......تم اُسے کہیں اور لے جاؤ گے۔ میں ڈرائیور کو کہہ کر خود اسے بھجواتی ہوں۔'' عطیہ دوپٹے کو اُچھال کر سنبھال کر باہر نکلی......اُس کے ساتھ ہی بیدار عالم۔

لیکن......کہاں گئی......؟

''اشرف......!'' بیدار عالم نے زور سے آواز دی۔

''جی سرکار......!''

''کہاں گئی وہ لڑکی جو تمہارے صاحب مہمان بنا کر لائے تھے......؟'' عطیہ نے آنکھیں پھاڑ کر بیدار عالم کی طرف دیکھا۔

''معلوم نہیں سرکار...... میں دوسری مرتبہ برتن اُٹھانے آیا تو کوئی بھی نہیں تھا۔''

بیدار عالم اور عطیہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے ایک دوسرے کو تکتے رہے......''اُسے شاید ہماری باتوں کا علم ہو گیا ہے۔'' عطیہ نے کہا۔

''ہاں...... اور وہ تمہاری باتوں سے میرے بارے میں نہ جانے کیا سوچتی ہو گی......'' بیدار عالم کو غصہ آ گیا۔

''سوچتی کیا ہو گی...... تمہاری حقیقت واضح ہو گئی ہے اُس پر۔'' عطیہ نڈر ہو چکی تھی...... اُسے اپنے شوہر کی عیاش طبیعت سے یہی شکایت تھی...... عشق کو وہ کھیل بنا چکا تھا۔

''اپنی زبان بند ہی رکھو......'' وہ پیر پٹخ کر بولا۔

''زیادہ رُعب جھاڑنے کی ضرورت نہیں ہے...... میں نے ابھی تک تمہاری کوئی بات بابا جان کو نہیں بتائی......'' عطیہ نے جیسے احسان جتایا۔

''بتانے کی کوشش بھی نہ کرنا۔'' بیدار عالم نے دانت پیس کر کہا۔

''کیا......؟'' وہ حیرت سے منہ کھول کر گویا ہوئی۔

''ہاں......یہی بہتر ہے تمہارے لئے۔'' وہ بڑے سفاک انداز میں بولا۔

''دھمکی دے رہے ہو......؟'' وہ بھی اکڑ گئی۔

''دھمکی نہیں...... تمہیں خبردار کر رہا ہوں......'' بیدار عالم کے اندر انتقام بھڑک اٹھا۔

''ہنہ......تم میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔'' وہ شانے اُچکا کر بڑے بے باک انداز میں بولی۔

''اس وہم کو دل سے نکال دو عطیہ بانو! میں کوئی بھی قدم اُٹھا سکتا ہوں۔'' وہ چلا کر بولا۔

''مت بھولو! کہ تمہاری بہن میرے بھائی کی بیوی ہے...... کوئی قدم اُٹھانے سے پہلے تمہیں یہ سوچ لینا چاہیے۔'' عطیہ نے گردن کو زور سے جھٹکا دیا اور باہر کی طرف چل دی۔

بیدار عالم نے کھڑے ہو کر ماضی، حال، مستقبل پر غور کیا...... لیکن ہر حال میں مستقبل ہی حاوی رہا...... بتیاں کا دو لمحے کا حسن اُس کے دل سے نہ جا سکا...... کہاں گئی ہو گی...... اِدھر اُدھر گھوم کر اُس نے رات کی تاریکی میں چار سو دیکھا۔ اور برآمدے سے گزر کر اُس نے ڈرائیور کو آواز دی۔

''جی صاحب......؟'' مہر بخش گاڑی گیراج میں چھوڑ کر ابھی پلٹا ہی تھا۔

''تم نے اُس لڑکی کو جاتے ہوئے دیکھا......؟'' بیدار عالم نے پوچھا۔

''یہ تو معلوم نہیں سرکار...... البتہ ایک خاتون سیاہ چادر میں لپٹی ہوئی یہاں سے باہر نکل گئی......اور بڑی تیزی میں تھی......''

''او...... مائی گاڈ......''

☆☆☆

''وہ لڑکی آئی تھی...... کہاں گئی......؟'' بیدار عالم نے متجی نگاہیں چاروں طرف گھمائیں...... جھنجھلا کر اِدھر اُدھر دیکھا۔

عطیہ بھی بھاگتی ہوئی آ گئی۔

''معلوم نہیں سرکار......'' اشرف نے اِدھر اُدھر تاڑا......

''وہ بھاگ گئی ہے۔ اب کیا دیکھ رہے ہو......نہیں ملے گی۔'' عطیہ نے چیخ کر کہا۔

''چوکیدار...... چوکیدار......!''

''آیا جناب......!'' چوکیدار بندوق سنبھالتا قریب آ گیا۔

''تم نے کوئی عورت گیٹ سے نکلتے دیکھی......؟'' بیدار عالم اُس کے جلووں سے دیوانہ سا ہو چکا تھا۔

''نہیں سرکار...... بڑا گیٹ تو بند ہے...... چھوٹا ہی کھلا ہے......'' چوکیدار چھوٹے ادھ کھلے دروازے کو دیکھ کر بولا۔

''بس! پھر نکل گئی...... دروازہ کھول کر چلی گئی...... اُس نے تمہاری گفتگو سن لی ہے......'' عطیہ نے کہا۔

''تم نے اُسے روکا کیوں نہیں......؟'' بیدار عالم چلا کر چوکیدار سے بولا۔

''کیسے روک لیتا سرکار...... ہو سکتا ہے کوئی کتا بلا ہی ہو......'' چوکیدار نے اپنے آپ کو چھڑانا چاہا۔

''او مائی گاڈ...... اب وہ کہاں جائے گی بیچاری......'' بیدار عالم کو افسوس ہو رہا تھا۔

''ہائے بیچاری...... اچھا ہوا خود چلی گئی...... نہیں مجھے خود نہیں نکالنا پڑی...... ہنہ......'' عطیہ نے نفرت و حقارت سے شانے جھٹکے اور واپس اپنے کمرے میں آ گئی۔

کف دست ملتا ہوا وہ واپس اپنے کمرے میں لوٹ آیا...... ایسی حسین عورت کے کھو جانے کا اُسے بڑا افسوس تھا...... کاش! وہ اُس کے پاس رہ جاتی...... وہ اُسے ضرور اپنی

زندگی کا ساتھی بنا لیا...... بے شک عطیہ کتنی بھی مخالفت کرتی......

''کیا سوچ رہے ہو......؟'' عطیہ نے بیدار عالم کو ٹہلتے دیکھ کر کہا۔

''میری سوچ اُسی کے گرد گھوم رہی ہے۔'' وہ نڈر ہو گیا۔

''اُس لڑکی کے بارے میں...... حسن کے جلوے بڑے مہنگے ہیں......'' عطیہ نے طنز کیا۔

''ہاں...... اُسی کے بارے میں...... وہ اچھی لڑکی تھی۔'' وہ بے باک انداز میں کہتا ہوا کرسی پر بیٹھ گیا۔

''میرے سامنے تم اُس کو اچھا کہہ رہے ہو......؟'' عطیہ نے ترش لہجے میں کہا۔

''ہاں...... کہہ رہا ہوں...... مجھے تم سے خوف نہیں آتا۔'' وہ چلایا۔

''اب کیا کرو گے...... نہ ملی تو جان دے دو گے......؟'' عطیہ نے طنز کیا۔

''میں اُس کی تلاش کروں گا......'' وہ زوردار مکہ کرسی کے بازو پر مار کر کھڑا ہو گیا۔

''تم اُس کی تلاش کرو...... میں تمہارے ساتھ نہیں رہ سکتی۔'' عطیہ نے مصمم ارادہ ظاہر کیا۔

''کیا کہنا چاہتی ہو تم......؟'' بیدار عالم بھونچکا سا رہ گیا۔

''میں اب تمہارے ساتھ نہیں رہ سکتی...... جا رہی ہوں......'' وہ پاؤں قالین پر مارتی باہر نکل گئی۔

''بے وقوف عورت......'' وہ جھنجھلایا ہوا اُٹھا اور کمرے سے نکل کر باہر لان میں کھلی فضا میں چلا گیا۔

......اگر وہ میری اور عطیہ کی گفتگو نہ سنتی تو ہو سکتا تھا کہ نہ جاتی...... اگر چلی بھی جاتی تو کوئی اتہ پتہ تو دے جاتی...... وہ بتیاں کے حسن میں دیوانہ مضطرب بے قرار کبھی اُٹھتا کبھی ٹہلتا...... لیکن چین اِک پل نہیں تھا...... اور یہ ایسی بے چینی تھی جس کا کوئی حل نہ تھا......

اُف مہنگی تھی اِس قدر تیرے جلووں کی روشنی......

اُسے کیا معلوم تھا کہ وہ ہر رات کی سیاہ چادر میں چھپتا چھپاتا سڑک پر آ گیا۔ جب تاریکی نے پوری کائنات کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا...... گیٹ سے نکل کر اُس نے سڑک پر جاتے ایک رکشے کو ہاتھ سے روکا۔

''سٹیشن لے چلو......!'' وہ بیٹھتے ہوئے بولی۔

حراساں...... سہمی سہمی...... جس نے زندگی بھر تنہا سفر نہیں کیا تھا...... اور اب یہ وقت

تھا کہ کب سے اکیلی در در کی ٹھوکریں کھا رہی تھی...... اور کیسی قسمت لے کر آئی تھی...... کیا اُس کے نصیب میں رُسوائیاں ہی لکھی ہیں...... کیسا ماضی تھا...... اور اب......'' رکشہ ایک زوردار جھٹکے سے رُکا......

''بی بی! سٹیشن آ گیا۔'' رکشے والے کی آواز سے وہ چونک سی گئی۔ کرایہ ادا کرنے کے بعد وہ چادر میں لپٹی بیگ سنبھالتی پلیٹ فارم کی طرف بڑھ گئی...... سواریوں میں آپ دھاپی کا عالم تھا...... لیکن اُسے یوں لگ رہا تھا جیسے ہر شخص اُسے گھور رہا ہے...... اُس کے حسن میں ایسی کشش تھی کہ وہ پوری طرح لپٹی ہوئی بھی دوسروں کی نگاہوں کا مرکز تھی۔ گو پورا سراپا سیاہ چادر میں لپٹا ہوا تھا...... لیکن دو آنکھیں ہر آنے جانے والے کا کلیجہ چھلنی کر رہی تھیں...... سیاہ دراز پلکوں کی گھنی جھالر اُٹھتی جھکتی دعوت نظارہ دیتی لگ رہی تھی۔

''آ جاؤ جانی...... یہاں سوٹ کیس رکھ دو...... ٹوکری بھی......'' سفید چادر اوڑھے ایک ادھیڑ عمر عورت اُس کے پاس ہی بیٹھ گئی...... بتیاں ایک طرف سرک گئی۔

''اے ہے...... بیٹھی رہو بیٹی...... سارا بینچ خالی پڑا ہے......'' عورت جانی کو پاس بٹھاتے بولی...... اور گھما کر بتیاں کو تولنے والی نظروں سے دیکھا۔

عورت نے پچر پچر پان چبا کر تھیلی واپس جیب میں رکھی...... ''کہاں جا رہی ہو...... اکیلی ہو...... کوئی ساتھ نہیں ہے......؟'' عورت نے سفید چشمے کی اوٹ میں بتیاں کی طرف بغور دیکھا۔

''کراچی......'' بتیاں صرف اتنا سا جواب دے کر خاموش ہو گئی۔

''بیٹی! اکیلی ہو......؟'' عورت نے تاڑنے والی نظروں سے بتیاں کے سراپا کو دیکھا۔

ہاں......'' گھاگ عورت نے پہلی نظر میں ہی جان لیا کہ اِس تاریکی میں کوئی اپنی بہو بیٹی کو اکیلے نہ جانے دے...... ضرور کوئی چکر ہے۔

جانی نے کہا۔ ''لاؤ خالہ! پیسے دو...... ٹکٹ لے آؤں......''

''ہاں...... جاؤ......'' عورت نے جانی کو پیسے تھمائے۔

''اے لڑکے! ٹھہر جا...... رُک جا...... بیٹی! ٹکٹ لے لیا یا منگوانا ہے......؟ اگر منگوانا ہے تو جانی کو پیسے دے دے...... لے آوے گا......'' عورت کے اصرار پر بتیاں نے بیگ سے پیسے نکالے اور جانی کو دیئے۔

''کراچی کا لانا ہے نا چمن خالہ......؟'' جانی بولا۔

''ہاں تو اور کیا...... کراچی ہی جاوے گی۔'' چمن خالہ نے زبردست ہمدردی جتائی۔

''جلدی آنا......!'' چمن خالہ بولی۔

''یوں گیا اور یوں آیا'' جانی ٹکٹ گھر کی طرف بھاگ گیا۔

''میرا بھانجا ہے...... اللہ رکھے بڑا نیک بچہ ہے۔'' عورت نے بڑے دُکھ سے جانی کو جاتے ہوئے دیکھ کر کہا۔

لیکن بتیاں خاموش رہی...... وہ تو خود سلگ رہی تھی...... اُس کے اندر دُکھوں کا ایک الاؤ تھا...... جو اُس کے اندر کی عمارت کو جلا کر بھسم کر رہا تھا...... وہ جل رہی تھی...... تپ رہی تھی...... وہ جانی اور چمن خالہ کے دُکھ کو کیا جانے......؟

چند لمحے گزرے اور جانی لوٹ آیا...... ''لو خالہ......!'' جانی نے بقایا پیسوں کے ساتھ ٹکٹ آگے بڑھائے۔

''لو بیٹی...... اپنا ٹکٹ لے لو...... اور بقایا پیسے بھی......''

بتیاں نے باقی پیسے پرس میں ڈال لئے۔

دیکھنے میں عورت بری نہیں لگ رہی ہے...... تنہائی سے بہتر ہے کراچی تک ساتھ رہے...... وہ سکون سا محسوس کرنے لگی۔

اس بھری جوانی میں اکیلی لڑکی...... چمن خالہ نے پلٹ کر بتیاں کی طرف دیکھا۔

''بیٹی! زمانہ بڑا خراب ہے...... میرے ساتھ ہی رہنا...... جہاں جاؤ گی، تمہیں جانی چھوڑ آوے گا۔'' عورت نے پُر اعتماد انداز میں کہا۔

''اُٹھو خالہ...... گاڑی آ گئی ہے...... آپ بھی آ جائیں......!'' جانی نے عورت کا سوٹ کیس پکڑ کر بتیاں کو جیسے خبردار کیا۔

''ہیں...... گاڑی آ گئی......؟'' وہ بری طرح چونکی...... خیالات کے جھمیلوں میں ایسا اُلجھی کہ اُسے یہ احساس ہی نہ رہا کہ اُس نے کہیں اور بھی جانا ہے۔

''آ گئی ہے...... جلدی کرو...... جگہ نہیں ملے گی۔'' عورت نے بڑی محبت کے ساتھ بتیاں کا بازو پکڑا اور پلیٹ فارم کی طرف چل دی۔

پلیٹ فارم پر ایک بھگدڑ سی مچی ہوئی تھی...... کوئی اِدھر سے اُدھر بھاگ رہا تھا...... کوئی چڑھ رہا تھا تو کوئی اُتر رہا تھا...... ہر طرف انسانوں کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر تھا...... دھکم پیل میں تینوں ایک ڈبے میں سوار ہو گئے...... ایک سیٹ پر تینوں بیٹھ گئے......

وہ سوچوں کی اتھاہ گہرائیوں میں ڈوب چکی تھی...... ذہن پراگندہ ہو رہا تھا...... یہ کیا زندگی ہے...... نہ گھر ہے نہ ٹھکانہ...... اس سے اچھے تو پنچھی ہیں جو سارا دن پھرنے پھرانے کے بعد اپنے اپنے آشیانوں میں لوٹ آتے ہیں...... اُن کی زندگی کا کوئی مقصد تو ہوگا...... اور میری...... میری زندگی کا کیا مقصد ہے...... گانا اور دوسروں کے لئے رقص...... ہر کسی کو دیکھنے اور چھونے کی آزادی ہے...... وہ ایسی سلیٹ کی مانند ہے جس پر ہر باشعور اور بے شعور اپنی مرضی کے الفاظ لکھ اور مٹا سکتا ہے...... بتیاں! تیرا نام تیرے باپ نے بتیاں رکھ دیا...... سارے گھر کی روشنی...... اور اب تاریکیوں میں ڈوبی ہوئی شکستہ جلی ہوئی موم کی طرح اپنے آپ کو ختم کرنے والی...... اُس کا سر چکرانے لگا...... ٹھنڈے پسینے کی تیز رو اُس کے رگ و پے میں رینگ گئی...... گاڑی کو سٹیشن پر رُکی ہوئی تھی......

''بہن جی! یہ بوتل پکڑا دیجئے......'' وہ چونک سی گئی...... شریف سا آدمی کھڑکی سے مشروب کی بوتل سامنے اپنی بیوی اور بچے کو دینے کے لئے اُسے پکڑا رہا تھا۔ بتیاں نے خاموشی سے بوتل پکڑ کر سامنے بیٹھی عورت کو دے دی۔

کتنا سکون اور طمانیت ٹپک رہی ہے اس عورت کے چہرے پر......'' بتیاں نے رشک سے دیکھا...... کاش! اس کا بھی کوئی گھر ہوتا...... کوئی اس سے بھی پیار کرتا......

''فاطمہ! تو بھی لیٹ جا۔ بلّی کو مجھے پکڑا دے۔'' وہ شخص کھڑکی سے ہاتھ بڑھا کر بولا۔

عورت نے مسکرا کر بچہ اُس کے باپ کو تھما دیا۔

اتنی چاہت اتنی محبت...... کون دے گا زمانے میں...... ایک بالا تھا...... وہ بھی دنیا کی بھیڑ میں کھو گیا...... میں کس طرح اقرار کرتی کہ میں ہی بدنام زمانہ تیری بتیاں ہوں...... جس کو تو باہر جھانکنے نہیں دیتا تھا...... اور آج ہزاروں لوگ اُس کو دیکھنے آ جاتے ہیں...... میں تیرا سامنا کبھی بھی نہیں کر سکتی بالے...... میں تیرے لئے مر چکی ہوں...... وہ بڑے کرب سے دوسری طرف پلٹ کر پلیٹ فارم پر انسانوں کی افراتفری دیکھنے لگی...... اس شور ہنگامے سے کہیں زیادہ شور تیرے اندر ہے بتیاں...... وہ جیسے سسک اُٹھی۔

''اے! نام تو بتا...... کیا نام ہے تیرا...... تمہیں کس نام سے پکاروں......؟'' چمن خالہ نے اُسے ٹہوکا مارا۔

''مجھے عطو کہتے ہیں۔'' وہ جلدی سے بولی۔ یہی نام ہر بار گردش کرتا سامنے آ جاتا۔

''کھانا منگواؤں...... تمہیں بھوک تو نہیں لگی......؟'' چمن خالہ نے باہر دیکھا......

لوگ دھڑا دھڑ نان کباب لے رہے تھے۔

''نہیں......'' وہ صرف اتنا ہی بولی۔

بھوک تو اُس سے کوسوں دُور تھی...... وہ خونِ جگر ہی اس قدر پی چکی تھی۔

''یہ لڑکی تمہاری بیٹی ہے؟'' دوسری طرف بیٹھی ایک عورت نے بتیاں کے حسن سے متاثر ہو کر کہا...... چادر میں لپٹی ہوئی جوانی نے صرف دو آنکھوں سے طوفان پیدا کر رکھا تھا۔

''نہیں...... بھانجی ہے۔'' چمن خالہ نے ایک دم کہا۔

''کہاں جا رہے ہو......؟'' وہ بتیاں کو بغور دیکھ کر بولی۔

''کراچی۔'' چمن خالہ نے ناگواری سے جواب دیا۔

''دیکھو بہن! ایک بات بتاؤ...... برا تو نہ مناؤ گی؟'' وہ عورت تو جیسے چپٹ ہی گئی۔

''کیا بات ہے...... پوچھو بہن! ایسی کون سی بات ہے؟'' چمن خالہ کو بمشکل جواب دینا پڑا۔

''اس کا کہیں نام رکھا......؟'' اُس عورت نے بڑی اُمید سے پوچھا۔

''رکھ لیں گے نام بھی...... ابھی عمر ہی کیا ہے......؟'' چمن خالہ نے بتیاں کو دیکھا جو کھڑکی سے باہر دیکھے جا رہی تھی۔

''ہنہ......'' چمن خالہ کے کرخت جواب سے وہ عورت شانے جھٹک کر بیٹھ گئی۔

رات کافی بیت چکی تھی...... تمام مسافر اپنی اپنی نشستوں پر آدھے سوئے آدھے لگتے تھے...... گاڑی پوری رفتار سے چل رہی تھی...... عورتیں زیادہ تر سو رہی تھیں...... اور شوہر بچوں کو بہلا رہے تھے۔

ایسے ہزاروں خیال اُس کے ذہن میں آتے اور چلے جاتے...... غرض کہ مختلف قسم کی آماجگاہ تھا اُس کا دماغ...... میرا تو کوئی بھی نہیں...... میں یوں ہی خاردار راستوں پر چلتی رہوں گی...... دل کے پٹ بند کیے...... گھر کا دروازہ کھولے ہر آنے والے کی راہ دیکھوں گی...... رقص کے ساتھ سب کا دل بہلاؤں گی...... اِن سب سوچوں کے ساتھ اُسے نفرت سی ہونے لگی...... پھر ایک پورا دن بیت گیا......

گاڑی کھٹاک سے کراچی کے اُداس سٹیشن پر رُکی۔

''خالہ! کراچی آ گیا۔'' اونگھتی ہوئی چمن خالہ کو جانی نے جھنجھوڑا۔

''ہیں...... آ گیا کراچی...... اُترو...... سامان اُتارو......'' چمن خالہ نے بتیاں کو دیکھا

جو پہلے ہی کھڑی تھی۔

''سامان اُتر جائے گا۔ تم لوگ تو اُترو!'' جانی نے کہا اور تینوں پلیٹ فارم پر اُتر آئے۔

''یہ کراچی ہے خالہ......؟'' بتیاں نے پلیٹ فارم پر اُتر کر کہا۔

''ہاں...... پہلے کبھی نہیں آئی......؟'' عورت نے حیران کن نگاہیں بتیاں پر ڈالی...... جو چادر سے لپٹی ہوئی تھی۔

''نہیں تو رہتی ہوں...... کبھی ادھر آئی جو نہیں۔'' وہ کھسیانی سی بولی۔

''رہتی کہاں ہے تو......؟'' عورت کو بڑی خواہش تھی کہ یہ لڑکی بتا دے کہ وہ کہاں رہتی ہے۔''

''خانم محل......!''

''خانم محل......؟'' چمن خالہ کو اب پورا یقین ہو چلا تھا کہ وہ گھر سے بھاگی ہوئی ہے...... لیکن خرانٹ عورت نے اپنی محبت اور شفقت میں کمی نہ آنے دی۔

''تم جانتی ہو خانم محل کو......؟'' بتیاں نے پوچھا۔

''لو! بھلا کون نہیں جانتا خانم محل کو...... بڑا نام ہے خانم سرکار کا......'' چمن خالہ نے سر ہلایا۔

''خالہ! آؤ...... ٹیکسی خالی ہے۔'' جانی نے باہر نکل کر آواز دی۔

''تم میرے ساتھ چلو...... کل میں تمہیں خود خانم سرکار کے ہاں چھوڑ آؤں گی۔'' وہ بڑی شفقت سے بولی۔

''نہیں خالہ...... اب میں چلی جاؤں گی۔'' بتیاں کو اب کوئی مشکل نظر نہ آئی...... اب خانم محل جانا بہت آسان تھا۔

''ارے نہیں میری بچی...... میں تمہیں اکیلے نہیں جانے دوں گی...... خانم سرکار کے غصے سے تم واقف تو ہو گی...... برا منائیں گی وہ......''...... اتنی مہنگی ہے لڑکی تو! تمہیں کیسے چھوڑ دوں......؟ چمن خالہ ہاتھ سے شکار جانے دیتی بھلا؟

''اچھا...... تم کہتی ہو تو ٹھیک ہے۔ لیکن شام کو چھوڑ آنا۔'' وہ ٹیکسی میں بیٹھتے ہوئے بولی۔

''ٹھیک ہے......'' جانی اور چمن خالہ بیٹھتے ہوئے بولے۔

بتیاں! تیری کوئی عزت کوئی وقار نہیں...... تو صرف ایک ڈیکوریشن پیس ہے...... ٹوٹ گیا تو باہر کوڑے کے ڈھیر پر پھینک دیا۔

ٹیکسی ایک تنگ و تاریک گلی کی نکڑ پر رُکی۔ ’’عطو بیٹی! آجاؤ...... گھر آچکا ہے......‘‘

...... یہ گھر ہے یا قبر کا راستہ......؟ وہ اُترتے ہوئے گلی کو دیکھ کر سوچنے لگی۔

جانی نے کرایہ ادا کیا...... تینوں سست روی سے چلتے ایک زینے کے پاس آئے۔ جس کی چوڑائی بمشکل دو ڈھائی فٹ کے برابر ہوگی۔ ایک آدمی بڑی مشکل سے چڑھ سکتا تھا...... زینہ چڑھتے چڑھتے اُس کا سانس پھول گیا...... لیکن چمن خالہ کا فلیٹ نہ آیا......

’’بس! آگیا فلیٹ...... جانی! دروازہ کھولو......‘‘ جھینپتے ہوئے خالہ چمن نے چابی جانی کے حوالے کی۔

دروازہ کھلتے ہی چمن خالہ صحن میں بچھی لوہے کی چارپائی پر دھم سے بیٹھ گئی۔ ’’میں تو بہت تھک چکی ہوں...... اے جانی! اندر سے چھوٹی کھٹولی نکال کے لے آ...... عطو بیٹی بیٹھ جاوے گی۔‘‘ چمن خالہ نے کروٹ لے کر ایک لمبی جمائی لی۔

جانی نے سامنے کمرے کا دروازہ کھولا اور چھوٹی چارپائی صحن میں بچھا دی۔ ’’آجاؤ...... یہاں بیٹھ جاؤ!‘‘ جانی نے اخلاقاً کہا۔

وہ پریشان مضطرب بیٹھ گئی۔ ’’جانی...... جلدی جا! تین چائے لے آ......‘‘ چمن خالہ نے اپنے دوپٹے سے سر کو باندھ لیا۔

’’خالہ...... کھانے کے لئے بھی منگوا لو...... بھوک لگ رہی ہے۔‘‘ جانی نے ملتجی نظروں سے بتیاں کی طرف دیکھا۔

’’جانی...... یہ لو پیسے...... سالن اور روٹی لے آنا...... بھوک تو واقعی بہت لگ رہی ہے‘‘ مجبوراً بتیاں کو کہنا پڑا...... جس نے کل سے کچھ بھی نہیں کھایا تھا۔

جانی نے پچاس کا نوٹ بتیاں کے ہاتھ سے جھپٹا اور چھڑاپ چھڑاپ سلیپر گھسیٹتا زینہ اُتر گیا۔

’’تم نے ابھی تک یہ نہیں بتایا کہ تم کہاں اور کس جگہ رہتی ہو؟ کوئی مستقل ٹھکانہ تو ہوگا۔ اور اِس بھری جوانی میں تمہارا خانم سرکار کے کیا کام......؟‘‘ خرانٹ عورت جانتی تھی۔

’’میں نے کہا نا میرا کوئی گھر نہیں ہے...... خانم سرکار کے ہاں ہی رہتی ہوں۔‘‘ بتیاں نے منہ ناگواری سے دوسری طرف کر لیا...... دوسرے لمحے بتیاں کا سانس رُک گیا...... جانی کے ساتھ ایک موٹا مکروہ صورت، سر سے گنجا شخص اُوپر آگیا......

’’تم اندر چلی جاؤ لڑکی......!‘‘ چمن خالہ نے بتیاں کو جانے کا اشارہ کیا۔

بتیاں چہرہ پوری طرح لپیٹے کمرے کی طرف بڑھ گئی...... اور وہ گہری نظروں سے بتیاں کے سراپا کو پرکھنے والی نظروں سے گھورتا رہا۔

’’اِدھر دیکھ لچھو...... کیسی ہے......؟‘‘ چمن خالہ نے دوپٹہ کھول کر گلے میں ڈالا اور لچھو کو دونوں ابرو اُوپر کر کے بتیاں کی اہمیت جتائی۔

’’چال ڈھال سے تو ٹھیک ہی لاگے...... اب صورت دیکھوں تو پتہ چلے......‘‘ وہ تجسس کا مارا ہوا لگ رہا تھا۔

’’ارے صورت دیکھیے تو پھڑک ہی پڑے...... ایسی لڑکیاں کہاں ملتی ہیں......‘‘ چمن نے جانی کو دیکھا، وہ خاموش پیالیوں میں چائے اُنڈیل رہا تھا۔

’’عطو کو بھی ایک پیالی دے آنا......‘‘ چمن نے کہا۔

’’اچھا......!‘‘ جانی نے کہتے ہوئے ایک پیالی لچھو کو اور دوسری چمن خالہ کو تھمائی۔

’’اچھا خالہ! بات جلدی سے پکی کر لے...... میں نے دو کام کروانے ہیں۔‘‘ لچھو نے مونچھوں کو تاؤ دیا۔

’’دو کام...... میری بلا سے...... چاہے تین کام لے...... لڑکی ہیرا ہے ہیرا...... تیرے قہوہ خانے کے لئے نرا سونا ہے سونا......‘‘ چمن خالہ نے اپنی لالچی ارزق آنکھوں کو سامنے کی طرف دیکھ کر گھمایا......

’’لیکن خالہ...... تو اسے لے کہاں سے آئی......؟‘‘ لچھو حیران رہ گیا۔

’’ارے لچھو میاں...... اپن کا دھندہ ہی ایسا ہے...... تاڑنے والی نگاہ ہے میری...... جب میرے پاس بیٹھی تھی نا...... میں نے ایک نظر سے ہی پہچان لیا تھا کہ بھاگی ہوئی ہے۔‘‘ چمن خالہ نے پان کی گلوری منہ میں رکھی...... ’’لے کھا لے پان......‘‘ دوسری گلوری اُس نے لچھو کی ہتھیلی پر رکھ دی۔

’’اچھا! بول...... کیا لے گی؟ میرے پاس ٹائم نہیں ہے۔‘‘ لچھو جھنجھلا گیا۔

’’پچیس ہزار لوں گی۔‘‘ چمن خالہ نے ہاتھ نچا کر رُخسار پر رکھا۔

’’پچیس ہزار......؟‘‘ لچھو کا منہ کھل گیا۔ ’’تیرا دماغ تو نہیں چل گیا...... اتنی رقم سے تو کیا کرے گی......؟‘‘ وہ ہنس دیا۔

’’تجھے کیا...... جو مرضی کروں...... آخر کو میں نے اِس کھڈے کو چھوڑ کر ڈھنگ کا کام شروع کرنا ہے کہ نہیں......‘‘ چمن خالہ نے تنگ و تاریک فلیٹ کو دیکھا۔

''کہہ تو رہا ہوں...... میرے قہوہ خانے میں آ جا...... ایک ادھ لڑکی روز بڑے بڑے افسروں کو سپلائی کرے گی تو بڑی رقم اکٹھی کر لے گی۔'' لچھو نے آنکھیں پھیلائیں۔

''بڑے بڑے لوگوں سے جو رقم ملتی ہے...... وہ تو وصول کرتا ہے...... مجھے کیا دے گا......؟ نصف کی بات کر......'' وہ جیسے اٹل ہوگئی تھی۔

''اچھا چھوڑ...... تو پندرہ ہزار لے اور لڑکی میرے حوالے کر...... ریتا کے بھاگ جانے پر کام مندا پڑ گیا تھا...... اس کی وجہ سے چمک جائے گا......'' لچھو نے آس کا دامن نہ چھوڑا۔

''اچھا! نکال پندرہ......'' چمن خالہ نے ہاتھ بڑھایا...... پچیس سے پندرہ پر آ گئی......

''پہلے لڑکی میرے حوالے کر......'' وہ جلدی سے بولا۔

''بے صبرا نہ بن...... مال تیرا ہی ہے...... تمہیں معلوم تو ہے میری زبان ایک ہے...... اور ہمیشہ تمہیں اچھا ہی مال دیا ہے......'' چمن خالہ نے اُوپر آتے جانی کو دیکھا جو سالن روٹی لے آیا تھا۔

''پھر کب......؟'' لچھو نے سگریٹ سلگایا۔ اُس سے اب صبر نہ ہو رہا تھا۔

''رات ہو لے...... جانی ٹیکسی میں تیرے ہاں چھوڑ آوے گا......'' چمن خالہ نے دروازے کی طرف دیکھا......

''میں لے جاتا ہوں...... گاڑی ہے میرے پاس۔'' وہ بڑی اضطرابیت سے بولا۔

''باولا ہوگیا ہے...... رات کو جانی ہی لے جاوے گا...... تمہیں معلوم ہے وہ کہاں رہتی ہے؟'' چمن خالہ نے سرگوشی کی۔

''کہاں......؟'' لچھو نے چہرہ اُوپر کیا۔

''خانم جان کے تھیٹروں میں کام کرتی ہے......'' چمن خالہ نے اپنے الفاظ میں بڑا وزن پیدا کیا۔

''پھر تو شے ہوگی......'' وہ کھڑا ہوگیا۔

''بس! تو فکر نہ کر...... اب تو جا...... دس بجے کے قریب جانی تیرے قہوہ خانے لے آوے گا۔'' چمن خالہ نے اپنا مضبوط ارادہ ظاہر کیا۔

''یہ لے...... دس ہزار...... باقی لڑکی آ جانے کے بعد۔'' لچھو نے دس ہزار کے نوٹ چمن خالہ کے آگے ڈھیر کر دیئے۔

''تو بڑا نر ہے...... بس! دس بجے کے اندر اندر لڑکی تیرے پاس ہوگی۔'' وہ سامنے میز سے سالن روٹی اُٹھاتے بولی۔ اور لچھو دھڑ دھڑ زینہ اُتر گیا۔

''لے...... کھانا کھا لے!'' جانی کے اندر داخل ہوتے ہی وہ ایک دم ہڑبڑا گئی...... اُس نے چمن خالہ اور لچھو کی ساری گفتگو سن لی تھی...... وہ پھنس گئی تھی......

''مجھے بھوک نہیں ہے......'' وہ دروازے سے ہٹ کر بولی۔

''تمہیں بھوک نہیں ہے...... تھوڑا سا کھا لو!'' وہ روٹی اُس کے سامنے رکھ کر بولا۔

''نہیں جانی...... تم مجھے خانم سرکار کے ہاں چھوڑ آؤ!'' بتیاں نے کہا۔

''کیا کرتی ہو لڑکی...... چلی جانا...... کل سے تم نے کچھ بھی نہیں کھایا۔'' چمن خالہ نے اندر داخل ہوتے ہوئے کہا۔

''نہیں خالہ...... میں کھانا وہیں کھا لوں گی......'' اُس کی تو رہی سہی بھوک بھی اُڑ گئی تھی۔ وہ زبردست اصرار کرنے لگی...... اُس نے بچاؤ کے طریقے سوچ لئے تھے۔

''اچھا اچھا...... کھانا تو کھا لے...... چھوڑ آوے گا۔'' وہ باہر جاتے ہوئے بولی۔

''لے کھا لے...... تھوڑا سا...... تو زندہ کیسے ہے...... تو نے سوائے ایک کپ چائے کے دو دن سے روٹی نہیں کھائی۔'' جانی کو نہ جانے اُس پر رحم کیوں آ رہا تھا۔

''میں زندہ تو ہوں...... چاہے کانٹوں پر جیوں یا شعلوں پر...... بس! میں نے زندہ رہنا ہے۔'' وہ انتہائی مایوسانہ انداز میں چارپائی پر بیٹھ گئی۔

شب کے ساڑھے نو بج چکے تھے...... بتیاں نے اپنے آپ کو پوری طرح منظم کر لیا تھا کہ اب اُس نے کیا کرنا تھا۔

''چمن خالہ...... اب مجھے جانے دو نا......'' بتیاں نے اپنی سیاہ چادر کو اچھی طرح لپیٹ لیا۔

''ٹھیک ہے...... اے جانی...... جا! عطو کو چھوڑ آ......''

''لاؤ ٹیکسی کا کرایہ......'' جانی نے کہا۔

''تیرے پاس پیسے ہیں...... خرچ کر لینا......'' چمن خالہ نے کہا۔

''کہاں سے کر لوں...... لاہور سے کراچی تک ٹکٹیں نہیں لیں؟ اور میلے پر بھی خرچ ہوا۔'' وہ ایک بھڑک اُٹھا۔

''اچھا اچھا...... یہ لے پانچ سو کا نوٹ...... خانم جان کے حوالے کر کے آنا......''

چمن خالہ نے آنکھ ماری۔

’’تو فکر نہ کر...... چلو جی......!‘‘ جانی نے بتیاں کو ہاتھ سے اشارہ کیا۔

جانی اُس حرافہ کا دست راست تھا...... جانی کے چہرے پر قدرتی معصومیت دیکھنے والوں کو اُس کو شریف نوجوان کہنے پر مجبور کرتی...... وہ بھی نہ سمجھتی...... اگر وہ پچھو اور چمن خالہ کی باتیں دروازے کے روزن سے سن نہ لیتی تو آج اچانک اپنے بچاؤ کا سامان کیسے کرتی......؟

دونوں زینہ اُتر کر گلی میں آئے...... دو تین تنگ و تاریک گلیاں عبور کر کے دونوں سڑک پر آ گئے...... تاریکی بڑھتی جا رہی تھی...... سڑک پر دو رویہ روشنیاں ماحول کو سنسان ہونے سے بچا رہی تھیں۔

’’تم یہاں ٹھہرو...... میں ذرا آگے سے ٹیکسی لے کر آتا ہوں......‘‘ جانی نے دیکھا کچھ فاصلے پر ادھیڑ عمر آدمی کھڑے تھے۔

’’جاؤ تم...... میں یہاں تمہارا انتظار کرتی ہوں...... جلدی آنا......‘‘ وہ بڑے ہی سادہ الفاظ میں بولی۔ اور جانی سڑک کے دوسری طرف چھلانگیں مارتا ہوا بھاگ گیا۔

ایک دم وہ تڑپ اُٹھی...... ’’ٹیکسی چاہئے بیٹی......؟‘‘ ٹیکسی کے اندر بیٹھے بوڑھے شخص نے جو ڈرائیور تھا بڑے شفیق انداز میں پوچھا۔

’’ہاں بابا...... چلنا ہے...... لیکن جلدی چلو......‘‘ وہ جلدی سے پچھلا دروازہ کھولے سیٹ پر بیٹھ گئی۔

بوڑھے ٹیکسی ڈرائیور نے گاڑی سٹارٹ کر دی...... کلائی کی گھڑی دیکھنے پر احساس ہوا کہ شب کے گیارہ بج چکے ہیں۔ لیکن کراچی کی رونق میں کوئی فرق نہیں آیا...... ہر راستہ، ہر بازار بارونق تھا...... ہر طرف انسانوں اور روشنیوں کا سیلاب تھا جو اُمڈا چلا آ رہا تھا......

ایک سنسان سڑک پر گاڑی کی سپیڈ کم کرتے ہوئے ڈرائیور نے شیشے کی طرف دیکھا۔ ’’آپ نے جانا کہاں ہے......؟‘‘

’’مجھے خانم محل لے چلو بابا......!‘‘ وہ جھجھک رہی تھی۔

’’خانم محل......!‘‘ بڑے معنی خیز انداز میں بوڑھے ڈرائیور نے پھر بتیاں کی طرف دیکھا۔

’’کیوں بابا...... تمہیں علم نہیں ہے؟‘‘ وہ جاننا چاہتی تھی کہ یہ شخص حیران کیوں ہوا ہے۔

’’خانم محل...... جانتا ہوں...... بڑے تھیٹر ہیں اُن کے......‘‘ بوڑھے ڈرائیور نے

گاڑی ایک اور بڑی سڑک پر روک لی......

’’اب کیا ہوا؟ راستہ بھول گئے بابا......؟‘‘ وہ گھبرا سی گئی۔

’’نہیں بیٹی...... راستہ نہیں بھولا...... دیکھ رہا ہوں یہی سڑک محل تک جاتی ہے......؟‘‘ وہ سامنے گھورتا ہوا بولا۔

’’ایک تو روشنیاں اس قدر ہیں کہ ہر چیز اِن روشنیوں میں کھو گئی ہے۔‘‘ بتیاں نے کہا۔

’’خیر...... آپ فکر نہ کریں...... میں پہنچا کر دم لوں گا۔‘‘ بوڑھے ڈرائیور نے ہمدردانہ لہجے میں کہا۔

’’تمہاری مہربانی ہے بابا......‘‘ وہ احسان مندسی ہو گئی۔

’’نہیں بیٹا...... سواری کو اُس کے گھر تک پہنچانا ہمارا فرض ہے۔‘‘ بوڑھے ڈرائیور نے گاڑی ایک بارونق بازار میں روک لی......

’’بس بابا...... خانم محل یہی ہے...... یہ روشنیاں بتا رہی ہیں......‘‘ وہ جلدی سے باہر نکلی اور گیٹ کو کھٹکھٹانا شروع کر دیا...... اُسے یہ بھی خیال نہ رہا کہ ٹیکسی ڈرائیور کو کرایہ ادا کرنا ہے۔

’’بیٹی! کرایہ دیتی جانا۔‘‘ ڈرائیو نے آواز دی۔

’’اوہ......‘‘ بیگ میں ہاتھ ڈال کر اُس نے ایک ہزار کا نوٹ نکال کر بوڑھے کے ہاتھ پر رکھا۔ ’’لو بابا...... جتنے درکار ہوں لے لو...... اگر چاہو تو سارے رکھ لو......‘‘ وہ بوڑھے کی شرافت سے بڑی مرعوب ہو گئی۔

’’نہیں بیٹی...... حلال کی روزی میں برکت ہے...... یہ لو......‘‘ بوڑھے نے بقایا رقم اُس کی ہتھیلی پر رکھی اور ٹیکسی سٹارٹ کر دی۔

’’چوکیدار! دروازہ کھولو...... دروازہ کھولو......‘‘ وہ زور زور سے دروازہ بجانے لگی۔

چمن ثری نے محل کے فلک بوس گنبد کی طرف دیکھا...... جس پر لگا ہوا کلاک شب کے دو بجا رہا تھا۔

اِس وقت...... کسی عورت کی آواز...... چمن ثری نے گیٹ پر لگے ہوئے ایمرجنسی بٹن کو دبایا...... جس کی آواز خانم جان سمیت حویلی میں رہنے والے ہر آدمی کے کمرے میں گونج اُٹھی۔

چمن ثری نے دروازہ کھولا...... اللہ ہمیں اندر آنے کی اجازت دو......‘‘

"بتیاں! تم...... تم تو اپنے اماں بابا کے ہاں گئی تھی۔" چمن ٹری نے ایک دم دروازہ کھول دیا اور بڑی اپنائیت سے اُسے دیکھا۔ حویلی کی غلام گردشوں کے زینوں پر حویلی کے ملازم سانس روکے کھڑے تھے۔ اور ایک طرف خانم جان اپنے رُعب و جلال اور مدبر پن کی تصویر بنے حیرت و استعجاب کا مجسمہ ایک اُونچی جگہ پر کھڑی تھی۔

بتیاں...... اس وقت...... خانم سرکار! یہ بتیاں ہے...... بتیاں تو کھو گئی تھی......" ہر شخص نے اپنے اپنے جذبات کے مطابق حیرت کا اظہار کیا۔

"خانم سرکار...... ہمیں معاف کر دیجئے...... بنا آپ کے ہمیں ایک پل چین نہیں آیا۔" بتیاں خانم سرکار کے قدموں میں گری اور سسک سسک کر رو دی۔ اُس کے جسم کے خفیف جھٹکے اس بات کی غمازی کر رہے تھے کہ وہ شدتِ غم سے بہت رو رہی ہے۔

جیون بائی اور پیارے لال نے جھک کر اُسے اٹھانے کے لئے ہاتھ بڑھائے......

"رہنے دو...... شکستہ ہے...... اور غم سے چور ہے...... کھل کے رو لے گی تو غبار ڈھل جائے گا...... رونے دو......" ہاتھ بڑھا کر خانم جان نے روک دیا۔

سب ملازمین چاروں جانب ساکن کھڑے تھے...... بتیاں کی سسکیاں ماحول کے سناٹے میں ارتعاش پیدا کر رہی تھیں...... وہ جوں جوں روتی جاتی، سب کے دل اور بھی افسردہ ہو رہے تھے۔

"خانم سرکار...... ہمیں اپنوں نے دھتکار دیا ہے...... ہم زخم خوردہ ہیں......" بھیگے آنسوؤں سے تر چہرہ بتیاں نے اُٹھایا۔

"ہم سب جانتے ہیں...... یہاں سے جانے والی لڑکیاں واپس یہیں آتی ہیں۔ اور ہم نے چاہا کہ تمہیں روک دیں...... لیکن ہم ایسا نہ کر سکے۔" جیسے خانم سرکار کو افسوس ہو رہا ہو۔

"کاش آپ ہمیں روک لیتیں...... ہم اپنوں کے ہاتھوں یوں ذلیل و خوار نہ ہوتے...... خانم جان! ہمیں پہچاننے سے انکار کر دیا گیا......" وہ بڑے دُکھ سے خانم جان کے زانوں پر سر رکھے سسک دی۔

"بتیاں! تمہیں یہاں کس نے پہنچایا......؟" خانم جان حیران تھی...... بتیاں اکیلی کبھی بھی خانم محل اس تاریکی میں نہیں آ سکتی۔

لاہور سٹیشن پر ہمیں ایک عورت ملی جس کا نام چمن خالہ تھا......"

"چمن خالہ......" خانم سرکار نے ایک دم پلٹ کر جیون بائی کی طرف معنی خیز نگاہوں

سے دیکھا۔

"وہی چمن خالہ سرکار......!" پیارے لال نے کہا۔

"ہم سب جان گئے ہیں...... پہلے یہ بتاؤ! تم ٹھیک ہو نا...... تمہیں اُس عورت نے کوئی تکلیف تو نہیں پہنچائی......؟" خانم سرکار نے بتیاں کے اُداس چہرے کی طرف دیکھا جس کی رعنائی میں فرق نہیں آیا تھا...... لیکن وہ پژمردہ ضرور تھی۔

"ہم نے اپنے ناموس کی دل و جان سے حفاظت کی ہے خانم سرکار...... خطرے کا الارم سنتے ہی ہم وہاں سے بھاگ نکلے......" بتیاں نے آنچل سے اپنے آنسو صاف کئے...... وہ جانتی تھی کہ خانم کے الفاظ کا مطلب کیا ہے۔

"جیون بائی...... بتیاں کو لے جاؤ...... اسے غسل دو اور تر و تازہ کرو...... خیال ہے اس نے اتنے دن ڈھنگ سے کھانا بھی نہیں کھایا۔" خانم سرکار نے اُس کے لباس سے اندازہ لگایا کہ وہی لباس زیبِ تن تھا جو پہن کر گئی تھی۔

"آؤ بتیاں......" بتیاں خاموشی سے جیون بائی کے ساتھ چل دی۔

"پرواز خان......!" خانم جان نے اپنے دیو ہیکل خاص ملازم کو آواز دی۔

"حاضر ہوں خانم سرکار......!"

"کل چمن کو یہاں بلا کر لاؤ...... باقی معاملات بتیاں سے پوچھ کے حل کریں گے...... کیونکہ اُس نے لڑکیوں کی سپلائی شروع کی ہوئی ہے۔""

"بہتر جناب......" پرواز خان نے سرِ تسلیم خم کر لیا۔

پھر بتیاں سے پوری تفصیل سننے کے بعد خانم جان نے لچھو اور چمن کو حویلی میں حاضر کر لیا......

"ہمارا کوئی قصور نہیں خانم سرکار...... چمن خالہ نے بلایا اور میں چلا آیا......" لچھو گھگھیانے لگا۔ وہ جانتا تھا کہ ایک باوقار طوائف ہونے کے ناطے خانم جان کے مراسم بڑے بڑے لوگوں تک ہیں......

"چمن...... بتاؤ! بتیاں کو کوئی نقصان تو نہیں پہنچا......؟" خانم جان نے گونج دار آواز میں چمن کو دہلا دیا۔

"بتیاں...... وہ بتیاں تھی...... خانم سرکار...... وہ غلط بتا رہی تھی......" چمن نے سوچتے ہوئے لچھو کی طرف دیکھا۔

''اچھا کیا اُس نے جو نام نہیں بتایا...... تم میری بات کا جواب دو......'' خانم جان کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔

''آپ بتیاں سے پوچھ لیجئے سرکار...... میں نے تو بیٹی کی طرح رکھا تھا......'' چمن نے سچائی کا پرچار کیا۔

''جھوٹ بولتی ہو تم...... اگر بتیاں کسی نہ کسی طرح تمہارے لڑکے کو جُل نہ دیتی تو آج وہ لچھو کے قبضے میں آ چکی ہوتی......'' خانم جان نے زبردست غصیلے انداز میں قہر آلود نگاہیں لچھو کے بھاری بھرکم جسم پر ڈالیں۔

''خانم سرکار...... اگر چمن خالہ بتا دیتی کہ لڑکی کا واسطہ آپ سے ہے تو اللہ قسم! میں کبھی اس سے سودا نہ کرتا۔'' لچھو بولا۔

''بکواس نہ کر...... بھیگی بلی بنا ہوا ہے بیچارہ معصوم لومڑ...... تمہیں کہا تھا نا کہ لڑکی خانم محل میں رہتی ہے۔'' چمن نے ایک بات یاد کرتے اُسے باور کرایا۔

''نہیں نہیں خانم سرکار...... چمن خالہ جھوٹ بولتی ہے...... اس نے کچھ نہیں کہا مجھ سے......'' لچھو نے کہا۔

''تجھے جھوٹ کی مار پڑے...... اللہ مارے......'' چمن خالہ نے طیش میں آ کر آنکھیں پھاڑیں۔

''بس بس...... اب جھگڑے سے فائدہ...... چمن تمہیں تو علم تھا نا کہ بتیاں ہماری لڑکی ہے......؟'' خانم نے چمن کی طرف دیکھا۔

''ہمیں معاف کر دیجئے خانم سرکار...... بڑی بھول ہو گئی۔'' چمن نے ہاتھ جوڑے۔

''سرکار! مجھے اپنے ہاں ملازم رکھ لیں...... میرا کاروبار مندا پڑ گیا ہے۔'' لچھو نے ازراہِ معذرت کہا۔

''نہیں لچھو...... ہم تمہیں اپنے ساتھ نہیں ملا سکتے۔'' خانم سرکار نے نظر گھما کر پرواز خان کی طرف دیکھا۔

''کیوں......؟'' لچھو نے دیکھا اور چمن نے اُس کی طرف دیکھ کر دانت پیسے۔

''ہم رقص اور موسیقی سکھاتے ہیں...... لڑکیاں تھیٹر میں کام کرتی ہیں...... ہم اُن کی آبرو کی حفاظت کرتے ہیں...... ہمارا اور تمہارا میل نہیں ہو سکتا لچھو...... بے اعتمادی کی فضا جو قائم ہو چکی ہے۔'' خانم نے تمام ملازمین کو ایک اُچٹتی نظر سے دیکھا...... سب سمجھ کر

بار بار کھسکنے لگے۔

''آپ ایک مرتبہ میرا اعتبار تو کیجئے......'' لچھو نے عاجزانہ انداز میں کہا۔

''سوچیں گے۔'' خانم سرکار کو لچھو کے الفاظ میں صداقت کا معمولی پہلو نظر آیا۔

''ہمیں اجازت دیجئے خانم سرکار!'' چمن نے کھڑے ہو کر کہا۔

''چمن......!'' خانم جان نے اپنے الفاظ میں تنبیہ پیدا کرتے کہا۔

''جی خانم سرکار......؟''

''تم بھی عصمت فروشی کا دھندہ بند کر دو!''

''خانم سرکار...... کئی لڑکیاں غربت و افلاس سے مجبور خود اپنے آپ کو پیش کرتی ہیں......'' چمن نے بڑی بے باکی کا مظاہرہ کرتے کہا۔

''نہیں نہیں...... تم اُنہیں مزدوری کے لئے مجبور کرو...... وہ برتن مانجھ کر یا آیا گیری کر کے بھی پیٹ پال سکتی ہیں۔'' خانم جان کے اندر چیونٹیاں سی رینگنے لگیں...... عصمت روشی سے اُسے شدید نفرت تھی۔

''اچھا خانم سرکار......!'' چمن نے سر کو جنبش دی......

اور دونوں پرواز خان کے ساتھ حویلی سے باہر نکل گئے۔

☆☆☆

بے ہنگم آواز سے دروازہ کھلا...... جیسے زلزلہ آ گیا تھا...... اِدھر اُدھر چیزیں اُتھل پتھل ہونے کا احساس ہونے لگا......

''چاچی...... بتیاں آئی تھی......؟'' بالا صحن میں آ کر چلا اُٹھا...... اُس کی دھاڑ سے شجر حجر کانپ اُٹھے۔

''بالے...... بتیاں تیرے ساتھ آئی ہے؟'' صحن میں بیٹی کی یاد کو سینے سے لگائے وہ تڑپ کر کھڑی ہو گئی۔

''وہ پرسوں آئی تھی...... مجھے لوگوں نے بتایا ہے کہ وہ بتیاں ہی تھی...... وہ آئی تھی......؟'' بالے کی آواز میں ایک درد بھری گرج تھی۔

''لوگ جھوٹ بولتے ہیں...... کبھی مُردے بھی لوٹتے ہیں......؟ مرنے والے تو واپس نہیں آتے۔'' خدیجہ اُس کے پاس چل دی۔

''تیرے ساتھ بات کرنا تو پتھر سے سر پھوڑنا ہے۔'' وہ صحن میں بچھی چارپائی پر ماتھا پکڑ کر بیٹھ گیا۔

''بالے...... کیا کہا......؟'' خدیجہ نے جھک کر کہا۔

''کچھ نہیں چاچی......'' وہ روہانسا ہو گیا تھا...... اُس کا جی چاہا دیواروں سے سر ٹکرا کر ختم ہو جائے...... بتیاں کے بغیر زندگی ایک ویرانہ لگ رہی تھی۔

''بالے...... مجھ سے پوچھ کون آیا تھا......'' صنوبر باہر آ کر بولی۔

''تو بتا دے...... میں تو کب سے چلا رہا ہوں...... بتیاں آئی تھی......؟''

''ہاں...... لگتی تو وہ بتیاں تھی...... لیکن......'' صنوبر چپ سی ہو گئی۔

''لیکن کیا...... تو پہچانا نہیں اُس کو......؟ لوگوں نے خود دیکھا ہے......؟''

''وہ بتیاں نہیں تھی بالے...... میرا مطلب ہے کہ وہ بتیاں نہیں تھی جب وہ تجھے چھوڑ کر گئی تھی۔'' صنوبر کی باتوں میں طنز کا پہلو پوشیدہ تھا۔

''وہ بتیاں ہی تھی...... پرکھنے والی تیری آنکھ ہی نہیں ہے۔'' بالے کو غصہ آ گیا۔

''اب چل...... تو عشق کا مارا ہوا ہے...... تجھے کچھ بھی برا نہیں لگے گا۔'' صنوبر نے اپنے الفاظ میں بتیاں کے کردار کو مشکوک پیرائے میں پیش کیا۔

''مجھے معلوم ہے تو کیا کہنا چاہتی ہے...... وہ پوتر ہے...... وہ بے داغ ہے۔'' بالے کو بتیاں کی پاک دامنی پر پورا پورا اعتماد تھا۔

''بالے...... بتیاں چلی گئی ہے...... شیری نے تو کہا تھا کہ وہ مر گئی ہے...... اُس نے کہا تھا...... بتیاں مر گئی ہے...... اُس نے واپس......'' خدیجہ نے بالے کا شانہ ہلایا۔

''اماں...... میں نے واپس نہیں کیا بتیاں کو...... تیسرے پوت نے کیا......'' صنوبر نے خود کو بے گناہ ہی ثابت کیا۔

''وہ کہاں گئی ہو گی...... تم نے کتنی سنگدلی سے اُس کو واپس کر دیا......؟ اُس رات کے سناٹے میں وہ کہاں ہو گی......؟'' بالے نے اپنا سر پیٹ لیا۔

اُسے تڑپتا دیکھ کر خدیجہ نے آنسو پونچھے۔

''وہ جہاں سے آئی تھی، وہیں چلی گئی ہو گی......'' صنوبر پھر لاپرواہی سے بولی۔ اُس کو اس قدر سفاک انداز میں دیکھ کر بالے کو اور غصہ آ گیا۔

''بھول جا بالے...... وہ اب اچھی نہیں رہی......'' صنوبر نے تکبرانہ نگاہیں بالے کی طرف ڈالیں...... اور یہ ظاہر کیا کہ وہ اچھی ہے، پارسا ہے......''

''بھابھی...... وہ تمہاری بھی تو کچھ لگتی تھی......'' بالے نے اُس عورت کو دیکھا...... جسے بتیاں سے خدا واسطے کا بیر تھا۔

''وہ کچھ نہ لگتی تھی ہماری...... اُس کا ناطہ تو اُس دن سے ہی ٹوٹ گیا تھا جس دن وہ گھر سے بھاگ گئی تھی...... گناہ کی پوٹ...... اُس کے تو لچھن ہی اچھے نہ تھے...... جس دلدل سے نکلی تھی وہیں پھنس گئی جا کر......'' صنوبر نے زبردست نفرت کا اظہار کیا۔

''اتنے سالوں کے بعد تو کھویا ہوا جانور بھی مل جائے تو لوگ گلے لگا لیتے ہیں۔ وہ تو انسان کی اولاد تھی......'' بالا رو دیا...... اور بے تابی سے اپنی آنکھیں صاف کیں۔

''وہ گناہ اور تعفن زدہ کوڑے کا ڈھیر...... تمہیں معلوم نہیں کتنی ذلت اُٹھائی ہے ہم نے......؟ تو جانتا ہے نا......؟'' صنوبر نے کولہوں پر ہاتھ رکھا۔

''لوگ تو ویسے ہی بات کا افسانہ بنا لیتے ہیں...... تو نہیں جانتی۔ وہ خود نہیں گئی......''

بالے نے ہر قیمت پر صنوبر کو بتیاں کی پارسائی کا یقین دلانا چاہا۔

''تو کیا اُسے بھوت پریت اُٹھا کر لے گئے......؟ کسی نے پیسوں کا لالچ دیا ہو گا...... چل پڑی اُس کے ساتھ۔'' صنوبر نے ہاتھ جھٹک کر کہا۔

''یہ دیکھ اُس کی چوڑیاں...... وہ اغوا ہوئی ہے...... اُسے کسی نے اُٹھا لیا ہے...... وہ خود نہیں گئی......'' وہ آگے بڑھ کر ایک ٹوٹی ہوئی چوڑی صنوبر کو دکھاتا ہوا بولا۔

''میں کیا جانوں یہ اُس کی چوڑی ہے یا کسی اور کی......'' صنوبر نے بغور دیکھ کر منہ پھیر لیا۔

''یہ تو میری بتیاں کی چوڑی ہے...... بالے! تو لے کر آیا تھا نا اُس کے لئے......؟'' خدیجہ نے ایک دم قریب آ کر چوڑی کو بغور دیکھا۔

''ہاں...... یہ میں اُس کے لئے لایا تھا...... اور اُسی دن پہن کر وہ میلے میں گئی تھی۔'' بالے نے اپنے الفاظ میں اثر پیدا کیا اور چوڑی واپس جیب میں ڈال لی۔

ایک دم سب چونک گئے...... دروازہ کھلا تھا اور چاندنی کی ماں داخل ہوئی۔

''خدیجہ! بتیاں آ گئی کیا......؟'' چاندنی کی ماں خدیجہ کے شانے پر ہاتھ رکھ کر بولی۔

''نہیں...... وہ مر گئی ہے...... بھلا مرنے کے بعد بندہ واپس آتا ہے......؟'' خدیجہ نے ایک ہذیانی سا قہقہہ لگایا۔

''ہائے بیچاری...... بتیاں کے غم میں پاگل ہو گئی...... چچ چچ......''

''تمہیں کس نے کہا کہ بتیاں آ گئی ہے......؟'' صنوبر بولی۔

''آواز سنی تھی...... اُس وقت تو مہمان بیٹھے تھے۔ آ نہ سکی...... آج پتہ کرنے آ گئی۔''

چاندنی کی ماں کے ذہن میں وہ الفاظ گونج رہے تھے جو بتیاں کہہ رہی تھی...... بھائی میں بتیاں ہوں...... مجھے پہچانو......

''تو نے غلط سنا ہے...... وہ بتیاں کا آسیب تھا...... بتیاں تو مر گئی ہے...... مر گئی ہے وہ...... وہ مر گئی......'' خدیجہ گھر کی کچی دیوار سے ٹیک لگا کر بولتی رہی۔

''ہاں خالہ...... بتیاں کب آئی ہے......؟ شیری تو مجھ سے جھگڑا کر رہا تھا......'' صنوبر نے جھوٹ کا سہارا لے کر بات کو ٹال دیا۔

''ہائے اللہ...... کیا حال ہو گیا بیچاری خدیجہ کا......'' چاندنی کی ماں نے بڑے دُکھ سے خدیجہ کو اس قدر آزردگی کی حالت میں دیکھ کر کہا۔

''ابا بھی اُس کی وجہ سے ختم ہو گیا...... اماں پاگل ہو گئی......'' صنوبر نے بوڑھی خدیجہ کو دیکھ کر کہا۔

''تم لوگوں نے اُسے تلاش ہی نہیں کیا...... کیا معلوم کہیں اُس کا نشان مل ہی جاتا۔'' چاندنی کی ماں نے کہا۔

''بہت تلاش کیا...... اُسے نہ ملنا تھا نہ ملی......'' بالا افسردگی سے بولا۔

''اخبار، ریڈیو اور ٹی وی میں نکلوا دیتے......'' چاندنی کی ماں نے ایک نئی راہ دکھائی۔

''اور سنو...... ابھی اور رُسوائی ہونے میں کوئی کمی رہ گئی تھی جو اب یہ کام کریں؟'' صنوبر ایک دم تنک کر بولی۔

''یہ بات تو تمہاری ٹھیک ہے...... لیکن کھو جانے والوں کو تلاش تو کرنا ہے نا...... اب ہی کوشش کر لو......!'' چاندنی کی ماں جانے کے لئے کھڑی ہو گئی۔

''خالہ...... وہ اتنے سالوں کے بعد آئی تھی...... اِن لوگوں نے...... اِن ظالموں نے اُسے دھکے دے کر نکال دیا...... وہ بتیاں ہی تھی۔'' بالے سے اب ضبط نہ ہو سکا...... اُس کا پیمانہ صبر لبریز ہو چکا تھا۔

''ہیں...... اُسے نکال دیا...... بتیاں تھی وہ؟'' چاندنی کی ماں کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔

''ہاں خالہ...... وہ بتیاں تھی......'' بالے نے پھر طیش میں تصدیق کر دی۔

''خالہ...... یہ بکواس کرتا ہے...... اس نے تو ہر حال میں ہمیں ہی مجرم ٹھہرانا ہے۔'' صنوبر نے پردہ ڈالا۔

''اماں...... اماں...... جلدی آؤ...... گھر میں مہمان آ گئے۔'' ایک بارہ تیرہ سال کے لڑکے نے کہا۔

''کون ہے......؟'' چاندنی کی ماں نے اُونچی آواز میں پوچھا۔

''جو شادی پر چاندنی باجی کو لے گئے تھے...... بھائی جان کی اماں......'' لڑکے نے ہنس کر یاد دلایا۔

''اچھا اچھا...... چاندنی کی ساس نے آنا تھا...... چلو......'' چاندنی کی ماں ہنستی ہوئی واپس چلی گئی۔

اُس عورت کے سامنے بات کھول دی...... بتیاں آئی تھی...... پہلے تھوڑی رُسوائی ہوئی ہے......؟ اب تو لوگ بھی بھول چکے تھے...... اب شیری اور لوگوں کی باتیں نہیں سن

سکتا۔'' صنوبر کو غصہ آ گیا۔

''تم کیسی عورت ہو......؟ تمہارے سینے میں پتھر کا دل ہے...... وہ اپنی تھی...... اور ویسی کی ویسی تھی...... بے شک جدا ہو گئی ہم سے۔'' بالا سسک اُٹھا۔

''تو نہیں تیرا عشق بول رہا تھا...... بھول جا اُس کو...... بہتر ہے۔'' صنوبر نے آہستہ سے جیسے اُس کو مشورہ دیا۔

''نہیں بھولتی وہ مجھے...... وہ میرے اندر خون کی طرح گردش کرتی ہے...... اُس سے میری زندگی کے تار بندھے ہوئے ہیں......'' وہ بچوں کی طرح بلک بلک کر رو دیا...... آہستہ آہستہ اُس کی سسکیاں تیز ہو گئیں۔

......اتنی محبت...... اتنا پیار تھا بالے کو بتیاں سے......؟ وہ دیکھتی رہ گئی۔

بالا چہرے پر رُومال رکھے بری طرح رو رہا تھا...... اُس کے جسم کے خفیف جھٹکے اس بات کی علامت تھے کہ وہ زار و قطار رو رہا ہے...... اور اُس کی ہچکی بندھ گئی ہے۔

''بالے...... میرے بچے...... تو بتیاں کو رو رہا ہے...... رو لے...... مرے ہوؤں کو لوگ اس طرح ہی روتے ہیں...... لوٹ کر جو نہیں آتے...... بالے...... جانے والے کہاں چلے جاتے ہیں...... یہ واپس کیوں نہیں آتے......؟'' خدیجہ کی سفید بے نور آنکھیں بالے کے چہرے پر ٹک گئیں۔ اور دوسرے ہاتھ سے اُس نے اپنا آنچل پکڑا اور بالے کے آنسو صاف کیے۔

''بالے...... مجھے دوش نہ دینا...... اُسے شیری نے نکالا تھا......'' صنوبر کو ترس آ گیا۔ شاید اس طرح بالے کا تڑپ کر رونا اُسے تکلیف دے گیا۔

''اچھا ہے...... جب وہ نہیں رہی تو میں تمہارے پاس کیوں رہوں......؟'' بالے نے بیساکھی اُٹھائی اور دروازے سے باہر نکل گیا۔

''بالے رُک جا...... بالے...... مت جا...... بالے......'' خدیجہ نے اپنا سر دیوار سے مارا اور خون سے تر چہرہ لئے باہر بھاگی...... وہ نظروں سے اوجھل ہو چکا تھا...... اُسے شاید معلوم تھا کہ خدیجہ اُس کا پیچھا ضرور کرے گی...... جب دیکھا کہ کوئی بالے کی طرح نہیں ہے...... بیساکھی تو کسی کے پاس نہیں...... وہ سانس روکے کھڑی رہی...... اُس کے آنسو اُس کے رُخساروں پر ٹکے ہوئے تھے۔

جدائی کا احساس نہ قربت کا...... وہ ٹوٹی ہوئی ریزہ ریزہ واپس آ گئی۔

ہوا کا تیز جھونکا آیا اور صحن کی ہر چیز اتھل پتھل ہو گئی......

''اماں...... اندر آ جاؤ...... آندھی آ رہی ہے......'' صنوبر نے لوہے کی سلاخ سے ڈھلے ہوئے کپڑے بازو پر رکھے۔

''آنے دو دُلہن...... سارا گھر اس آندھی سے ٹوٹ گیا ہے...... کچھ بھی تو نہیں بچا۔''

صنوبر دیکھتی رہی...... نہ جانے اس عورت کے اندر کتنی آندھیاں چل رہی ہیں...... وہ سوچنے لگی۔

کھٹاک سے دروازہ کھلا اور شیری داخل ہوا...... ''دروازہ بند رکھا کرو۔'' وہ اندر آتے کنڈی لگا کر بولا۔

خدیجہ بیٹھ چکی تھی۔

''بالا آیا تھا......'' صنوبر نے کہا۔

''بالا آیا تھا...... اتنے دنوں بعد......؟'' شیری نے چہرہ صاف کیا۔

''وہ واپس چلا گیا......'' صنوبر نے صرف اتنا ہی کہا۔

''وہ پھر چلا گیا...... تم نے روکا نہیں......؟'' شیری کو بالے کے چلے جانے پر افسوس ہو رہا تھا۔

''وہ اب رُکنے والا نہیں تھا...... اُسے شاید باہر سے خبر مل چکی تھی کہ بتیاں آئی تھی۔'' صنوبر نے جیسے شیری کو خبردار کرنا چاہا۔

''پھر...... کچھ کہا......؟'' ایک گھمبیر سے دُکھ بھری آواز اُس کے حلق سے نکلی۔

''کچھ نہیں...... کہنے لگا جب بتیاں نہیں تو میں کیوں رہوں......'' صنوبر نے شیری کے اندر سے دُکھ ہلکا کرنا چاہا۔

''وہ پاگل ہو گیا ہے...... کیوں آس رکھے بیٹھا ہے...... بتیاں سے اب کیا واسطہ اُس کا......؟'' شیری نے آنکھیں صاف کیں۔

''شیری...... تو رو رہا ہے؟...... تو نے خود مارا ہے بتیاں کو...... بتیاں مر گئی ہے...... رونے سے فائدہ؟...... وہ مر گئی......'' خدیجہ نے اپنی آنکھیں شیری کے چہرے پر گاڑھ دیں۔

''ہاں اماں...... بتیاں مر گئی ہے نا...... اور مرے ہوئے جو ہوتے ہیں نا...... اُن سے رشتہ ٹوٹ جاتا ہے۔'' شیری نے ماں کے ویران کھنڈر زدہ چہرے کی طرف دیکھا۔

''رشتے نہیں ٹوٹتے شیری پتر...... رشتے تو رشتے ہوتے ہیں نا......'' خدیجہ پھر بولی۔

''تو ٹھیک کہتی ہے اماں......'' وہ رُومال منہ پر رکھے کمرے کی طرف چل دیا۔
صنوبر اُس کے پیچھے ہی کمرے میں چلی گئی...... ''بتیاں یاد آ رہی ہے......؟''
''ہاں......'' وہ دیوار سے لپٹ کر زار و قطار رو دیا۔
''کیوں جانے دیا......روک لیتے نا بتیاں کو......'' صنوبر کو شوہر پر رحم آ گیا۔
''نہیں روک سکتا تھا میں اُس کو......'' وہ پھر رو دیا۔
''کیوں......؟'' صنوبر نے حیران ہو کر پوچھا۔
''اس طرح تو میں اور بھی ٹوٹ جاتا......لوگ بھولی ہوئی داستان کو زندہ کر کے پھر مجھے طعنہ و تشنیع کا نشانہ بنا لیتے۔'' شیری نے آنسوؤں سے تر چہرہ اُٹھایا۔
''کچھ نہیں ہونا تھا...... چند دنوں کی بات تھی...... تمہیں اُس کو روک لینا چاہئے تھا......بھول جاتے لوگ......''
''نہیں روک سکتا تھا میں...... یہ سماج...... یہ معاشرہ میرا جینا دوبھر کر دیتا...... میں نے ان کے خوف سے بتیاں کو......'' وہ بے بس مجبور صنوبر کے شانے پر سر رکھے رو دیا۔
''لوگوں کا کیا ہے شیری...... اُن کو تو صرف باتیں بنانے سے کام ہے......'' صنوبر نے اپنے آنچل سے شیری کا چہرہ صاف کیا۔
''میں لوگوں کی باتیں نہیں سن سکتا۔'' وہ بولا۔
صنوبر نے اپنے شفیق شوہر کی طرف دیکھا...... ''وہ بتیاں ہی تھی نا......؟''
''ہاں...... وہ بتیاں ہی تھی...... اُس کی آنکھیں...... اُس کے بولنے کا انداز...... مجھے بھائی کہہ کر پکارنا...... وہ بتیاں ہی تھی...... مجھے پکارتی رہی......اور میں نے اِن ہاتھوں سے اُسے دھکے دے کر نکال دیا...... میں نے بتیاں کو دھکے دے کر......'' وہ اپنے ہاتھوں کو پھیلا کر بولا......اور پھر ایک دم چپ ہو گیا۔
ایک دم دروازہ ٹوٹنے کی حد تک کھلا...... اور خدیجہ نے دیوانے پن میں شیری کا گریبان نوچ لیا...... ''تو نے میری بتیاں کو گھر سے نکال دیا...... دھکے دیئے اُس کو......'' خدیجہ نے پوری طاقت سے شیری کا گریبان جھنجھوڑا۔
اتنا کڑیل، تومند نوجوان شیری ماں کے اِس جھٹکے سے لرز اُٹھا۔
''اماں......!'' وہ گھبرا کر چلایا۔
خدیجہ نے شیری کا سینہ پیٹ ڈالا۔

''اماں...... کیا کرتی ہو......تو نے غلط سنا ہے...... وہ بتیاں نہیں تھی...... چھوڑ شیری کو...... اِس کو مارنا چاہتی ہو...... اپنے بیٹے کو......؟'' صنوبر نے پوری طاقت سے شیری کو خدیجہ کی گرفت سے آزاد کروایا۔
''تجھے بتا رہا تھا کہ بتیاں نکال دی......اس نے نکال دی...... میری بتیاں...... گھر سے نکال دی......'' خدیجہ ہانپ رہی تھی۔
''نہیں اماں...... وہ بتیاں نہیں تھی...... وہ آسیب تھی......تو نے سنا نہیں'' صنوبر نے خدیجہ کے دل سے بات محو کرنا چاہی۔
''ہاں...... خدیجہ خاموش پھٹی پھٹی آنکھوں سے چپ بیٹھے شیری کو دیکھتی رہی...... اُس کا ذہن ہاں اور ناں کے اعراف میں ڈوبتا اُبھرتا رہا...... دُور آسمان کی وسعتوں میں نہ جانے کیا تلاش کرتی رہی......
صنوبر نے خدیجہ کو پکڑ کر پلنگ پر بٹھا دیا...... شیری ٹوٹے ہوئے تناور درخت کے تنے کی طرح گرا اور ماں کے زانو پر سر رکھ دیا۔ ''بتیاں مر گئی ہے اماں......اب واپس نہیں آئے گی...... وہ رو دیا۔ اور خدیجہ خلا میں گھورے...... شیری کے گھنے بالوں میں اُنگلیاں پھیرتی رہی۔
ایک کرب......
ایک دُکھ...... اِس گھر کی دیواروں پر بدبختی بال بکھرائے سو رہی تھی...... بتیاں کی جدائی کا داغ ناسور بن چکا تھا......ایسا جو مندمل نہ ہو سکے۔

☆☆☆

وقت کی نبضیں چلتی رہیں...... بہت دنوں سے گل کے رقص کو دیکھ کر لوگوں نے یہ اندازہ لگایا کہ شاید بتیاں نے گانا اور رقص چھوڑ دیا ہے......گل کے آخری رقص پر عوام کے بے شمار نعروں سے خانم جان نے اندازہ لگایا کہ بتیاں کو لوگ فراموش نہیں کر سکے...... وہ چاہتے ہیں کہ بتیاں پھر رقص کرے...... چنانچہ شام کی چائے پر خانم جان نے بتیاں کو پیارے لال کی وساطت سے حاضر ہونے کا حکم دیا۔
''چلئے جناب......!'' پیارے لال اندر داخل ہوا۔
''کہاں......؟'' وہ بڑے سکون سے اپنی خوبصورت مسہری سے ٹیک لگائے کسی پسندیدہ دُھن کو سن رہی تھی۔

''خانم سرکار نے یاد فرمایا ہے......'' پیارے لال نے کہا۔

وہ اُٹھ کر بیٹھ گئی...... ''کیوں...... کوئی خطا ہو گئی ہم سے......؟'' وہ اُداس سی ہو گئی۔

''معلوم نہیں...... چلو تو سہی!'' پیارے لال حسب دستور ہاتھ کے اشارے سے بولا۔

''چلو......!'' دونوں خانم سرکار کے کمرے کی طرف روانہ ہو گئے۔

''آؤ آؤ بتیاں...... بیٹھو......!'' خانم جان نے دونوں کو دیکھ کر انگلش رسالہ ایک طرف رکھ دیا...... بتیاں ایک طرف بڑے مؤدب انداز میں بیٹھ گئی۔

''پیارے لال...... اچھی سی چائے لاؤ...... اور شامی ساتھ......'' خانم جان نے بتیاں کی طرف مسکرا کر دیکھا۔

''اجی...... شامی کسے نہیں پسند......؟'' پیارے لال جانتا تھا کہ بتیاں شامی کباب بڑے شوق سے کھاتی ہے۔

''اوہو...... اپنے لئے بھی لے آنا۔'' خانم جان نے پیارے لال کو جاتے دیکھ کر کہا۔

اور پیارے لال ہنستا ہوا باہر نکل گیا۔

''خانم سرکار! آپ نے یاد فرمایا تھا...... کوئی کام تھا مجھ سے......؟'' بتیاں نے پوچھا۔

''نہیں بتیاں...... کچھ کہنا تھا تم سے...... وہ بھی اگر پسند کرو تو......'' خانم جان نے بتیاں کے روشن چمکتے ہوئے خوبصورت چہرے کو دیکھ کر کہا۔

''آپ حکم تو کریں خانم سرکار...... آپ کی پسند ہماری پسند ہے۔'' وہ مؤدب بولی۔

''بات دراصل یہ ہے کہ الحمرا میں گل کا رقص دیکھنے کے بعد ہجوم نے تمہارے نام کی نعرہ بازی شروع کر دی......'' خانم سرکار نے بغور بتیاں کو دیکھا۔

''جی......؟'' اُس کا چھوٹا سا منہ کھلا رہ گیا۔

''گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے...... لوگ تمہارا رقص دیکھنا چاہتے ہیں۔'' خانم جان نے بڑی دلنوازی سے بتیاں کی طرف دیکھا۔

''گل تو بہت اچھا رقص کرتی ہے۔'' بتیاں نے کہا۔

''اس میں کوئی شک نہیں...... گل ایک اچھی رقاصہ ہے...... لیکن لوگ تمہارے لئے فرمائش کر رہے تھے۔'' خانم جان نے کہا۔

''آپ جیسے چاہیں، اُسی طرح ہو گا۔'' بتیاں نے نہ چاہتے ہوئے بھی اقرار کر لیا۔

''میرا خیال ہے ہفتے میں ایک مرتبہ الحمرا چلی جایا کرو...... عوام تمہیں پسند کرتی ہے۔''

''ٹھیک ہے خانم سرکار......!'' بتیاں نے مسکرا کر پیارے لال کو دیکھا جو ٹرالی گھسیٹے آ رہا تھا۔

بتیاں نے چائے بنائی...... ایک پیالی خانم جان، دوسری پیارے لال کو اور تیسری خود لے لی...... بہت دیر تک دونوں باتیں کرتی رہیں...... خانم جان بتیاں کو مجبور نہیں دیکھنا چاہتی تھی...... لیکن پھر بھی اُس کی رضامندی کے ساتھ بتیاں نے فیصلہ کر لیا کہ وہ ہفتے میں ایک مرتبہ الحمرا میں رقص ضرور کرے گی۔

''سرکار...... باہر پرواز خان ملنا چاہتا ہے۔'' جیون بائی اندر آتے ہوئے بڑے تشویش بھرے انداز میں بولی۔

''کوئی خاص بات ہے......؟'' خانم جان نے محسوس کیا تھا کہ پرواز خان خاص بات پر ہی ملاقات کرتا تھا۔

''میرا خیال ہے خاص ہی ہو گی۔'' جیون بائی نے بڑے دھیمے انداز میں کہا۔

''بلا لاؤ......''

پیارے لال نے بتیاں کو اشارہ کیا اور سب اُٹھ کر باہر آ گئے......

''کیا بات ہے پرواز خان......؟'' خانم جان نے چونک کر دیکھا۔

''خانم سرکار...... سر جانس تشریف لائے ہیں۔'' پرواز خان نے یوں کہا جیسے خانم سرکار کا دل بیٹھ نہ جائے۔

''جانس...... جانس...... کون جانس......؟'' وہ گھبرا کر کھڑی ہو گئی...... جیسے دل مٹھی میں آ گیا۔

''یاد کیجئے سرکار...... سر جانس جرمن والے......'' پرواز خان نے یاد دلایا۔

''او میرے خدا...... اتنے عرصے کے بعد......'' وہ گرتے گرتے صوفے پر سنبھل کر بیٹھ گئی...... ''انہیں ڈرائنگ روم میں بٹھاؤ...... ہم آتے ہیں۔'' وہ یوں گویا ہوئی جیسے بڑی دُور سے بول رہی ہو۔

''بہتر جناب......'' پرواز خان نے حسب عادت سر کو جنبش دی اور باہر چل دیا۔

جانس...... اب دبی راکھ کو کریدنے کیوں لوٹ آئے ہیں...... محبت کو محبت ہی رہنے دو...... تم ایک انگریز کرسچین فیملی کے چشم و چراغ...... بھلا میرا اور تمہارا کیا جوڑ...... ایک

عیسائی اور مسلمان...... اکٹھے نہیں ہو سکتے...... کھڑے ہو کر خانم جان نے سفید ساڑھی کے پلو کو درست کیا...... اپنے تراشیدہ بالوں کو دوبارہ کنگھی سے درست کیا۔ قد آدم آئینے میں سراپا دیکھا اور بڑی تیزی سے ڈرائنگ رُوم کی طرف چل دی۔

''جانس...... تم......؟'' خانم نے اندر آتے ہی حیرت واستعجاب کے عالم میں چونکتے ہوئے جانس کو دیکھا۔

''خانم...... او مائے گاڈ...... تمہاری صورت کے لئے ترس چکا تھا میں......'' جانس نے عالم اضطراب میں خانم کے ہاتھوں کو پکڑ کر چوم لیا......

''جانس...... بیٹھو...... کیسے ہو......؟'' وہ بھی بڑی چاہت سے جانس کو اپنے پاس ہی بٹھاتے ہوئے بولی۔

''ڈارلنگ...... تمہارے بنا ہم کچھ بھی نہیں...... یہ تیس سال کانٹوں پر گزارے ہیں۔'' جانس نے والہانہ نگاہیں خانم کے چہرے پر ڈالیں۔

''شادی نہیں کی تم نے......؟'' خانم مسکرا کر بولی۔

''ہم نے تمہیں بہت مس کیا...... شادی Marriage کیسے کرتے......'' جانس نے رُخ پلٹ کر خانم کو دیکھا۔

''تم میں کوئی فرق نہیں آیا۔'' خانم نے کہا۔

''تم بھی مجھے ویسی کی ویسی لگتی ہو...... جیسی میں تمہیں چھوڑ کر گیا تھا۔'' وہ بولا۔

''نہیں جانس! تیس سال گزر چکے ہیں...... انسانی خدوخال میں فرق تو آتا ہی ہے۔''

''یہ دیکھو...... یہ وہ تصویر ہے جو آخری مرتبہ میں تم سے لے کر گیا تھا۔'' جانس نے اپنے کوٹ کی جیب سے خانم کی پاسپورٹ سائز تصویر نکالی......

''تم نے اسے ابھی تک سنبھال رکھا ہے......؟'' وہ حیرت کے مارے جیسے دیوانی ہو گئی...... اور جانس کے ہاتھ سے تصویر لے کر پھٹی پھٹی نظروں سے دیکھنے لگی۔

''اس تصویر کی طرح میرے دل میں تمہاری محبت ویسے ہی زندہ ہے......''

ایک لمحے میں خانم جان کی نظروں میں ماضی کسی فلم کی ریل کی طرح چلنے لگا...... ماں کے کرخت جملے، چھری کی طرح چلنے والی آواز اُس کے کانوں میں اُتر گئی......

''خانم......!''

''جی اماں......!'' خانم نے ایک دم کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔

''جانس کو یہاں آنے سے منع کر دو۔'' ماں نے پاؤں پٹخے۔

''کیوں...... کیا وہ تماشائی نہیں ہے؟'' خانم نے جل کر جواب دیا۔

''تماشائی ہے...... دولت بھی لٹا رہا ہے۔'' ماں نے کہا۔

''پھر کیا بات ہے...... اُس کی دولت کم قیمت کی ہے یا......'' وہ کہتے کہتے رُک سی گئی۔

''کچھ بھی نہیں...... صرف وہ غیر ملکی ہے...... اور غیر ملکیوں پر بھروسہ کرنا میری فطرت میں شامل نہیں ہے۔'' ماں نے تیوری چڑھائی۔

''کیا خانم جان کا رقص کوئی غیر ملکی نہیں دیکھ سکتا؟'' خانم جان نے طنزیہ مسکرا کر کہا۔

''وہ عیسائی بھی تو ہے......'' ماں نے دوسرا حربہ استعمال کیا۔

''تو کیا ہے...... محبت اور جنگ میں سب جائز ہے۔'' خانم جان نے شانے جھٹکے۔

''کیا...... تم بھی اُسے چاہتی ہو......؟'' ماں نے چلا کر کہا۔

''ہاں...... ہاں...... میں جانس کو چاہتی ہوں...... وہ بھی مجھ سے محبت کرتا ہے۔'' خانم جوش سے بولی۔

''تمہاری بھول ہے...... طوائف سے کوئی محبت نہیں کرتا...... طوائف تو ویرانے میں اُگا ہوا وہ خودرو پھول ہے جسے ہر راہ گیر توڑ کر کالر میں سجا لے......'' ماں نے بڑے رکیک انداز میں طوائف کی اہمیت کو اُجاگر کیا۔

''اماں...... ایسا مت کہو...... میں خودرو پھول نہیں ہوں۔ میں نے اپنی ناموس کی حفاظت کی ہے...... لوگ صرف میرا گانا اور رقص دیکھتے ہیں۔'' وہ جل کر بولی۔

''طوائف طرف طوائف ہوتی ہے...... اور اس کی کوئی ناموس نہیں ہوتی......'' اماں نے جھنجھلا کر خانم کو اصل حقیقت سے آگاہ کیا۔

''تم چاہتی کیا ہو......؟'' خانم نے اصل موضوع کی طرف بات کو پلٹا۔

''میں چاہتی ہوں کہ تم جانس کو چھوڑ دو...... وہ تمہیں چرا کر لے جائے گا۔'' اماں کی آواز میں رقت طاری ہو گئی۔

''کیوں چرا کر لے جائے گا...... کیا میں کونے میں رکھا ہوا کوئی کھلونا ہوں......؟'' خانم نے باہر کی جانب دیکھا...... ہال تماشائیوں سے بھر چکا تھا۔

''وہ گھاگ شخص ہے...... اُس کی محبت میں خودغرضی کا پہلو نکلتا ہے۔'' بوڑھی عورت نے دل کی سوچ عیاں کر دی۔

"خود غرضی...... کیا مطلب ہے اس کا......؟"

"تم نہیں سمجھتی...... وہ عیسائی نوجوان ہے...... اُسے ایک مسلمان لڑکی سے کس طرح محبت ہوسکتی ہے......؟"

"اماں! تمہارا یہ خیال غلط ہے...... جانس ایسا نوجوان نہیں ہے...... پھر وہ کتنی رقم لٹا چکا ہے۔ اتنے روپے تو کسی راجکمار نے بھی نہ دیے ہوں گے۔" خانم نے جیسے یاد کروایا۔

"اس نے احسان نہیں کیا...... تماشائی آچکے ہیں...... تم جلدی کرو......" اور اماں دوسرے کمرے کی طرف نکل گئی۔

خانم گہری سوچ میں اُتر گئی...... جانس اُس سے بے پناہ محبت کرتا تھا۔ اور وہ بھی اُسے بہت چاہتی تھی...... اس میں کسی کی کوئی غرض شامل نہ تھی۔ نہ خانم کے دل میں یہ خیال تھا کہ وہ بہت دولت مند ہے...... اُس کا باپ جرمنی کا انتہائی دولت مند شخص ہے۔ اور نہ جانس کے دل میں یہ خیال کبھی پیدا ہوا کہ یہ طوائف یا رقاصہ ہے......

محبت صرف محبت......

ہال تماشائیوں سے بھرا ہوا تھا...... دورانِ رقص تماشائی نوٹوں کی بارش برسا کر جا چکے تھے...... ہال کو خالی دیکھ کر وہ خوبصورت گاؤ تکیے سے ٹیک لگا کر بند دروازے پر نظر جمائے دیکھتی رہ گئی...... آج جانس کیوں نہیں آیا......؟ اُس کی منتظر نظریں ٹھہر سی گئیں۔

اچانک دروازہ کھلا اور جانس کا مسکراتا چہرہ نظر آیا......

"آگئے جانس......" وہ بے قرار اُس کی طرف بڑھی۔

"تو کیا میں نہ آتا......؟"

"ہم تو نا اُمید ہو چکے تھے...... تمہیں معلوم ہے نا...... ہر محفل سونی لگتی ہے جس میں جانس نہ ہو۔" بے قراری اور بڑی اضطرابیت کے ساتھ خانم نے جانس کے ہاتھوں کو تھام لیا۔

"تمہاری محبت نے ہمیں جکڑ رکھا ہے...... کیا کریں...... بہت ٹینشن ہے۔" جانس اچانک افسردہ ہوگیا۔

"ٹینشن...... کیا مطلب ہے...... تم افسردہ بھی لگ رہے ہو۔" خانم کا دل اُچھل کر حلق میں اٹک گیا۔

"بات ہی ایسی ہے......" جانس قالین پر نظریں جمائے اُنگلیاں پھیرنے لگا۔

"کھل کر بات کرو...... پہیلیاں مت بجھواؤ۔" خانم اور بھی پریشان ہوگئی۔

"ڈیڈ نے فوری بلایا ہے...... میں یہاں رُک نہیں سکتا......" جانس کی آواز دھیمی پڑ گئی...... وہ خانم سے بے پناہ محبت کرتا تھا۔

"خانم......" ماں کی آواز پر وہ چونک گئی...... "سیٹھ دلاور آئے ہیں...... تمہارا رقص اور گانا سننے......"

"اس وقت......؟" جانس کے منہ سے فوراً نکلا۔

"اور کون سا وقت ہوگا...... تم وقت بے وقت آسکتے ہو......" ماں نے بڑے ترش لہجے میں کہا۔ لیکن جانس خاموش ہی رہا۔

"اب تو میں بہت تھک چکی ہوں...... موڈ بھی نہیں ہے۔" خانم نے ناگوار انداز میں پیشانی پر سلوٹیں ڈالیں۔

"موڈ کو کون مانتا ہے...... تم اسی لباس میں آجاؤ!" ماں نے جاتے جاتے حکم صادر فرمادیا۔

"نہیں جاؤں گی...... ہماری دُنیا لٹ رہی ہے...... ماں کو دولت کمانے کی پڑی ہے......" جھنجھلا کر خانم نے پازیب اُتار کر دُور پھینک دی۔

"تمہاری دنیا میں آباد رکھوں گا...... صرف چند ماہ کی تاخیر ہے۔" جانس نے بڑی چاہت و اُلفت سے خانم کی پیشانی پر آئے بالوں کو جو سرکش انداز میں جھول رہے تھے محبت سے ہٹادیا۔

"کیسے آباد ہوگی...... تم چلے جاؤ گے...... ہم برباد ہی رہیں گے۔" وہ آنکھوں میں آنسو بھر کر دلگیر آواز میں بولی۔

"رونا نہیں خانم جان...... تمہارے آنسو مجھے بہت تکلیف دیتے ہیں......" وہ اپنے ہاتھ بڑھا کر خانم جان کے سفید بھرے بھرے رُخساروں سے آنسو صاف کرنے لگا۔

"جانس...... ہم ساتھ جائیں گے...... تمہارے بن نہیں رہ سکتے...... ہم تمہارے لئے سب کچھ چھوڑ دیں گے۔" خانم والہانہ انداز میں جانس کے پہلو سے لپٹ گئی۔

"مجھے صرف چند ماہ کی مہلت دو...... میں تمہیں لے جاؤں گا۔"

"میری بیٹی کو ورغلانے کی کوشش مت کرو جانس...... تمہیں معلوم ہے میری کل کائنات یہی ہے...... اگر یہ تمہارے ساتھ چلی گئی تو میرا کیا بنے گا...... تمہیں اس کا اندازہ ہے۔" ایک دم ماں نے آکر ماحول کو پراگندہ بنادیا۔

''اماں...... ہم جانس بنا نہیں جئیں گے...... اللہ ہمیں جانس سے جدا مت کرو۔'' خانم نے ماں کے سامنے ہاتھ جوڑ دیے۔

''یہ سب جوانی کے جذباتی چونچلے ہیں...... جب وقت گزر جائے گا، سب عشق دُھول بن کر اُڑ جائے گا۔'' ماں نے قالین کو بڑی نفرت سے ٹھوکر ماری۔

''ماں جی...... ایسی باتوں سے ہماری محبت کی توہین نہ کریں...... میں جو بھی کہہ رہا ہوں، یہ جذباتی فیصلہ نہیں ہے۔'' جانس نے کہا۔

''یہی بہتر ہے کہ تم یہاں سے جاؤ...... اور کبھی لوٹ کر نہ آنا۔'' ماں نے بری طرح اُسے دھتکار دیا۔

''نہیں جانس!...... رُک جاؤ...... ہم زندہ نہیں رہیں گے۔'' خانم بلک بلک کر رو دی۔

جانس پلٹا...... ''آنسو پونچھ لو میری جان...... میں دوبارہ آؤں گا......'' جانس نے خانم کے آنسو اپنے ہاتھوں سے پونچھے اور اُس کے ہاتھوں کو چوم کر باہر نکل گیا......

وہ گھٹنوں میں سر دیے بلک بلک کر رو دی...... ماں کو اُس کے تڑپنے بلکنے پر رحم نہ آیا۔

اِسی طرح کئی سال بیت گئے...... خانم نے اپنے شب و روز ایک ہی ڈگر پہ چلانے کا فیصلہ کر لیا...... وہ عصمت فروشی کو اچھا خیال ہی نہ کرتی تھی۔ اِسی دوران حرکت قلب بند ہو جانے سے ماں کا انتقال ہو گیا...... اور اُس نے اپنے کام کو مختلف نوعیت کے ساتھ تقسیم کر لیا...... اُس نے صرف رقص اور گانے کو اہمیت دی اور ایک شاہانہ زندگی بسر کی...... اپنے آپ کو جانسن کے لئے وقف کر دیا...... کہ شاید وہ کبھی لوٹ آئے...... اسی طرح انتظار کی طویل ویران پُر خار راستوں پر چلتے چلتے تیس سال گزر گئے......

''خانم جان......'' جانس نے اُسے شانے سے پکڑ کر ذرا سا ہلایا۔

''اوہ...... جانس...... تم ہمارے مجرم ہو...... پھر بھی ہم تمہیں بھلا نہیں پائے......'' خانم بری طرح چونک گئی۔

''میں مانتا ہوں...... میں تمہارا مجرم ہوں...... میں لوٹ کر نہ آیا...... کیوں نہ آیا اس کی بھی وجہ ہو گی۔'' جانس نے خود ہی سوال اور خود ہی جواب دیا۔

''کیوں......؟'' خانم ایک دم سے چونک گئی۔

''میں نے تمہیں جاتے ہی تفصیلی خط لکھا تھا...... اُس کے بعد میں نے تمہیں بہت سے خطوط لکھے...... اور تمہارا ایک آخری خط جس نے میرا حوصلہ توڑ دیا...... اور میں پاپا کی

موت کے بعد وہیں کا ہو رہا۔'' جانس کے چہرے پر جدائی کے زخم واضح نظر آ رہے تھے۔

''آخری خط...... دکھاؤ......!'' خانم نے خط کو ایک دم چھین لیا جو جانس کے ہاتھ میں پکڑے ہوئے لہرا رہا تھا......

''او میرے خدا...... یہ سب خطوط اماں میری طرف سے منشی سے لکھواتی رہی ہے......'' خانم کو اپنی ماں پر افسوس ہونے لگا۔

''تم نے خود میری موت کا پروانہ جاری کیوں نہیں کیا......؟''

''اللہ...... تمہیں علم تو ہے کہ میں زیادہ تعلیم حاصل نہ کر سکی...... یہ سب کارروائی اماں کی ہے...... اماں نے یہ کھیل میرے ساتھ کھیلا...... کاش! اماں زندہ ہوتی......'' خانم کو ماں پر غصہ آنے لگا۔

''خیر...... اب مُردہ اماں کو برا مت کہو...... یہ جدائی ہمارے مقدر میں تھی۔ اور اس خط میں میرے حوصلے کی تمام کڑیاں ٹوٹ گئیں اور میں دیوانہ ہو گیا۔''

ایک دردناک آہ کے ساتھ خانم نے خط کو چُر مُر کر کے قالین پر پھینک دیا۔

جھک کر جانس نے شکستہ خط کو اُٹھا لیا...... کئی آنسو ڈھلک کر خانم کے رُخساروں پر اُتر آئے...... اور جانس دیکھتا رہ گیا یہ حوصلے اور صبر کی چٹان اپنی ماں کی سفاکی پر کس قدر دل برداشتہ ہو چکی ہے......

''آنسو پونچھ لو خانم! تمہارے آنسو ہمیشہ سے مجھے تکلیف پہنچاتے رہے ہیں۔'' جانس نے جیب سے اپنا رُومال نکال کر خانم کو پیش کیا۔ جسے تھام کر خانم نے آنسو صاف کیے۔

پیارے لال چائے لے آیا تھا...... اور چائے کے ساتھ لاتعداد اشیاء جو جانس پسند کرتا تھا...... جانس حیران رہ گیا...... اور خانم بھی حیرت سے مسکرا دی......

''پیارے لال...... یہ سب......؟'' خانم نے حیرت سے پوچھا۔

''خانم سرکار...... پرواز خان نے جو کچھ کہا ہم نے وہی اشیاء تیار کر لیں......'' پیارے لال نے ٹرالی گھسیٹ کر خانم کے سامنے کر دی۔

''بہت اچھا...... خانم...... تمہارے پاس جتنے بھی لوگ ہیں...... میرا خیال ہے مخلص ہیں۔'' جانس نے حیرت سے کہا۔

''مخلص تو ہیں...... لیکن میں حیران ہوں کہ منشی نے مجھ سے اس قدر طویل عرصہ کیوں چھپائے رکھا......؟'' خانم نے سوچا۔

''اس میں منشی کا بھی قصور نہیں...... وہ اماں سے مخلص تھا...... اُن سے سرتابی نہیں کر سکتا تھا...... جانس نے بغور خانم کو دیکھا...... جس کی آنکھوں میں وہی سرخی اور رخساروں پر وہی شفق پھوٹتی تھی۔

''میں جاؤں خانم سرکار......؟'' پیارے لال نے پوچھا۔

''جاؤ...... میں چائے خود بناؤں گی۔'' خانم جان نے کہا اور پیارے لال حسب عادت باہر نکل گیا......

دونوں نے زندگی کے نئے موڑ پر قدم رکھتے بہت دن ایک ساتھ گزارے...... کلفٹن، ہاکس بے اور بہت سی خوبصورت جگہوں کی سیر و تفریح کی۔

''جانس......'' خانم، جانس کے ساتھ ایک سیاہ پتھر پر بیٹھتے ہوئے بولی۔

''فرمایئے......!'' وہ محبت سے سرشار مسکرایا۔

''اتنے دن ہو گئے تمہیں آئے ہوئے...... تم نے اپنے آنے کا مقصد بیان نہیں کیا۔'' خانم نے کہا۔

''کیا مقصد ہو سکتا ہے...... تمہیں سمجھ لینا چاہئے۔'' جانس نے خانم کی موتیوں کی طرح چمکتی روشن آنکھوں میں دیکھا۔

''پھر بھی...... کھل کے کہو نا......!'' خانم نے کہا۔

''تمہیں لینے آیا ہوں۔'' جانس ایک دم بولا۔

''دیوانے ہو گئے ہو...... مجھے وہاں لے جا کر کیا کرو گے...... وہاں تمہارے بچے ہوں گے تمہاری بیوی......'' خانم نے قیاس آرائی کی۔

''میرا اس بھری کائنات میں تمہارے سوا کوئی بھی نہیں......'' جانس بولا۔

''تم نے کوئی شادی نہیں کی......؟'' خانم کی حیرت عروج تک پہنچ گئی۔

''نہیں......!'' وہ آہستہ سے مسکرایا۔

''کیوں......؟''

''حوصلہ ہی نہیں پڑا۔'' جانس بولا۔

''تیس سال تم نے یوں ہی گزار دیئے...... بغیر شادی کے......؟''

''میں نے کہا نا...... خانم جان کے علاوہ کوئی عورت اس دل کو نہیں بھائی۔'' وہ والہانہ انداز میں جھکا اور خانم کے ہاتھ کو آنکھوں سے لگا لیا۔

''تم سچ کہہ رہے ہو؟'' خانم کو ایسے عاشق پر رشک آنے لگا۔ وہ بھی غیر مُسلم......''

''ہاں خانم...... میری سچائی کا یقین کرو...... میری شادی ہو گی تو صرف تم سے...... دوسری عورت کو تو میں نے کبھی خواب میں بھی نہیں دیکھا۔''

''تمہارے الفاظ میں اس قدر پختگی ہے اور حقیقت بھی کہ مجھے یقین کرنے میں کوئی عار محسوس نہیں ہو رہا۔'' خانم نے محبت پاش نگاہوں سے جانس کو دیکھا۔

''تو آؤ خانم! ہم شادی کر لیں اور ایک نئی دنیا کا آغاز کریں۔'' جانس نے ایک دم خانم کے نرم و نازک ہاتھ کو تھام لیا۔

''تم سے شادی کرنے میں مجھے کوئی انکار نہیں ہے۔ لیکن......'' وہ رُک سی گئی۔ اُس کی آنکھوں میں کئی سوالات مجبوری بن کر اُبھرنے لگے۔

''میں سمجھتا ہوں...... تم رُک کیوں گئی ہو؟''...... جانس کی بات پر خانم نے صرف دیکھا...... ''میں محبت کے راستے پر اتنا دُور نکل گیا ہوں کہ اب واپس پلٹ نہیں سکتا...... میں تمہیں اپنانے کے لئے اسلام قبول کر لوں گا......''

جانس کے الفاظ میں چٹانوں جیسی مضبوطی تھی...... وہ چونک گئی...... ''تم میری خاطر اپنا مذہب چھوڑ دو گے......؟ تم تو انگریز ہو...... اسلام قبول کر لو گے......؟''

''میں کوئی بھی ہوں...... تمہاری خاطر میں سب کچھ کر سکتا ہوں...... میں تمہیں اپنانے کے لئے اسلام قبول کرتا ہوں......'' جانس نے بھرپور محبت کا اظہار کیا۔

بڑی بے قراری، اضطرابیت کے ساتھ خانم نے جانس کے ہاتھوں کو چوم لیا...... ''تم کتنے عظیم ہو جانس...... تمہاری وجہ سے میں اپنے آپ کو بہت بیدار بخت خیال کر رہی ہوں۔''

''میں خود کو بیدار بخت سمجھ رہا ہوں...... تم نے اتنا عرصہ میرا انتظار کیا اور میری محبت کی حفاظت کی۔'' جانس نے بڑی احسان مندی سے خانم کی طرف دیکھا......

پھر کراچی کی بہت بڑی مسجد میں ایک عالم دین حافظ شیرازی کے پاس جانس نے سچے دل سے اسلام قبول کر لیا اور خانم کے ساتھ پوری زندگی گزارنے کا عہد کر لیا۔ چند دنوں بعد دونوں عدالت میں گئے اور چار گواہوں کی موجودگی میں جانس اور خانم کا نکاح ہو گیا...... دونوں بہت ہی خوش تھے...... اس اعزاز میں حویلی میں ایک بہت بڑی دعوت کا اہتمام کیا گیا...... خانم بہت خوش تھی...... اس عمر میں جانس (حبیب) جیسا شوہر ملنا اچنبھا تھا...... اُس نے اُس کی خاطر اپنا مذہب، اپنا دین چھوڑ دیا اور وہ اُس

کے لئے بہت کچھ کر سکتی تھی۔

شام میلی ہو رہی تھی...... سرمئی دھند کے پھیلتے ہی دونوں واپس حویلی میں لوٹ آئے۔ خانم اور جانس دونوں ہی بہت خوش تھے......

دوسرے دن ناشتے سے فارغ ہوتے ہی جانس جانے کے لئے تیار ہو گیا۔

''آج کہاں کی تیاری ہے جناب......؟'' خانم نے بڑی دلربائی سے صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

''کورٹ جا رہا ہوں...... کچھ کام تمہارے ہیں اور کچھ میرے۔'' وہ واپس پلٹ کر بولا۔

''جانس! میں لڑکیوں کے لئے پریشان ہوں...... ان کا کیا بنے گا......؟'' خانم نے پریشانی سے کہا۔

''اس میں پریشانی کی کوئی بات نہیں...... تمہارا پورا دارالامان میں گورنمنٹ کی تحویل میں دے رہا ہوں...... اس طرح حکومت محافظ بھی ہوگی اور ذمہ دار بھی۔

''اچھا کیا...... ویسے تم بہتر سمجھتے ہو۔'' خانم نے محبت سے کہا۔

''تمہیں بالکل پریشان ہونے کی ضرورت نہیں...... جو بھی کام ہوگا عین تمہاری مرضی کے مطابق ہوگا...... OK......'' جانس نے خانم کے شانے پر ہاتھ مارا۔ وہ مسکراتی ہوئی کھڑی ہو گئی۔ دونوں ایک دوسرے کے ہاتھ میں ہاتھ تھامے پورچ میں آئے۔ جانس نے اپنے سنہری بالوں کو ایک ہاتھ سے پیچھے کی طرف ہٹایا اور سٹیئرنگ پکڑ کر بیٹھ گیا۔

''جلد لوٹ آنا جانس......'' خانم نے چہرہ اندر کی طرف لے جا کر کہا۔

''ایک لمحہ بھی باہر چین نہیں آتا جناب...... یہ تو مجبوری ہے۔'' جانس نے گاڑی سٹارٹ کی اور خانم کھڑی ہو گئی۔

جب گاڑی گیٹ سے نکل گئی تو پلٹتے ہی پیارے لال نے کہا۔ ''خانم سرکار......! وہ سیٹھ داؤد کے بیٹے ہیں نا جواد صاحب...... وہ آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔''

''جواد...... وہ کس لئے آیا ہے......؟'' خانم جان کی چھٹی حس بیدار ہو گئی۔

''معلوم نہیں...... وہ آپ سے ملنا چاہتا ہے۔'' پیارے لال نے کہا۔

''بتیاں کہاں ہے......؟'' وہ بولی۔

''تیاری کر رہی ہے سرکار...... آج الحمرا جانے کی باری ہے نا۔''

''اچھا...... تم جاؤ...... ڈرائنگ روم میں بٹھاؤ۔'' خانم نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

''بہتر......'' پیارے لال جواد کے پاس لوٹ گیا۔

چند لمحوں کے بعد خانم ڈرائنگ روم میں داخل ہوئی۔ جواد ایک دم کھڑا ہو گیا...... وہ ویسے بھی خانم کی شخصیت سے بڑا متاثر تھا۔

''آداب......!'' جواد نے مؤدب کہا۔

''بیٹھو......!'' خانم نے بیٹھنے کا اشارہ کیا اور خود بھی سامنے ایرانی صوفے پر بیٹھ گئی۔

''پیارے لال...... خانساماں سے کہو چائے بنائے......''

''بہتر سرکار......''

پیارے لال باہر نکل گیا۔

''ارے نہیں...... چائے کی ضرورت نہیں...... تکلف مت کیجئے گا۔''

''نہیں جواد میاں...... ہم اپنے مہمان کی خاطر مدارت میں کمی نہیں کرتے۔'' خانم نے مسکرا کر کہا۔

''نوازش ہے آپ کی۔''

جواد نے صوفے کو ٹیک لگا کر کہا۔

''کہو...... کیا کہنا چاہتے ہو......؟''

خانم کو احساس تھا کہ یہ لڑکا ضرور بتیاں کے لئے آیا ہے۔''

''میں......'' وہ رُک گیا۔

''ہاں ہاں کہو...... شرماؤ مت...... تمہیں مناسب جواب ملے گا۔'' خانم نے کہا۔

''کہیں آپ کی طبع نازک پر گراں نہ گزرے۔'' جواد نے جھک کر کہا۔

''نہیں...... تم کہو تو سہی...... اگر کوئی ایسی بات ہوئی بھی تو ہم ضبط کر لیں گے۔'' خانم نے فراخ دلی کا ثبوت دیا۔

''عنایت ہے آپ کی...... ویسے ابا اس بات کی مخالفت کر رہے ہیں۔'' جواد ایک دم بول پڑا۔

''مخالفت کرنا اُن کا حق ہے۔'' خانم پوری طرح سمجھ چکی تھی۔

''جی...... کیا آپ جان گئی ہے......؟'' جواد بولا۔

''میرے اندازے کے مطابق تو تم بتیاں کے لئے آئے ہو...... اور تمہارے ابا اس لئے مخالفت کر رہے ہیں کہ وہ اس عمر میں خود بتیاں سے شادی کرنا چاہتے ہیں۔''

''ویری گڈ...... میں آپ کی ذہانت کی داد دیتا ہوں...... بات سمجھنے میں کس قدر ملکہ حاصل ہے آپ کو۔''

''یہ سب خدا کی مہربانی ہے...... تم آگے بات کرو...... کیا کہنا چاہتے ہو......؟'' خانم نے کہا۔

''میں بتیاں سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔'' جواد بے دھڑک بول اُٹھا۔

''یہ جان کر بھی کہ وہ ایک رقاصہ ہے۔'' خانم جان نے کہا۔

''میں سب جانتا ہوں کہ وہ ایک رقاصہ ہے اور اچھی گلوکارہ بھی ہے۔'' جواد بولا۔

''پھر بھی تم اُس سے شادی کرنا چاہتے ہو......؟''

''جی ہاں خانم سرکار...... یہ ساری دنیا جانتی ہے کہ آپ کا رقص و موسیقی کا ادارہ ہے...... فحاشی اور بے حیائی کا اڈہ نہیں۔'' وہ اپنے الفاظ میں وزن پیدا کر کے بولا۔

''یہ اللہ کا کرم ہے کہ میرا ادارہ کامیاب جا رہا ہے...... فحاشی کو ہم کبھی بھی پسند نہیں کرتے۔'' خانم سرکار کو اپنی اس خوبی پر فخر محسوس ہوا اور وہ بڑے تفاخر سے گردن اُونچی کرتے بولی۔

''پھر آپ اجازت دے دیجئے نا......!'' جواد کے الفاظ میں اصرار کا عنصر غالب تھا۔

''بتیاں سے پوچھے بغیر میں کیسے اجازت دے سکتی ہوں......؟''

''کیا آپ اُن کے قول و فعل کی ذمہ دار نہیں......؟'' وہ بولا۔

''مین اُن کی ہر طرح سے ذمہ دار ہوں...... لیکن زندگی گزارنے کا حق تو ہر لڑکی کا اپنا ہے...... اس پر میرا اختیار نہیں۔'' وہ نفی میں سر ہلا کر بولی۔

''پھر کیا کرنا ہوگا......؟'' جواد مایوس انداز سے گویا ہوا۔

''مجھے بتیاں سے پوچھنا ہوگا کہ اُس کی کیا رائے ہے۔'' خانم جان نے کہا۔

''وہ تو مجھے جانتی بھی نہیں۔'' جواد بولا۔

''تو پھر بات کیسے ہوگی......؟'' خانم جان نے سوچا۔

''میرا خیال ہے بابا کو جانتی ہے بتیاں۔'' جواد نے کہا۔

''اگر بابا کو جانتی ہے تو کام مشکل ہے۔'' خانم ہنس دی۔

''میں سمجھ گیا ہوں...... آپ بھی بہتر جانتی ہیں کہ بابا کو شادیاں کرنے کی عادت ہے۔'' جواد نے اپنے باپ کی کمزوری ظاہر کر دی۔

''عادت نہ کہو...... مشغلہ کہو!'' خانم نے کہا۔

''اب میں کب حاضر ہو جاؤں......؟'' وہ کھڑے ہوتے ہوئے بولا۔

''میں بتیاں سے بات کر لوں جواد صاحب...... اور تم بھی اپنے والد سے مشورہ کر لو...... اُن کا کیا ردِ عمل ہے۔''

خانم اور جواد ساتھ ساتھ ڈرائنگ رُوم کے دروازے کی طرف بڑھ گئے۔

☆☆☆

''بابا جان،....'' کمرے میں داخل ہوتے جواد نے آہستہ سے کہا۔
''آؤ آؤ برخوردار..... کیا بات ہے.....؟'' سیٹھ داؤد بڑی خوشدلی سے ہنس دیا۔
باپ کی خوشدلی دیکھ کر جواد کو حوصلہ ہوا۔ ''آپ سے کچھ کہنا چاہتا ہوں۔''
''کہو..... ایسی کون سی بات ہے..... کہو بھئی کہو.....!'' سیٹھ داؤد نے ہنس کر جواد کے شانے پر تھپکی ماری۔
''بابا جان..... آپ خانم جان کے پاس جائیے.....''
''کیا..... خانم جان کے پاس.....؟ تمہارا کیا واسطہ خانم جان سے.....؟'' سیٹھ داؤد یوں صوفے پر سے اُچھلا جیسے اُس کی ایڑی پر کسی زہریلے کیڑے نے ڈنک مار دیا ہو۔
''بابا جان..... میں بتیاں سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔'' وہ سادہ روئی سے بولا۔
''بتیاں سے شادی کرو گے..... اُس بدمزاج رقاصہ سے..... جو آج تک کسی کو گھاس نہیں ڈالتی.....؟'' وہ پھر جوش میں آ گیا۔
''آپ اجازت دے دیں.....'' جواد نے سرخ ہوتے اپنے باپ کو دیکھا۔
''میں اُس رقاصہ سے تمہیں شادی کرنے کی اجازت نہیں دے سکتا۔'' وہ اُچھل کر بولا۔
''کیوں بابا جان.....؟'' جواد نے کہا۔
''تمہیں نہیں معلوم..... میں تمہیں اجازت کیوں نہیں دے سکتا.....؟'' سیٹھ داؤد کے ماتھے کے بل اور تیز ہو گئے۔
''وہ ایک رقاصہ ہی تو ہے..... طوائف تو نہیں.....'' جواد نے برجستہ جواب دیا۔
''تمہیں کیا معلوم کہ وہ طوائف نہیں..... اُس کے روز و شب کے بارے میں تمہیں کیا معلوم؟'' سیٹھ داؤد صوفے سے کھڑا ہو گیا۔
''میں جانتا ہوں..... خانم جان کے ادارے میں موسیقی اور رقص کیا جاتا ہے۔ اور، تو فنکارانہ صلاحیت ہے۔'' جواد نے کہا۔

''ہنہ..... ہم شریف لوگ ہیں..... دنیا تھوتھو کرے گی کہ سیٹھ داؤد کے اکلوتے بیٹے کو طوائف کے علاوہ اور لڑکی نہ مل سکی۔'' سیٹھ داؤد نے طوائف کا لفظ استعمال کر کے جواد کو نفرت دلانا چاہی۔
''آپ نے ساری زندگی خانم جان کی حویلی میں گزار دی..... اور بتیاں کو شادی کے لئے مجبور کرتے رہے..... اُس وقت آپ کی خاندانی شرافت کہاں تھی.....؟'' جواد نے باپ کو آئینہ دکھا دیا۔
پردہ اُٹھا اور سلطانہ بیگم داخل ہوئی..... ''سارے خاندان میں یہ بات مشہور ہے کہ داؤد کا فالتو وقت طوائف کے کوٹھے پر گزرتا ہے..... گھر کی شریف عورت اُسے اچھی نہیں لگتی۔ اور..... اب رہی سہی کمی تو پوری کر دو۔'' سلطانہ بیگم نے جواد کی طرف دیکھا۔
''امی جان..... میں تو صرف بتیاں سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔'' جواد نے نرم لہجے میں جواب دیا۔
''آخر تم بھی اسی باپ کی اولاد نکلے جس کی ساری عمر عشق بتاں میں کٹی.....'' سلطانہ بیگم کہتے ہوئے کمرے سے باہر نکل آئیں۔
''بابا جان..... آپ کی اجازت چاہئے..... اماں کو میں راضی کر لوں گا۔'' جواد نے ایک اور حربہ استعمال کیا۔
''مجھے سوچ لینے دو..... ہو سکتا ہے قرعہ تمہارے حق میں نکل آئے۔'' جب سیٹھ داؤد نے دیکھا کہ بیٹا ٹلنے والا نہیں تو یوں کہہ کر اپنی جان چھڑائی۔
''ٹھیک ہے بابا جان.....!'' وہ جانے کے لئے دروازے کی طرف بڑھا۔
لیکن بات جوں کی توں رہی..... سیٹھ داؤد جو خود بتیاں کو چاہتا تھا اور اُس سے شادی کا بھی خواہاں تھا اب بیٹے کی بیوی بنا کر خود احساس کمتری کا شکار ہو جائے گا۔ خانم اور بتیاں کی نگاہ میں اُس کی کیا اہمیت رہ جائے گی.....؟ اُسے بوڑھا اور طویل عمر جان کر بتیاں نے ٹھکرا دیا..... اور اب جبکہ وہ میرے بیٹے کی بیوی اور میری بہو بنے گی تو میں کس طرح اُس کے سامنے جا سکتا ہوں..... میرا کیا وقار رہ جائے گا؟
نہیں نہیں..... ہرگز نہیں..... میں کبھی بھی بتیاں کو جواد سے شادی کی اجازت نہیں دے سکتا..... بتیاں شمع محفل تو بن سکتی ہے..... چراغ خانہ نہیں بن سکتی..... ایک بیٹا ہے۔ اُس کے لئے شریف عورت ہونی چاہئے..... اس سوچ کے ساتھ ہی اُس نے اپنی بیوی

سلطانہ بیگم کو بڑی گرج دار آواز میں پکارا......

''سلطانہ بیگم......!''

''کیا بات ہے...... پھر کوئی مسئلہ آن کھڑا ہوا ہے......؟'' وہ خود اس طرح سیٹھ داؤد کے چلانے پر گھبرا کر اندر آئی۔

''مسئلہ بہت پیچیدہ ہے...... ملازم کو چائے کا کہہ دو...... اور خود میری بات سنو!'' سیٹھ داؤد نے سگریٹ ایش ٹرے میں ملا۔

''آ رہی ہے چائے......'' سلطانہ بیگم واپس آ کر سامنے صوفے پر بیٹھ گئی۔

''اب تم بتاؤ! اس کا کیا حل ہے؟'' سیٹھ داؤد نے تشویش بھرے لہجے میں کہا۔

''میں کیا کہہ سکتی ہوں...... وہ اڑا ہوا ہے...... بہت سمجھایا ہے اُس کو۔'' سلطانہ بیگم نے سیٹھ داؤد کو گہری نگاہ سے دیکھا۔

''تم اُس کی ماں ہو۔ روکو اُس کو...... یہ خاندانی وقار کا مسئلہ ہے۔'' سیٹھ داؤد نے کہا۔

''سارا وقار اُسی کے حصے میں آ گیا...... تمہیں اب تک عقل کیوں نہیں آئی؟'' سلطانہ بیگم نے تنگ کر جواب دیا۔

''میری بات اور ہے۔'' سیٹھ داؤد کھسیانہ سا بولا۔

''تمہاری بات کیوں اور ہے......؟ وہ بھی تمہارا بیٹا ہے...... کسی طرح نہیں مانے گا۔'' سلطانہ بیگم کو بھی سیٹھ کی گزشتہ کوتاہیوں پر غصہ آنے لگا۔

''دیکھو...... اس وقت میری بات نہیں ہو رہی...... جواد کی بات ہو رہی ہے۔'' سیٹھ داؤد کو کوئی بات نہ ملی۔

''وہ بھی تمہاری وجہ سے ضد کر رہا ہے۔'' سلطانہ بیگم نے زچ ہو کر ہاتھ ہوا میں لہرایا۔

''اچھا...... مجھے منوانا آتا ہے...... دیکھوں گا کیسے نہیں مانتا۔'' سیٹھ جواد نے دوسرا حربہ استعمال کیا۔

''کیا کرو گے......؟'' سلطانہ بیگم کا ماتھا ٹھنکا۔

''میں اُسے جائیداد سے عاق کر دوں گا...... سب عیش دھرے کے دھرے رہ جائیں گے۔'' سیٹھ داؤد نے دائیں ہاتھ کا مکہ بائیں ہاتھ کی ہتھیلی پر مارا۔

''کیا......؟ اس نگوڑی شادی کے لئے اُسے تہی دست کر دو گے...... کیا تمہیں رحم نہیں آئے گا......؟''

''مجھے رحم...... وہ رحم کے قابل نہیں ہے۔''

''ایسا مت کرو سیٹھ...... ایک ہی بیٹا ہے...... پھر تم اس قدر جائیداد کیا کرو گے...... سب کچھ اِن دو بچوں کا ہی تو ہے۔'' باتوں باتوں میں سلطانہ بیگم نے سمجھایا۔

''جب وہ میری بات نہیں مان رہا تو میں اُسے جائیداد میں سے ایک پائی دینے کو بھی تیار نہیں...... میں تو حیرت زدہ ہوں کہ اُس نے بتیاں کو کہاں دیکھ لیا......؟'' سیٹھ داؤد سوچنے لگا۔

''جس طرح تم نے دیکھا...... اُسی طرح کسی ناچ گھر میں اُس نے دیکھ لیا ہو گا۔'' زبردست طنز آمیز بات کہہ کر وہ اُٹھ کھڑی ہوئی۔

سیٹھ داؤد سوچتے سوچتے لیٹ گیا...... وہ تو اب بھی بتیاں کو فراموش نہ کر سکا تھا...... اگر آج بتیاں مان جائے تو اُس حسن کی دیوی کو اس محل کی زینت بنا لے...... اُسے دولت و عشرت اور عیش چاہئے...... اور اُسے کیا چاہئے......؟ لیکن اُس کا دماغ زیادہ پھرا ہوا ہے۔ وہ بتیاں کے حسین خیالات میں مدہوش نیند کی وادی میں اُتر گیا۔

جانس نے تمام کام نمٹا لئے تھے...... اب صرف مسئلہ اس جائیداد کا تھا جو خانم جان نے دوسرے لوگوں سے مل کر خریدی تھی۔

چند دن پھرتے پھراتے گزر گئے......

گاڑی پورچ میں روک کر وہ سیدھا حویلی میں خانم کے کمرے میں آ گیا۔

''جانم......'' پیار سے وہ خانم کو جانم کہہ کر ہمیشہ سے پکارتا تھا۔

''آ جاؤ جانس...... اتنی دیر لگا دی۔''

وہ تھکا تھکا سا پلنگ پر بیٹھ گیا...... اور کاغذات کی فائل خانم جان کے سامنے رکھ دی۔

''بہت تھک گئے ہو...... اتنا کام مت کیا کرو......'' خانم جان نے کہا۔

''نہیں...... چند دن اور لگ جائیں گے۔'' جانس نے کہا۔

خانم نے اپنے دوپٹے سے جانس کے چہرے پر پڑی گرد کو صاف کیا...... اور سنہری بالوں کو درست کیا۔ ''چائے منگواؤں...... تمہیں بھوک بھی لگی ہو گی...... صبح سے لوٹے ہی نہیں......'' خانم نے کال بیل پر اُنگلی رکھ دی۔

''بس! چائے کے ساتھ ہلکی پھلکی کوئی چیز...... کھانا اکٹھے کھائیں گے۔'' جانس نے ٹیک لگا لی۔

چند لمحوں کے بعد پیارے لال حاضر ہوا۔ ”پیارے لال! خانساماں کو کہو! صاحب کے لئے اچھی سی چائے......اور ساتھ کچھ......“

”بہت اچھا خانم سرکار......!“ پیارے لال باہر نکل گیا۔

”جانم! تم بہت لکی ہو...... میں نے جس کام کے لئے بھی ہاتھ ڈالا اُس میں کوئی رخنہ پیدا نہیں ہوا......سب کام بخوبی انجام پا گئے...... یہ دیکھو! اب کوئی کام باقی نہیں رہا۔ الحمراوالے تمام کام مکمل ہو گئے۔“ جانس نے کاغذات کھول کر خانم کے سامنے رکھ دیئے۔

جانس ٹیک لگا کر بیٹھا رہا اور وہ اپنی پھٹی پھٹی آنکھوں سے تمام کاغذات کو بغور دیکھتی رہی...... ایک جگہ اُس کی نظریں جم سی گئیں...... ”جانس! یہ تم نے کیا، کیا......؟“ ایک جگہ بغور دیکھ کر وہ چونک گئی۔

”کیا ہوا......؟“ جانس نے اُٹھ کر کاغذات کو دیکھا اور بڑی چاہت سے خانم سے نظریں ملائیں۔

”سب کچھ میرے نام کر دیا......“ خانم نے اُس شخص کو دیکھا جو کس قدر بے لوث محبت کرتا تھا۔

”کیا کرتا......اس کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے۔“ وہ مسکین سا منہ بنا کر بولا۔

”کیا مطلب ہے تمہارا......؟“ وہ بولی۔

”یہی کہ میں خود اپنی تمام تر پراپرٹی تمہارے نام کر دینا چاہتا ہوں۔ میں نے ان جائیداد کو تمہارے نام کر دینے کو کہا تھا۔“

”خانم جان مسکرا دی......

”تم جرمن چلو......میری ساری جائیداد کی مالک تم ہوگی...... میں خانم سے مانگ کر لوں گا...... مجھے اچھا لگتا ہے۔“ وہ محبت پاش نگاہوں سے خانم کو دیکھ کر ہنس دیا۔

”جانس......تم اپنے ظاہر کی طرح اندر سے بھی اُتنے ہی خوبصورت ہو۔ تمہارا باطن کس قدر روشن ہے...... میں اتنا سوچ بھی نہیں سکتی۔“

”بس......سوچو بھی نہ......تمیں سال بہت سوچا ہوگا......“

ملازم چائے لے آیا...... دونوں نے بڑے فرحت بخش انداز میں چائے نوش کی اور شام کے دھندلکے پھیلتے ہی لان میں نکل آئے۔

☆☆☆

”اُٹھو یار......کام پر نہیں جاؤ گے؟“ ذاکر نے بالے کو جھنجھوڑ ڈالا۔

”نہیں جاؤں گا میں کام پر۔“ بالے نے کھینچ کر پھر لحاف اُوپر لے لیا۔

”آج تنخواہ ملے گی...... اُٹھ نا!“ ذاکر نے پھر اُسے گھسیٹا۔

”تم لے آنا......میرا جی نہیں چاہتا۔“ وہ اُٹھ کر بیٹھ گیا۔

”تو پاگل ہو گیا ہے...... جوان آدمی ہے......زندگی آسان کر یار!“ ذاکر نے بالوں کو سنوار کر شیشہ ایک طرف رکھ دیا۔

”کیا آسان کروں......جس کے لئے آیا تھا...... وہ بھی نہیں مل رہی۔“ بالے نے مایوس نگاہیں ذاکر کی طرف ڈالیں۔

”بتیاں اِس دنیا میں نہیں ہے......بھول جا اُس کو......“ ذاکر بیٹھتے ہوئے بولا۔

”وہ کون ہے......نام بھی اُس کا بتیاں ہے......خوبصورت بھی وہ ویسی ہے......بس ذرا بات کرنے کا سٹائل بدل گیا ہے۔“ بالے نے دونوں ہاتھوں سے بالوں کو سیدھا کیا اور چارپائی سے اُٹھ گیا۔

”اگر وہ تمہاری بتیاں ہوتی نا تو یوں نہ کہتی...... اقبال صاحب! آپ غلط جگہ پر آ گئے ہیں...... ناموں کا کیا ہے......کوئی بھی رکھ سکتا ہے......اب دیکھو نا! ہمارے کئی ملازم ہیں جن کا نام اقبال ہے۔ آپ بھول رہے ہیں اقبال صاحب......!“ ذاکر نے یونہی نقل اُتارتے عورتوں کی طرح کہا۔

بالا ہنس دیا۔ ”ہاں! تو بھی ٹھیک کہہ رہا ہے ذاکر......اگر وہ میری بتیاں ہوتی تو یوں نہ کہتی......وہ تو میرا ہمیشہ انتظار کرتی......“ بالے نے سر کو جھکا لیا۔

”جلدی سے تیار ہو جا...... میں ناشتے کے لئے جا رہا ہوں۔“ وہ دروازے تک جاتے بولا۔

”میرے لئے ناشتہ نہ لانا...... میں ناشتہ نہیں کروں گا۔“ بالے نے کہا۔

”مرنے کا ارادہ ہے......رات کو بھی تو نے عشق میں کھانا نہیں کھایا...... وہ دیکھ! سڑ رہا ہے الماری میں......“ ذاکر نے سامنے الماری کی طرف اشارہ کیا اور باہر نکل گیا اور بالا باتھ روم کی طرف چلا گیا۔

”آ جا......تھوڑا بہت ہی کھا لے......!“ ذاکر نے ایک چھوٹی میز پر پوریاں اور چنے کا سالن رکھ دیا۔

''آ رہا ہوں یار......!'' بالا ایک ہاتھ سے تولئے سے منہ پونچھتا ہوا کرسی پر بیٹھ گیا۔

دونوں مل کر کھانے لگے۔

''کیا سوچ رہے ہو......؟'' ذاکر نے دیکھا وہ خاموش لقمہ چبا رہا تھا۔

''تمہیں معلوم ہے میں کیا سوچ رہا ہوں؟'' بالے نے نظریں اُٹھا کر ذاکر کی طرف دیکھا۔

''معلوم ہے......تو بتیاں کے بارے میں سوچ رہا ہے نا...... ہزار بار تجھے کہا ہے وہ بتیاں نہیں ہے یار......تم کہہ رہے ہو کہ تیرہ چودہ سال کی عمر تھی جب وہ اغوا ہوئی تھی...... اب کتنا عرصہ بیت گیا...... کہیں مرکھپ گئی ہوگی...... چل کھا......!'' ذاکر نے اُسے کھانا چھوڑ کر بیٹھتے دیکھ کر ایک نوالہ اُس کے ہاتھ میں تھما دیا۔

''ہاں! تیری بات بھی درست ہے......اب تو نو دس سال ہو گئے اُسے گئے ہوئے۔''

''اُسے بھول جا! اور کہیں اور شادی کر لے......!'' ذاکر نے لاپرواہی سے چائے حلق میں اُنڈیلی۔

''او جا...... شادی کر لے...... ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔'' بالے نے چونک کر اُس کی طرف دیکھا۔

''تو ساری عمر یونہی برباد رہے گا؟'' ذاکر بولا۔

''وہ ملے یا نہ ملے...... میرے آنگن میں صرف بتیاں ہی نظر آئے گی...... دوسری عورت نہیں......'' وہ ایک مصمم ارادے کے تحت کھڑا ہو گیا۔

ذاکر نے کمرے کو تالا لگایا اور دونوں اپنے کام پر روانہ ہو گئے۔

بہت دن گزر گئے......

ہر شخص اپنی دُھن میں سوار تھا...... ایک دن اچھا موقع دیکھ کر خانم نے بتیاں کو بلا کر پوچھنا چاہا۔

''پیارے لال! بتیاں کو بھیجو......''

''بہتر سرکار......''

''بتیاں...... تمہیں خانم سرکار نے یاد کیا ہے۔'' پیارے لال نے اندر داخل ہوتے ہوئے کہا۔

''کیوں......؟'' بتیاں نے ٹیپ کا سوئچ بند کیا۔

''معلوم نہیں......'' پیارے لال صوفے پر بیٹھتا ہوا بولا۔

''پھر بھی...... تمہیں کچھ تو پتہ ہوگا۔ ایسی کوئی خطا بھی نہیں ہوئی ہم سے۔'' بتیاں نے آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر اپنا سراپا دیکھا۔

''اب تو خانم سرکار چھوٹی موٹی خطا کچھ نہیں کہتیں۔'' پیارے لال نے بتیاں کے دراز بالوں کو دیکھا جو کولہوں سے نیچے لٹک رہے تھے۔

''ہاں...... بہت خوش قسمت ہیں خانم سرکار...... اتنا پیار کرنے والا شوہر...... اور اس عمر میں۔'' وہ سوچنے لگی۔

''تم چلو تو سہی...... بس! جلی کٹی ہی رہنا...... ارے بابا! تم سے تو سب پیار کرتے ہیں...... اب تو جیون بائی کا غصہ بھی ٹھنڈا ہو گیا۔'' پیارے لال نے بتیاں کے روشن رُخساروں کو دلچسپی سے دیکھا۔

''پیارے لال! تمہیں اتنا تو علم ہے نا کہ زندگی بنا سہارے نہیں گزر سکتی۔'' وہ پیارے کے شانے پر ہاتھ رکھ کر بڑے شریر انداز میں بولی۔

''بتیاں......! تم بہت سہاروں کی مالک ہو...... سچ پوچھو تو ہم صرف تمہاری وجہ سے جیون کے دن کاٹ رہے ہیں۔'' وہ اُداس ہو گیا۔

''پیارے لال...... کاش! میں تمہیں اپنا سہارا بنا سکتی......تم اچھے انسان ہو......'' وہ مایوسانہ انداز میں پیارے لال کو دیکھنے لگی۔

''میں تیری چوکھٹ پر سجدہ تو کر سکتا ہوں لیکن تیرا سہارا نہیں بن سکتا......'' وہ دل گرفتہ سا بولا۔

''دل میلا مت کرو...... میں جہاں بھی رہوں گی میرے ساتھ رہو گے نا......؟'' وہ ہنس کر بولی۔

''کیوں نہیں......ضرور...... اور مجھے کیا چاہئے؟...... بتیاں! میں تمام عمر تیرے ساتھ رہوں گا...... تیری حفاظت کروں گا...... تیرا محافظ۔'' پیارے لال نے دل سے کہا۔

''واہ واہ...... بہت اچھا......'' بتیاں نے تالی بجائی۔

تم دونوں گپیں ہانک رہے ہو...... کب سے تمہیں خانم سرکار بلا رہی ہیں۔'' جیراں نے تھوڑی سی نرمی اور تھوڑی خفگی سے کہا۔

''جا رہی ہوں اماں...... پیارے لال نے باتیں شروع کر دی تھیں۔'' وہ شریر لہجے

میں بولی اور چہرا چھپا کر ہنس دی۔

''یہ تو ہے ہی باتونی...... باتوں کی کمائی تو کھاتا ہے...... نہ کام نہ کاج......''

''بس بس جیون بائی...... یہ محاورہ مجھ پر نہیں بیٹھتا...... سارا دن کام کرتا ہوں...... جب سے سر جانس آئے ہیں اندر باہر کام میرے ذمہ ہی ہے...... مفت کی روٹیاں نہیں توڑتا۔ ہاں......'' پیارے لال کو غصہ آ گیا اور بتیاں کھلکھلا کر ہنس دی۔

''دیکھا...... زبان کیسی قینچی کی طرح چل رہی ہے...... کہتا ہے میں بولتا ہی نہیں۔'' دونوں کو جھگڑتا چھوڑ کر بتیاں خانم سرکار کے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

تھوڑا سا پردہ سرکا...... خانم ایک دم چونک گئی۔

''آؤ بتیاں...... تمہارا انتظار ہے مجھے۔''

''آداب خانم سرکار......''

''آؤ بیٹھو...... کیسی ہو......؟''

''بہت اچھی......!'' وہ مسکرا کر صوفے پر بیٹھ گئی۔ ''خانم سرکار...... خدا آپ کو ہمیشہ خوش رکھے...... آپ اس طرح مسکراتی بہت اچھی لگتی ہیں۔'' آج بتیاں نے خانم کے چہرے کو متبسم دیکھ کر جرات کر ہی لی۔

''ہاں بتیاں! میری زندگی میں مسکرانا تو جیسے ختم ہی ہو چکا تھا...... جانس اس قدر اچھا انسان ہے کہ میں اُسے فراموش نہ کر سکی۔'' خانم کے چہرے پر جیسے پھول کھل رہے ہوں۔

''سر جانس بھی قابل تعریف ہیں...... ایسے انسان مقدر سے ملتے ہیں۔'' بتیاں افسردہ سی ہو گئی۔

''ہاں بتیاں...... قسمت نے میرے ساتھ یاوری کی ہے...... جانس نے میری خاطر دولت، جائیداد، شادی بلکہ اپنا مذہب بھی چھوڑ دیا......'' خانم والہانہ انداز میں بولی۔

بتیاں خاصی دیر خاموش ہی رہی...... اُس کے چہرے کے اُتار چڑھاؤ سے اندازہ ہو رہا تھا کہ اُس کے اندر ایک الاؤ جل رہا ہے...... جس کی تپش اُس کے سفید چہرے پر دکھائی دے رہی تھی۔

''بتیاں! کیا بات ہے...... تمہیں کوئی یاد آ رہا ہے؟'' خانم کی قیاس آرائی غلط نہ تھی۔

''اب کیا فائدہ خانم سرکار! اتنے سال بیت گئے...... اور پھر یادوں کا کیا ہے؟ یاد کیا تو یادیں ہی رہتی ہیں۔'' بتیاں انتہائی مایوس لگ رہی تھی۔

''تم جب میرے پاس آئی تھی تو تمہاری عمر بمشکل بارہ تیرہ برس کی تھی...... اُس وقت سے اب تک اگر کوئی ایسا شخص جو تمہاری نظروں میں اس قابل ہو جو تمہارا ساتھ دے سکے تو میں تمہیں اجازت دیتی ہوں کہ تم اُس کے ساتھ زندگی گزار سکتی ہو۔'' آج خانم بڑے دل کا مظاہرہ کر رہی تھی۔

''خانم...... آپ کہہ رہی ہیں؟'' بتیاں چونک سی گئی۔

''ہاں بتیاں...... تم میری بات سے حیران تو ہو گئی ہو...... لیکن میں چاہتی ہوں کہ جانے سے پہلے میں تم لوگوں کو کسی مقام پر کھڑا کر جاؤں۔'' خانم غمگین لہجے میں بولی۔

''خانم! یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں...... آپ ہمیں چھوڑ جائیں گی؟'' بتیاں نے تڑپ کر پہلو بدلا۔

''جانس نے سب کام مکمل کر لئے ہیں...... اب جانے کا کام رہ گیا ہے۔ دارالراحت کا کام بھی مکمل ہے...... اب صرف تمہارا کام باقی ہے۔''

''میرا کام...... میرا کون سا کام خانم سرکار......؟'' بتیاں نے حیرت سے منہ کھولا۔

''دیکھو بتیاں! تم تمام لڑکیوں سے چھوٹی ہو...... تمہیں کسی مضبوط ہاتھ کے سپرد کر کے جاؤں تو مجھے وہاں بھی چین رہے گا۔'' خانم سرکار نے کہا۔

''خدارا خانم سرکار! کھل کر بات کریں...... ہمیں پہیلیاں مت بجھوائیں۔'' بتیاں کو خانم کی جدائی کا پہلے ہی بہت دُکھ تھا۔

''دیکھو بتیاں! میں چاہتی ہوں کہ تم کسی اچھے شخص سے شادی کر لو'' خانم کی نگاہوں میں جواد کا ہیولہ گھوم گیا۔

''شادی...... کون ایسا شخص ہو گا جو ہم سے شادی کرے گا؟'' وہ مایوسانہ لہجہ اختیار کر گئی۔

''کیوں نہیں کرے گا...... تم باعزت ہو...... دوشیزہ ہو...... تمہاری اچھی تربیت میں ہم نے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔'' خانم نے بڑے وثوق سے کہا۔

''خدا کے بعد آپ کا بہت احسان ہے خانم سرکار! کہ آپ نے ہمارے لئے ایسا ماحول مرتب کیا جہاں ہماری عزت ہمارے تقدس کو گزند نہیں پہنچا...... اس کے لئے ہم سب لوگ آپ کے شکر گزار ہیں۔'' بتیاں نے احسان مند نگاہیں خانم پر ڈالیں۔

''خیر! اب اصل موضوع کی طرف آ جاؤ......'' خانم نے کہا۔

''جی کیسے......؟'' بتیاں ہمہ تن گوش ہو گئی۔

"میں چاہتی ہوں کہ تم شادی کرلو۔" خانم نے بتیاں کے چہرے کی طرف بغور دیکھا۔

"ہم کس سے شادی کریں خانم سرکار...... ایسا کوئی نہیں جو ہمیں نئے ساحل تک لے جائے......" ...... وہ پھر کھو گئی...... وہ بری طرح بالے کو یاد کر کے افسردہ ہو گئی۔

"بہت بڑی زمین ہے...... کوئی تو ہوگا جسے تم پسند کرتی ہوگی۔" خانم نے بتیاں کو ٹٹولا۔

"نہیں خانم سرکار...... ایسا کوئی بھی نہیں...... اور نہ ہی اس نظر سے ہم نے کسی کو دیکھا۔ اگر کوئی تھا تو اُس کو ہم نے خود کھو دیا۔" بتیاں کو بالا شدت سے یاد آنے لگا۔

"کسی نے تمہیں اِس نظر سے دیکھا ہو...... کوئی نگاہِ التفات اُٹھی ہو......" خانم بال کی کھال اُتارنے میں کمال رکھتی تھی۔

"ہم نے کسی کی طرف دیکھا ہی نہیں تو نگاہِ التفات کس طرح پہچان سکتے ہیں؟" بتیاں نے سادگی سے جواب دیا۔

"یہ تو ہمیں بھی علم ہے...... اور جیون بائی بھی یہی کہتی رہی ہے کہ بتیاں دورانِ رقص بھی نظر اُٹھا کر نہیں دیکھتی...... یہ کیسی لڑکی ہے......" خانم ہنس کر بولی۔ بتیاں بھی مسکرا دی۔

"بتیاں! چند دنوں میں اپنے لیے کسی بہتر شخص کا انتخاب کرلو......" خانم جان نے کہا۔

"اگر میں ناکام رہی تو......؟" بتیاں جانتی تھی اُس کی نظر میں کوئی نوجوان نہیں ہے۔

"اگر تم ناکام رہی تو میں تمہیں بتا دوں گی...... وہ تمہیں پسند بھی کرتا ہے۔" خانم نے دیکھا گاڑی پورچ میں کھڑی ہوئی تھی۔

"میں جاؤں سرکار......؟"

"ہاں جاؤ...... لیکن چند دنوں میں مجھے بہتر اطلاع ملنی چاہیے۔" خانم نے بتیاں کے ساتھ چلتے چلتے سامنے پورچ میں دیکھا...... جانس اُس طرف ہی آ رہا تھا۔

"جاؤ۔" خانم نے کہا اور بتیاں اپنے کمرے میں جانے والا زینہ چڑھ گئی۔

"چائے...... اللہ تم کتنے اچھے ہو پیارے لال...... موسم بھی ابر آلود ہے اور چائے......" وہ پیارے لال کو چائے بناتے دیکھ کر بہت خوش ہوئی۔

"مجھے معلوم ہے اس موسم میں چائے انسان کی اشد ضرورت ہے...... لہٰذا میں بنا لایا۔" پیارے لال نے کپ بنا کر اُس کے سامنے رکھا اور دوسرا خود لے لیا۔

بتیاں نے بڑے مرغوب انداز میں چسکی لی اور کپ رکھ دیا۔

"بڑی باتیں ہوئیں...... کیا چکر ہے؟" پیارے لال بڑا اُلپک کر بولا۔

"تمہیں نہیں معلوم......؟" بتیاں نے نظریں اُٹھائیں۔

"سب معلوم ہے...... لیکن میں تمہاری زبان سے سننا چاہتا ہوں۔" پیارے لال نے نمکین بسکٹ بتیاں کو پیش کیے۔

"اب خانم سرکار میری شادی کرنا چاہتی ہیں۔ کون شادی کرے گا ہم سے؟" وہ بولی۔

"تم ایک مرتبہ ہاں تو کرو...... رشتوں کی لائن لگا دوں۔" وہ شریر انداز میں حسب عادت گویا ہوا۔

"چل چل...... بکواس نہ کر! باتیں بنانی تجھے خوب آتی ہیں۔" بتیاں نے ہنستے ہوئے ایک زوردار مکہ پیارے لال کی کمر پر رسید کیا۔

"اوہو...... کہیں ہاتھ نہ مُڑ جائے...... یہ تو چٹان ہے چٹان......" وہ اپنی پشت پر ہاتھ ٹھونکنے لگا۔

"تم ٹھیک کہتے ہو پیارے...... میرا تو ہاتھ دُکھنے لگا۔" وہ دوسرے ہاتھ سے اپنا ہاتھ دبانے لگی۔

"میں نے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ چٹان پر کسی چیز کا اثر نہیں ہوتا۔" وہ ہنس کر بتیاں کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ کر دبانے لگا...... "لو! چائے پیو...... آئندہ خیال رکھنا۔" وہ پھر شرارت بھرے انداز میں خبردار کرتے بولا۔

وہ مسکراتے ہوئے بسکٹ چبانے لگی۔

"بتیاں......" کچھ گہری سوچ کے بعد پیارے لال نے کہا۔

"بولو......" بتیاں نے دیکھا وہ سنجیدہ تھا۔

"وہ جو اقبال نامی ایک لڑکا آیا تھا...... جسے تم نے پہچاننے سے انکار کر دیا تھا؟" پیارے لال کو اچانک یاد آ گیا۔

"تم کہنا کیا چاہتے ہو؟" وہ بولی۔

"میرا مطلب ہے کہ وہ شریف آدمی ہے...... اُس سے شادی ہو سکتی ہے تمہاری۔" وہ ایک دم بولا۔

"کیا کہہ رہے ہو تم...... بالے میرا مطلب ہے کہ اقبال کے بارے میں کہہ رہے ہو؟" وہ بے خیالی میں بالے کہہ کر فوراً اپنی زبان بدل گئی......

وہ صرف بتیاں کو دیکھتا رہ گیا۔

''کیا تم نے اُس لڑکے کو کہیں دیکھا......؟'' بتیاں بولی۔

''میں نے اُسے کہیں نہیں دیکھا...... اُسی دن دیکھا تھا جب وہ روتا ہوا یہاں سے گیا تھا......'' پیارے لال کو بھی دل ہی دل میں افسوس ہو رہا تھا۔

''اچھا...... وہ نہ جانے کس شبہ میں یہاں آ گیا...... بس! بتیاں نام کی مماثلت سے دھوکہ کھا گیا۔'' بتیاں کا دل بری طرح رو دیا...... لیکن اُس کے آنسو صرف دل کی حد تک ہی محدود رہے...... جب آنسو پلکوں کی دہلیز پار کرتے تو کائنات ہی اُس کے آنسوؤں میں ڈوب جاتی۔

''پیارے لال......'' وہ ایک دم بولی۔

''کہو......!'' پیارے لال اپنے دو ہاتھ پشت کی جانب رکھ کر صوفے سے ٹیک لگا کر بیٹھا تھا۔

''اُس کا پتہ تو لگانا...... یعنی کہ اقبال کا۔''

''شادی کے لئے......؟'' وہ بولا۔

''ہاں...... میں کہہ دُوں گی کہ میں ہی بتیاں ہوں...... کیوں پیارے لال؟'' خود سوال کرتی اور خود ہی جواب۔

''تم چاہے اُسے جانو یا نہ جانو وہ تمہیں جانتا ہے...... میرا دل کہتا ہے وہ تمہیں جانتا ہے۔'' وہ سچے دل سے اقبال کی گواہی دینے لگا۔

''تم اُسے تلاش تو کرنا...... وہ تو ایسا گیا پھر پلٹ کر نہیں آیا۔'' بتیاں کو آج بالا شدت سے یاد آنے لگا۔

''معلوم نہیں وہ کہاں سے آیا تھا اور کہاں چلا گیا...... کراچی اتنا بڑا شہر ہے...... یہاں انسانوں کی بھیڑ میں ایک شخص کو تلاش کرنا بہت مشکل کام ہے۔''

اور وہ جو بتیاں کے عشق میں سرگرداں تھا تھک ہار کر بیٹھ گیا...... گو اُس کا دل نہ مانا کہ وہ بتیاں نہیں تھی۔ لیکن ذاکر کی بات کو مان کر جانے کا ارادہ کر لیا۔

''کیا تم واقعی جانے کے لئے تیار ہو؟'' ذاکر نے اندر آ کر پوچھا۔

''ہاں...... جب میرا مقصد حل نہیں ہوا تو یہاں رہنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔''

''بتیاں نہیں ملی تو اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ تم نوکری چھوڑ دو۔'' ذاکر نے کہا۔

''میری زندگی کا مقصد ہی اُس کی تلاش ہے...... روٹی کا کیا ہے...... میں کہیں بھی کما سکتا ہوں۔'' بالے نے کہا۔

''اس سے اچھی مزدوری تمہیں کہیں نہیں ملے گی۔'' ذاکر نے پانی کا گلاس خالی کر کے قریبی میز پر رکھا۔ لیکن اس کے جواب میں بالا خاموش ہی رہا۔

''کیا سوچنے لگے ہو......؟'' ذاکر نے پوچھا۔

''یار! ایک ہی سوچ نے گھیرا کر رکھا ہے...... کس ظالم نے بتیاں کو اُٹھایا کہ آج تک معلوم نہیں ہو سکا...... بتیاں کو زمین کھا گئی یا آسمان نے اُٹھا لیا؟'' وہ بڑے کرب سے پہلو بدل کر لیٹ گیا۔

''آؤ! کہیں باہر چلیں۔'' ذاکر نے بالے کا ہاتھ پکڑ کر اُسے اُٹھانا چاہا۔

''چھوڑو یار......'' وہ ناگواری سے ہاتھ جھٹک کر بولا۔

ٹھک ٹھک...... دروازے پر دستک ہوئی۔

''اس وقت کون آ گیا......؟'' ذاکر نے چونک کر کہا۔

''اتوار ہے...... کوئی مہمان ہو گا۔'' بالا بولا۔

''تمہاری بتیاں تو نہیں آ گئی؟'' ذاکر نے ہنستے ہوئے کہا۔

''کاش! میری بتیاں آ جائے تو تمہارا منہ لڈوؤں سے بھر دُوں......'' بالے نے بڑی آس سے دیکھا...... کنڈی گری اور جوان سال لڑکی داخل ہوئی۔

''السلام علیکم!'' لڑکی نے مسکرا کر کہا۔

''وعلیکم السلام!'' ذاکر بولا اور بالا صرف سامنے دیکھتا رہا۔

''اماں نے نیاز دلائی تھی...... یہ آپ کے لئے لائی ہوں۔'' لڑکی نے بالے کی طرف دیکھتے ہوئے ڈھکی ہوئی پلیٹ ذاکر کو تھما دی۔ ذاکر نے الماری سے پلیٹ نکال کر چاول اُنڈیلے اور پلیٹ لڑکی کو واپس کر دی۔ لڑکی بالے کو دیکھتی ہوئی باہر نکل گئی۔

''یہ کون تھی......؟'' بالے نے پوچھا۔

''تمہیں نہیں معلوم؟'' ذاکر حیرت سے بولا۔

''نہیں......'' بالے نے کہا۔

''یہ ساتھ ہمسائے ہیں...... نئے کرایہ دار...... جن کے مکان میں ہم رہ رہے ہیں۔''

ذاکر نے کہا۔

''اچھا......'' بالا چارپائی پر چت لیٹ گیا۔

''کیسی ہے......؟'' ذاکر نے چھیڑا۔

''کون......؟'' بالا چونکا۔

''وہی لڑکی...... تمہاری طرف تو بڑا دیکھ رہی تھی۔'' ذاکر بولا۔

''ہاں! شکستہ آرزوؤں کے ڈھیر کو دیکھ رہی تھی۔'' بالا بولا۔

''بس بس...... اس قدر مایوسی کی باتیں مت کیا کر...... دنیاداری سیکھ لے!'' ذاکر نے چارپائی پر بیٹھتے ہوئے تکیہ گود میں رکھا۔

''کیا مطلب ہے تمہارا......؟'' بالے نے ذاکر کو دیکھا۔

''یار! ذرا ہنس کے بات کرلیا کر...... تیری تو ساری ہنسی بس وہ بتیاں ہی اپنے ساتھ لے گئی ہے...... دوسروں کا حق کیوں مار رہا ہے؟'' ذاکر ہنس دیا۔

''تم ٹھیک کہتے ہو...... بتیاں میرا سب کچھ لے گئی ہے...... کاش وہ میری سانسیں بھی اپنے ساتھ لے جاتی...... میرا جیون کس کام کا......؟'' وہ چھت کی طرف گھورتا رہا...... سکون اُس کی زندگی سے اُٹھ چکا تھا...... وہ لٹا لٹا...... اُجڑا سا ٹہلتا رہا......

☆☆☆

سکون کا کوئی لمحہ اُس کی زندگی کی طوالت کا باعث نہ بن سکا...... وہ کس کو اپنا جیون ساتھی بنائے...... کوئی بھی تو ایسا نہیں جو اُسے لے جائے اور سارے زمانے کی خوشیاں اُس کی جھولی میں ڈال دے...... ایک تو ساری عمر عیش وعشرت میں گزری تھی۔ کوئی اچھا نہیں لگتا تھا...... کاش! اُس کا بالا ہی دوبارہ آجائے تو وہ سب کچھ بھول کر اُس کے گلے لگ جائے...... بالے! تم کہاں ہو......؟ وہ بالے کو یاد کر کے ایک دم سسک اُٹھی...... آنسو ڈھلک کر اُس کے رُخساروں سے لڑھک کر اُس کی جھولی میں گر گئے...... وہ ایک دم بری طرح اُچھلی...... پیارے لال کب سے دروازے میں کھڑا تھا۔

''کیا بات ہے پیارے لال...... تم کب آئے؟'' وہ رُخساروں پر جمے آنسوؤں کو ہاتھوں کی ہتھیلیوں میں سمو کر بولی۔

''میں تو کب سے کھڑا تمہیں دیکھ رہا ہوں...... تم رو رہی ہو...... کون یاد آرہا ہے؟'' پیارے لال بھی افسردہ ہوگیا۔

''کچھ یادیں ایسی ہیں جو میرے دامن سے بندھی ہیں...... میں اُن سے پیچھا نہیں چھڑا سکتی۔'' وہ گلوگیر آواز میں بولی۔

''اچھا خیر! اُداس ہونے کی ضرورت نہیں ہے...... تمہیں ڈرائنگ روم میں کوئی ملنے آیا ہے۔'' پیارے لال نے کہا۔

''کون......؟''

''وہی اقبال...... جو تمہیں بتیاں کہہ کر پکارتا تھا۔''

''بالا...... اچھا اقبال......'' وہ بے ساختہ اُچھل کر بولی...... پھر بعد میں اُسے اپنی غلطی کا احساس ہوا۔

''ہاں بالا ہی...... اب وہ اقبال بن گیا ہوگا۔'' پیارے لال نے کہا۔

''تم چلو! میں بال درست کر کے ابھی آئی۔'' وہ دونوں ہاتھوں سے بالوں کو درست کرتے بولی۔

''میں جاؤں......؟'' پیارے لال جاتے جاتے بولا۔

''ٹھہرو پیارے لال!'' بے ساختہ بتیاں نے آواز دی۔

''کیا ہے......؟'' پیارے لال نے پلٹ کر کہا۔

''خانم سرکار کہاں ہیں......؟''

''سر جانس اور خانم سرکار باہر گئے ہیں۔'' وہ باہر نکل گیا۔ اور بتیاں بال درست کرتے ڈرائنگ رُوم کی طرف چل دی۔

وہ پردہ سرکا کر اندر داخل ہوئی۔

''بتیاں......!'' وہ والہانہ انداز میں اُس کی طرف بڑھا۔

''اقبال صاحب! تشریف رکھیے......'' وہ سامنے صوفے کی طرف اشارہ کرتے بولی۔

''تم کیسی ہو بتیاں......؟'' وہ اپنے روایتی انداز میں بولا۔

''ٹھیک ہوں......'' بتیاں نے بڑے غور سے بالے کی طرف دیکھا...... وہ تنومند صحت مند، خوبصورت، جاذبِ نظر نوجوان تھا...... اُس کا دراز قد، سرخ وسپید چہرا اُس پر دو موٹی موٹی آنکھیں جیسے ہوا میں پنچھی اُڑ رہے ہوں۔ سفید چوڑی پیشانی پر اُلجھے بال جنہیں وہ حسبِ عادت ایک ہاتھ سے ہٹاتا لیکن وہ دوبارہ پھر اپنی حالت میں آجاتے...... وہ اب بیساکھی نہیں چھڑی استعمال کرتا تھا...... جس سے اُس کی شخصیت اور بھی نکھر آئی تھی۔ آج د

خاکستری سوٹ میں ملبوس تھا...... وہ سراسیمگی کے عالم میں اُسے دیکھے جا رہی تھی۔ وہ بالا تھا...... وہی انداز...... وہی خدوخال...... اُسے تو بالا بالکل ہی نہیں بھولا تھا...... پھر بالے کو وہ کیسے فراموش ہوتی؟

''آپ کس لئے آئے ہیں اقبال صاحب؟'' وہ بیگانگی سے بھرپور لہجہ اختیار کر گئی۔

''اُف میرے خدا...... مجھے اقبال صاحب مت کہو...... میں اقبال نہیں ہوں۔'' تڑپ کر بالے نے سر پیٹ لیا۔

''پھر آپ کیا ہے......؟'' وہ نگاہوں میں ویرانی بھرے کھڑی ہو گئی۔ وہ خود کو تھام نہیں کر سکتی تھی۔

''میں تمہارا بالا ہوں...... تم اپنے آپ کو مجھ سے جدا نہیں کر سکتی۔'' وہ اُٹھ کر بتیاں کے قریب آ گیا۔ ''مت کہو مجھے آپ...... وہی زبان اختیار کرو! جو بچپن میں استعمال کرتی تھی۔'' بالے نے بڑے زبردست جذباتی انداز میں بتیاں کو شانوں سے پکڑ کر جھنجھوڑ ڈالا۔ وہ نازک سی کومل اُس کے توانا بازوؤں میں جھول گئی...... اُس کا آنچل سرکا اور بالے کے ہاتھوں پر اڑس گیا۔

''تم...... بتیاں ہو...... اب تم جھوٹ نہیں بول سکتی...... یہ...... یہ چاندی کا تعویذ...... اور تیری گردن پر جلا ہوا نشان...... یاد کرو...... ہم چولہے کے پاس بیٹھے تھے...... میرے ہاتھ میں کپاس کی سوکھی چھڑی تھی اچانک جلی ہوئی تیری گردن پر لگ گئی...... اور چاچی نے مجھے کتنا مارا تھا...... یاد کرو...... ہے نا...... ٹھیک...... اور اِس تعویذ کو تو تم کبھی جھٹلا نہیں سکتی...... بولو نا بتیاں...... تمہیں یاد ہے نا...... بولو...... تمہیں یاد ہے نا...... بولو......!'' وہ چیخ اُٹھا۔

وہ سکتہ کے عالم میں خیالات کی دنیا میں کھوئی کسی فلم کے سین کی طرح سب کچھ دیکھ رہی تھی...... وہ سامنے بت بنا کھڑا رہا اور وہ اُسے اپنی موٹی موٹی آنکھیں پھاڑے دیکھتی رہی...... اُس کے ہونٹ لرزے۔ جب جذبات پر قابو نہ رہا تو وہ چیخ اُٹھی۔

''بالے......''

اور بالے نے اُسے اپنے بازوؤں میں یوں لے لیا جیسے وہ کوئی چھوٹی موٹی کومل ڈالی ہو...... ''میری بتیاں...... میری جان...... تم کہاں تھی اتنی مدت...... میں نے کہاں کہاں تیری تلاش میں خاک نہیں چھانی......'' بالے نے بتیاں کی سفید پیشانی کو محبت بھرا طویل بوسہ دیا۔

''یہ ایک طویل داستان ہے بالے......'' دونوں آمنے سامنے بیٹھ گئے۔

''ہاں...... میں یہ سج دھج دیکھ کر اندازہ لگا چکا ہوں کہ......'' وہ رُک گیا۔

''نہیں نہیں بالے...... میں جیسی تھی ویسی ہی ہوں...... میرے خدا نے میرے تقدس کو قائم رکھا ہے...... گو چند غلط ہاتھ مجھے یہاں لے آئے......''

''وہ کون ہیں......؟ مل جائیں تو کچا چبا جاؤں......'' بالے نے دانت پیسے۔

''نہیں...... قدرت نے خود ہی اتنا سنگین انتقام لیا کہ کیفر کردار تک پہنچ گئے۔'' بتیاں کو ماضی کے اذیت ناک لمحے بھی یاد آ گئے۔

''وہ کیسے......؟'' بالا تڑپ کر بولا۔

یہاں کراچی کے بڑے بازار میں بہت بھیانک ایکسیڈنٹ ہوا۔ گاڑی پاش پاش ہو گئی...... صرف میں تھی...... جب میری آنکھ کھلی تو میں خانم جان کی حویلی میں تھی۔

''تم نے گھر جانے کی ضد نہیں کی......؟'' بالے نے محبت پاش نظروں سے دیکھا۔

زبردست جھٹکے سے میری یادداشت مفلوج ہو گئی...... مجھے نہیں علم تھا کہ میں کون ہوں...... کہاں سے آئی ہوں...... خانم سرکار نے شہر کے بڑے بڑے ڈاکٹر بلا کر میرا علاج کروایا...... پھر آہستہ آہستہ میری یادداشت لوٹ آئی...... شام کو بتیاں جلیں تو مجھے اس فقرے پر احساس ہوا کہ میرا نام بتیاں ہے...... بتیاں جلاؤ......

بتیاں نے بھیگی پلکیں اُٹھا لیں۔

وہ ساری جان سے تڑپ اُٹھا...... ''تم گاؤں گئی تھیں......؟'' بالے نے غلط فہمی دُور کرنا چاہی۔

''گئی تھی...... بھائی نے مجھے دھکے دے کر نکال دیا۔'' اس کے ساتھ ہی بتیاں ہاتھوں پر اپنا صبیح چہرا رکھے بری طرح رو دی۔

''آنسو پونچھ لو...... مجھے سب علم ہے۔'' بالے نے بڑے کرب سے اپنے جذبات کو ضبط کیا۔

''تمہیں علم ہے......؟'' وہ چونکی۔

''ہاں...... میں وہاں پہنچا تھا...... مجھے شیری بھائی نے سب کچھ بتا دیا تھا...... تمہیں کیا بتاؤں کتنا جبر کیا ہے دل پر بھائی شیری نے۔'' بالا خود رو دیا۔

''بالے...... اب تم جدا نہ ہو جانا......'' وہ بے ساختہ کہہ اُٹھی۔

''ہرگز نہیں...... میں تمہیں گاؤں لے کر جاؤں گا۔'' وہ تن کر بولا۔

''نہیں نہیں...... میں گاؤں نہیں جاؤں گی...... اب میرا وہاں کیا ہے...... صرف رُسوائی اور ذلت......'' وہ بڑے مستحکم ارادے کے تحت بولی۔

''واقعی! اب وہاں کیا رکھا ہے...... چاچی تیری یاد میں اللہ کو پیاری ہوگئی ہے...... چاچا پہلے ہی چند دن بیمار رہ کر خدا کے پاس چلا گیا تھا......'' وہ افسردہ ہوگیا۔

''میں کتنی بری ہوں......'' وہ بڑے غمزدہ لہجے میں بولی۔

''تم بہت اچھی ہو...... تقدیر میں یوں ہی لکھا تھا۔'' بالے نے کہا۔

پردہ سرکا اور پیارے لال داخل ہوا۔ ''خانم سرکار بلا رہی ہیں......'' وہ بولا۔

''اچھا بتیاں! اب میں جاؤں......؟'' وہ بڑی محبت سے بولا۔

''بیٹھو نا بالے...... اتنی مدت کے بعد تو ملے ہو......'' وہ بے ساختہ بالے کے ہاتھوں پر ہاتھ رکھ کر بولی۔

''یہ وہی اقبال صاحب ہیں......؟'' پیارے لال کو وہ منظر یاد آ گیا جب بتیاں کا کارڈ اُسے دیا تھا۔

''بالا...... صرف بتیاں کا بالا......'' وہ بڑے اُنس سے کھڑا ہوگیا۔

''بیٹھو...... کھانا کھا کے جانا۔'' بتیاں کھڑی ہوگئی۔

''نہیں...... کسی چیز کی تمنا نہیں...... تم مل گئیں ساری کلفتیں دُور ہو گئیں......'' وہ دروازے کی طرف بڑھا۔

''پھر کب ملو گے......؟'' بتیاں نے اضطرابیت کے عالم میں کہا۔

''آتا جاتا رہوں گا......'' وہ باہر نکل گیا۔ وہ گیٹ تک اُسے جاتا دیکھتی رہی۔ اُس کی چھڑی کی مدھر ٹِک ٹِک دیر تک اُس کی سماعت میں رس گھولتی رہی۔

''چلو بتیاں! خانم سرکار تمہیں بلا رہی ہیں......'' جیون بائی کی بوڑھی آواز سنائی دی۔

''چلو جیون بائی!'' وہ اُس کے ساتھ ہی خانم سرکار کے پاس چلی گئی۔

''آؤ آؤ بتیاں...... میں کئی دنوں سے تم سے کچھ باتیں کرنا چاہتی ہوں۔'' خانم سرکار نے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

''شکریہ......'' وہ کہتی ہوئی سامنے ایرانی آراستہ صوفے پر بیٹھ گئی۔ ''کیسی باتیں خانم سرکار......؟'' بتیاں کی چھٹی حس بیدار ہو چکی تھی۔

''یہ تو تمہیں معلوم ہے نا کہ اب ہمارے جانے کے دن قریب آ رہے ہیں'' یہ کہتے ہوئے خانم جان بھی اُداس ہوگئی تھی۔

''یہ لمحے بڑے جان لیوا ہوں گے خانم سرکار...... ہم کبھی آپ کو فراموش نہیں کر سکیں گے۔'' بتیاں کی پلکیں بھیگ گئیں۔

''میں خود تم سب کو نہیں بھول پاؤں گی۔'' خانم جان پژمردہ سی لگنے لگی۔

''اِرادہ ترک کر دیجئے نا آپ!'' بتیاں نے مشورہ دیا۔

''نہیں بتیاں...... ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔'' وہ سخت لہجے میں بولی۔

''کیوں خانم سرکار......؟'' بتیاں نے ایک دم کہا۔

''اتنا چاہنے والا انسان کہاں ملے گا...... جانس...... جس نے میرے لئے اپنا سب کچھ چھوڑ دیا...... وہ اپنا مذہب چھوڑ کر مسلمان ہو گیا...... میں جانس کو اب تنہا نہیں چھوڑ سکتی۔'' خانم سرکار نے خیالات میں جانس کی تصویر کو نگاہوں سے سجدہ کیا۔

''آپ واقعی درست فرماتی ہیں خانم سرکار...... سر جانس بہت مہربان اور اچھے انسان ہیں۔'' بتیاں کو خانم کے مقدر پر رشک آنے لگا۔

''اسی لئے تو کہتی ہوں...... کسی اچھے انسان کو اپنا لو...... زندگی تنہائی میں بسر کرنا بہت مشکل ہے...... تنہائی بھی ایک آسیب ہے بتیاں......'' خانم نے مسکرا کر کہا۔

''کیا ایک مرد کو تنہائی کا ساتھی بنانا ضروری ہے خانم سرکار......؟''

''بالکل...... ایک عورت تنہا زندگی نہیں گزار سکتی...... میں بھی تمہاری طرح سوچتی تھی...... لیکن اس عمر میں احساس ہوا کہ جانس میرا سہارا ہے...... میری بیساکھی ہے...... جس کے بل بوتے پر میری زندگی کی گاڑی رواں دواں رہے گی۔''

''آپ بہت خوش قسمت ہیں خانم سرکار...... سر جانس جیسا آدمی ہر ایک کو نہیں مل سکتا۔'' بتیاں نے بڑی آرزو سے کہا۔

''تمہارے لئے ایک اچھے آدمی کا انتخاب کیا ہے......'' خانم نے سوچا۔

''کون......؟'' وہ چونکی۔

''جواد ایک اچھا نوجوان ہے۔''

''جواد...... وہ سیٹھ داؤد کا بیٹا......؟'' بتیاں کے دل میں نفرت نے سر اُٹھایا۔

''ہاں...... بیٹا تو سیٹھ داؤد کا ہے...... لیکن وہ تم سے شادی کرنا چاہتا ہے...... اچھا

آدمی ہے۔'' خانم جان نے بتیاں کے چہرے کی طرف دیکھا۔

''خانم سرکار......!'' وہ چپ ہوگئی۔

''ہاں ہاں...... کہو! کیا بات ہے؟'' خانم نے کہا۔

''گستاخی معاف...... کیا سیٹھ داؤد مجھے قبول کرلے گا؟'' بتیاں نے کہا۔

''جواد سمجھ دار نوجوان ہے...... سیٹھ کا اس میں دخل نہیں ہے۔''

''خانم سرکار...... سیٹھ داؤد اپنے آپ کو ایک باعزت اور اپنی برادری کا معزز ترین شخص سمجھتا ہے...... وہ کیسے گوارہ کرے گا کہ اُس کا اکلوتا لختِ جگر ایک رقاصہ سے شادی کرے؟'' بتیاں نے اس کمزوری کو ظاہر کیا۔

''رقاصہ ہونا کوئی گالی یا طعنہ نہیں ہے...... یہ ہماری ثقافت ہے...... اس سے دُور نہیں رہا جاسکتا۔'' خانم سرکار نے بات کو واضح کرنا چاہا۔

''لیکن لوگ......'' وہ رُک گئی۔

''لوگ اپنے گریبان میں نہیں جھانکتے...... جہاں ایسی خباثتیں روپوش ہوتی ہیں کہ نام لیتے عقل دنگ رہ جاتی ہے۔'' خانم سرکار کو غصہ آگیا۔

''اب کیا کرنا چاہئے خانم سرکار...... جو آپ کہیں۔'' وہ خانم کے غصے سے خوفزدہ سی ہوگئی۔

''میں نے تمہیں بتا دیا ہے کہ سیٹھ کا تم دونوں میں کوئی عمل دخل نہیں ہے۔'' خانم جان نے بتیاں کے سنجیدہ چہرے کی طرف حیرت سے دیکھا۔

''تم کچھ سوچ رہی ہو......؟'' وہ پھر بولی۔

''میں...... ہاں...... آپ سے کچھ کہنا تھا۔'' وہ جھجھک کر بولی۔

''کہو...... کیا تم اُس لڑکے کے بارے میں تو نہیں کہنا چاہتی......؟'' خانم جان کو جیسے سب علم ہو۔

''کون...... خبر ہوگئی آپ کو......؟'' بتیاں نے سہمے سہمے انداز میں کہا۔

''مجھے سب خبر ہے...... وہ ایک دو مرتبہ تمہیں ملنے بھی آیا ہے اور آج بھی آیا ہوا تھا...... شریف آدمی ہے۔'' خانم نے کہا۔

...... خانم کو کیسے علم ہوا؟...... وہ سوچنے لگی۔

''تمہیں شاید یہ علم نہیں کہ میری مخبری بڑی مضبوط ہے...... اس حویلی میں ہر خفیہ راز

کا مجھے علم ہو جاتا ہے۔'' خانم جان نے بڑے تفاخر سے کہا۔

''خانم سرکار...... ہم نے آپ سے کبھی کوئی بات خفیہ نہیں رکھی۔'' وہ بولی۔

''میں پوری حویلی کی بات کر رہی ہوں۔'' خانم جان ہنس دی۔

چند لمحے ماحول پر سکوت رہا...... دونوں میں کسی نے بھی جرات گفتار نہ کی...... خانم تو یہی چاہتی تھی کہ وہ بتیاں کو مضبوط ہاتھوں میں چھوڑ کر جائے......

''بتیاں......'' خانم نے پکارا۔

''جی......؟'' یوں لگا جیسے خانم کی آواز بہت دُور سے آ رہی ہو۔

''اقبال نامی لڑکا اچھا ہے...... مجھے معلوم ہے وہ تمہارا عزیز ہے۔ لیکن وہ تمہیں زندگی کی خوشیاں نہیں دے سکتا......'' خانم جان نے کہا۔

''جی......'' وہ بولی۔

''وہ ایک تہی دست اپاہج نوجوان ہے...... وہ تمہیں محبت تو دے سکتا ہے...... لیکن زندگی کی خوشیاں نہیں دے سکتا......'' خانم جان نے کہا۔

''زندگی کی خوشیوں سے آپ کا کیا مطلب ہے......؟'' بتیاں نے جرات کی۔

''محبت کے سوا اور بھی دُکھ ہیں زمانے میں...... اور پھر تمہاری پرورش بڑی آسائش میں ہوئی ہے...... میں نے تم سب لڑکیوں کو کسی ضرورت کے لئے حراساں نہیں کیا...... پھر تمہیں تو بہت ہی امیرانہ ماحول ملا ہے۔'' خانم نے یاد دلایا۔

''اس کے لئے میں آپ کی شکر گزار ہوں...... ایسی زندگی تو شہزادیوں کی بھی نہ ہوگی جیسی میں نے گزاری ہے یا گزار رہی ہوں......'' اُس نے اپنے آپ کو خانم جان کے احسانوں تلے دبتے محسوس کیا۔

''میں تمہیں جتلا نہیں رہی یا میں نے تم پر احسان نہیں کیا...... میرا مقصد صرف یہ ہے کہ سوائے موت کے بدولت انسان کی ہر مشکل کا حل ہے...... سمجھتی ہو نا میری بات کو؟'' خانم سرکار نے ایک پختہ نظریہ اُس کے ذہن میں ڈالنا چاہا۔

''جی......'' وہ صرف اتنا ہی کہہ سکی۔

پھر جواد سے شادی کرلو بتیاں...... وہ تمہارا بہت خیال رکھے گا۔''

''جی......'' جیسے خانم جان نے ایک بارودی گولہ اُس کے دماغ پر چھوڑ دیا ہو۔ وہ بوکھلا کر رہ گئی...... لیکن انکار نہ کرسکی...... خانم کے ہزاروں لاکھوں احسانوں تلے دبی لڑکی

کیسے جراتِ سوال کر سکتی ہے......

''ٹھیک ہے نا......؟'' خانم نے کھڑے ہو کر کہا۔ ''وہ سیٹھ داؤد کی لاکھوں کی جائیداد کا اکلوتا وارث ہے...... وہ محبت کے ساتھ تمہیں ہر قسم کی آسائش بھی مہیا کرے گا...... دولت اُس کے گھر کی لونڈی ہے۔'' خانم جان نے مسکرا کر بتیاں کے شانے کو دبایا......

''شام گہری ہو رہی ہے...... اپنے کمرے میں جا کر دل سے سوچو...... دیکھنا! تمہیں میری باتوں میں حقیقت نظر آئے گی۔

دونوں کمرے سے باہر نکل آئیں۔

خانم جان اُونچی ایڑی کے جوتے پہنے بڑی تمکنت اور مدبرانہ چال چلتے اپنے کمرے میں جانے والے زینے پر چڑھ گئی اور وہ پژمردہ کمزور جذبات لئے اپنے کمرے کی طرف چل دی......

یوں تمام شب سسکتے گزر گئی...... جالے! ایک مرتبہ پھر تمہارا ہاتھ میرے ہاتھ سے چھوٹ گیا...... وہ نرم تکیے میں منہ چھپائے سسک سسک کر رو دی......

ماضی پھر ایک مرتبہ تاریکیوں میں ڈوب گیا......

☆☆☆

''میں تمہیں ہرگز اس بات کی اجازت نہیں دے سکتا۔'' سیٹھ داؤد نے اپنی دونوں بیویوں کی موجودگی میں کہا۔

''بابا جان...... بتیاں میری کمزوری ہے...... میں ہرگز ہرگز اُس کو نہیں چھوڑ سکتا۔'' جواد نے اپنے باپ کے لہجے میں بات کی۔

''سن لیا تم نے......'' سیٹھ داؤد زخمی سانپ کی طرح سلطانہ کی طرف پلٹا۔

''سن رہی ہوں......'' وہ بے بس نظر آ رہی تھی۔

''آپ مان لیجئے اس کی بات...... اس کی پسند ہے۔'' دوسری بیوی نے کہا۔

''برادری میں ہزاروں لڑکیاں ہیں...... اس کے معیار پر کوئی نہیں اُترتی۔'' سیٹھ داؤد نے بری طرح جھنجلا کر کہا۔

''بہر حال! میں آپ کی مرضی سے شادی نہیں کروں گا...... اور بتیاں کے علاوہ میری کوئی اور بیوی نہیں بن سکتی۔'' وہ پاؤں پٹخ کر بولا۔

''یہ تمہارا آخری فیصلہ ہے......؟'' سیٹھ نے کہا۔

''جی......!'' وہ دونوں ہاتھ پشت کی جانب باندھ کر بولا۔

''ٹھیک ہے...... تم شوق سے اُس رقاصہ سے شادی کرو...... اور اس گھر سے تمہارا ناطہ ختم ہے...... میں نے تمہیں دولت، جائیداد، ہر قسم کے رابطے سے عاق کیا......'' سیٹھ نے تن کر دونوں ہاتھوں کو کھول کر ہوا میں لہرایا۔

''ٹھیک ہے...... میں بھی سیٹھ داؤد کا بیٹا ہوں۔ مدد کے لئے نہیں آؤں گا......'' اس کے ساتھ جواد نے زمین پر پاؤں پٹخے...... پردہ پھاڑنے کی حد تک اُچھالا اور باہر نکل گیا۔

جواد...... جواد رُک جاؤ...... رُک جاؤ بیٹا!'' سلطانہ تڑپ کر اُٹھی لیکن وہ جا چکا تھا۔

''یہ آپ نے کیا، کیا...... اُسے روکا بھی نہیں......؟'' سلطانہ گلوگیر آواز میں بولی۔

''میں اُس کی مرضی پوری نہیں کر سکتا...... ایک طوائف سے شادی میں پسند ہی نہیں

کرتا...... ذرا تم خود سوچو سلطانہ بیگم! لوگ کیا کہیں گے؟'' وہ آخر میں نرم ہو گیا۔

''جب آپ نے ساری زندگی اُن کوٹھے والیوں کے ساتھ گزار دی تو وہ بھی آپ کا بیٹا ہے۔'' سلطانہ بیگم کو غصہ آ گیا۔

''بکواس نہ کرو...... تمہیں کوئی اور بات ہی نہیں سوجھتی......'' وہ چیخ اُٹھا۔

''میرا مطلب ہے کہ اُس وقت لوگوں نے کچھ نہیں کہا تو اب کیا کہیں گے......؟'' وہ پاؤں پٹختی ہوئی باہر نکل گئی۔ سلطانہ بیگم کے دیکھا دیکھی بلقیس بھی باہر نکل گئی۔

سیٹھ داؤد نے ایک ہاتھ کی ہتھیلی پر دوسرے ہاتھ کا مکہ زور سے مارا...... وہ تو خود بتیاں سے شادی کرنا چاہتا تھا۔ اور آج اُس کا بیٹا اُس کو پسند کر بیٹھا ہے...... میں اِس گھر میں بتیاں کا وجود برداشت نہیں کروں گا، جس نے اپنے حسن و جوانی کے زعم میں مجھے ٹھکرایا۔

...... جب غربت و افلاس کے ناگ ڈسیں گے تو سارا عشق دھرے کا دھرا رہ جائے گا...... میں دیکھوں گا بتیاں بائی! تیرے حسن و جوانی کے ناز نخرے میرا تہی دست بیٹا کب تک اُٹھاتا ہے...... میں نے اُسے پائی پائی کے لئے محتاج کر دیا ہے...... دیکھوں گا اب تجھے ایک وقت کی بھی سہولت سے روٹی نہیں مل سکتی...... اور پھر ایک طوائف طرف دولت کے لئے امیر لوگوں سے شادی کرتی ہے...... اب جواد کے پاس ہے ہی کیا...... سیٹھ داؤد صوفے پر بیٹھ کر گہری سوچوں میں مستغرق دنیا مافیا سے بے نیاز لیٹ گیا......

اُدھر سیٹھ داؤد کا اکلوتا بیٹا ساری داؤدی جائیداد کا مالک سیدھا اپنے دوست اکرم کے پاس پہنچا......

''ارے خیریت...... کیا بات ہے؟ بڑے ہوا نک نظر آ رہے ہو۔'' اکرم نے ہنس کر جواد کے شانے پر ہاتھ مارا۔

''کہیں بٹھاؤ نا یار...... پھر بات کرتے ہیں۔'' وہ سنجیدگی سے بولا۔

''آؤ آؤ...... ڈرائنگ روم میں آ جاؤ...... ماما اور پاپا گھر میں نہیں ہیں۔'' وہ ڈرائنگ روم میں داخل ہوتے بولا۔

''یار! بڑی پرابلم میں پھنس گیا ہوں......'' جواد بیٹھتے ہوئے بولا۔

''کیا تمہاری بتیاں نے شادی سے انکار کر دیا......؟'' اکرم نے قہقہہ لگایا۔

''ارے نہیں...... خانم جان میرے ہاتھ میں ہے...... بتیاں انکار نہیں کر سکتی۔'' جواد کو پورا بھروسہ تھا۔

''پھر کیا پریشانی ہے......؟'' اکرم نے کہا۔

''ارے یار...... بابا نے جائیداد سے عاق کر دیا ہے...... میں نکل آیا ہوں......'' جواد نے کہا۔

''کیا...... انکل نے تمہیں عاق کر دیا؟...... اور تمہاری دونوں مائیں...... اکرم کے انداز میں پھر شرارت اُبھر آئی۔

''تمہیں پھر شرارت سوجھ رہی ہے...... میری پریشانی کو نہیں دیکھ رہے۔'' جواد کو غصہ آ گیا۔

''دیکھ رہا ہوں۔ تم بتاؤ تو سہی! کہ مجھے کیا کرنا چاہئے؟'' اکرم کو اپنی غلطی کا احساس ہوا۔

''میں بتیاں سے شادی کرنا چاہتا ہے...... اس کے لئے نہ دھن ہے اور نہ گھر......'' وہ کھلے لفظوں میں بولا۔

''کیا مطلب ہے تمہارا......؟'' اکرم کی سیٹی گم ہو گئی۔

''شادی کے لئے مجھے روپے کی ضرورت ہے...... وہ کہاں سے لاؤں گا؟ اور اُسے بیاہ کر کہاں لاؤں گا...... اگر تم کچھ کر سکو تو...... جونہی حالات درست ہوئے میں تمہاری پائی پائی ادا کر دوں گا......'' جواد گھگھیاتے ہوئے بولا۔

''تم کہتے تو ٹھیک ہو...... پر میرے اکاؤنٹ میں اتنی رقم کہاں ہے؟'' اکرم نے سوچا۔

''کتنی ہوگی......؟'' جواد بولا۔

''یہی کوئی چالیس پچاس ہزار۔'' اکرم نے سوچا۔

''تھوڑا بہت کام تو چل جائے گا یار!'' جواد کو تھوڑا سا آسرا ملا۔ اکرم خاموش ہو گیا۔

''گھبراؤ نہ یار...... میں تمہیں واپس کر دوں گا۔'' جواد نے کہا۔

''تم تو واپس کر دو گے...... لیکن میرا اکاؤنٹ میری ماما کے ساتھ ہے۔'' جواد نے محسوس کیا کہ اکرم جان چھڑانا چاہتا ہے۔

''یار! ماں کو رضامند کرنا بڑا آسان ہے۔'' جواد نے کہا۔

''اماں رضامند نہیں ہوگی۔''

''کچھ تو کرو یار...... چند دنوں کی تو بات ہے۔'' جھنجھلا کر جواد نے میز پر مکہ مارا۔

''تم چند دن انتظار کرو...... میں بات کروں گا۔'' اکرم نے بات کو ٹالنا چاہا۔

''دیکھو! ٹالنا نہیں...... ورنہ گڑبڑ ہو جائے گی۔'' جواد نے اُٹھتے ہوئے کہا۔

لیکن چند دن کے بعد بھی اکرم کی طرف سے وہی جواب ملا۔

وہاں سے مکمل ناکامی کا منہ دیکھنے کے بعد وہ اپنے ایک ہی جگری دوست عاصم کے پاس پہنچا..... وہ بہت جلد بتیاں کو بیاہ کر لانا چاہتا تھا..... وہ اسی اُمید پر سیدھا عاصم کے ہاں پہنچا..... دستک دینے پر معلوم ہوا کہ وہ گھر پر نہیں ہے.....

''کس وقت لوٹ آئے گا.....؟'' جواد نے ملازم سے پوچھا۔

''کچھ کہا نہیں جا سکتا جناب..... بادشاہ بندہ ہے ہمارا صاحب۔'' ملازم نے مسکراتے ہوئے گیٹ بند کرنا چاہا۔

''ارے ٹھہرو یار.....'' جواد نے آگے بڑھ کر گیٹ کو دھکا دیا۔

''جی..... معاف کیجئے! میں نے سمجھا کہ آپ جا رہے ہیں۔'' ملازم نے شرمندگی محسوس کرتے ہوئے باہر آ کر کہا۔

''جس وقت بھی عاصم آئے..... اُسے میرا بتا دینا۔'' جواد نے کہا۔

''ضرور کہہ دُوں گا جناب!'' جواد اپنے راستے کی طرف چل دیا..... سیٹھ داؤد نے اُس سے تو گاڑی بھی چھین لی تھی۔

شام کے دھندلکے پھیلتے ہی عاصم اپنی گرل فرینڈ شانی کے ساتھ اپنی سیاہ مرسڈیز لئے داخل ہوا۔ ملازم نے بھاگ کر گاڑی کا دروازہ کھولا..... دونوں نکل کر ڈرائنگ رُوم میں ہی چلے گئے۔ ڈرائیور گاڑی سٹارٹ کر کے گیراج میں لے گیا۔

''فرید.....'' عاصم نے صوفے پر بیٹھتے ہی ملازم کو آواز دی۔

''یس سر.....!''

''ماما، پاپا.....؟'' عاصم نے مختصراً کہا۔

''وہ ابھی ابھی کلب چلے گئے سرکار..... وہاں کوئی فنکشن تھا.....'' ملازم نے کہا۔

''خانساماں کو کہو! چائے لائے۔'' شانی نے اپنی کیپ اُتار کر دوسرے صوفے پر پھینکی۔

''ابھی گیا جناب.....'' ملازم گیا اور لوٹ آیا۔ ''جناب! آپ کے لئے ایک پیغام ہے۔'' ملازم بولا۔

''What?'' عاصم نے حیرت سے منہ کھولا۔

''جواد صاحب آئے تھے۔''

''پھر.....؟''

''اُنہوں نے بولا کہ میں شام کو آؤں گا..... آپ گھر پر ہی رہیے گا۔'' ملازم نے ایک ہی سانس میں بات مکمل کی۔

''کیوں.....؟'' عاصم بولا۔

''معلوم نہیں جناب..... ویسے آج اُن کے پاس گاڑی بھی نہیں تھی۔''

''بغیر گاڑی کے..... وہ تو واش رُوم تک کبھی پیدل نہیں گیا..... اور آج.....؟ کوئی پرابلم ہوگا۔'' شانی نے کہا..... چند لمحوں کے بعد خانساماں ٹرالی میں چائے لے آیا۔

یہ جواد وہی لڑکا تو نہیں..... سیٹھ داؤد کا بیٹا؟'' شانی نے کافی دیر سوچنے کے بعد کہا۔

''وہی..... تم کیسے جانتی ہو.....؟'' عاصم نے پوچھا۔

''ایسے لوگوں کو سب ہی جانتے ہیں..... کراچی میں اُس کی کئی فیکٹریاں ہیں..... اور پچھلے دنوں اُس کا سکینڈل کسی طوائف سے چل رہا تھا۔'' شانی نے دو کپ بنائے ایک خود لیا اور دوسرا عاصم کو دیا۔

''بڑے لوگوں کے سکینڈل تو چلتے ہی رہتے ہیں۔'' عاصم نے ہنس کر کپ واپس میز پر رکھ دیا۔

''تم اپنے آپ کو بڑے لوگوں میں شمار کر رہے ہو؟'' شانی نے کہا۔

''بھئی کرنا پڑ رہا ہے..... ہم سیٹھ داؤد سے کم تو نہیں.....'' عاصم نے بڑے تفاخر سے دوسرا گھونٹ حلق سے اُتارا۔

''ہاں..... ٹھیک کہتے ہو تم.....'' آخری گھونٹ حلق سے اُتار کر شانی جانے کے لئے تیار ہوگئی۔

''جا رہی ہو.....؟'' عاصم نے بیٹھے بیٹھے کہا۔

''بہت دیر ہوگئی ہے..... ماما ناراض ہوں گی۔'' وہ باہر کی جانب چل دی۔

عاصم نے شانے جھٹک کر بالوں کو درست کیا..... دونوں ٹانگیں بوٹوں سمیت سامنے میز پر رکھیں اور صوفے سے ٹیک لگا لی..... شام میلی ہو چکی تھی..... بلکہ رات کی آمد آمد تھی۔

''جناب! جواد صاحب آتے ہیں۔'' ملازم نے کہا۔

''بلا لاؤ.....!''

ملازم لوٹ گیا اور چند لمحوں کے بعد جواد داخل ہوا۔

''آؤ آؤ جواد! بیٹھو.....'' عاصم نے جس طرح بیٹھا تھا ویسے ہی ہاتھ کے اشارے

سے جواد کو بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

''کیا بات ہے...... پریشان نظر آ رہے ہو...... خیریت......؟'' عاصم نے اُس کے ویران چہرے کی طرف دیکھ کر کہا۔

''خیریت ہی نہیں ہے یار...... اسی لئے تو تمہارے پاس آیا ہوں۔'' وہ بغور عاصم کا منہ دیکھ کر بولا۔

''کیا مطلب......؟'' عاصم اُٹھ کر بیٹھ گیا۔

''تمہیں معلوم ہے نا کہ میں اپنی پسند کی شادی کرنا چاہتا ہوں......؟'' جواد بولا۔

''بالکل...... ویسے یہ تو تمہارا حق بھی ہے...... شادی تو اپنی پسند کی ہونی چاہئے...... گرل فرینڈز جتنی چاہے ہوں۔'' وہ ہنس دیا۔

''خیر! میں گرل فرینڈز نہیں پسند کرتا......'' جواد کے لہجے میں ناپسندیدگی تھی۔

''اپنا تو بالی ہے یار...... دوستی سب سے اور شادی ایک سے۔'' عاصم نے دونوں ہاتھوں کو پھیلا کر اپنی فراخ دلی کا ثبوت دیا۔

''آج کل کیا کر رہے ہو......؟'' جواد نے پوچھا۔

''کرنا کیا ہے؟ سیر و تفریح...... کبھی دل نے چاہا تو پاپا کے آفس کا چکر۔ تم سناؤ! کیسے آج بھول پڑے......؟'' اپنے جواب کے ساتھ ہی عاصم نے جواد سے پوچھا۔

''اُلجھ گیا ہوں یار......'' جواد بولا۔

''کیا مطلب...... تمہاری بات سمجھ نہیں آئی۔'' عاصم سیدھا ہو گیا۔

''ارے یار! بابا سے پھڈا ہو گیا۔'' جواد نے سنجیدہ انداز میں کہا۔

''پھڈا...... تمہارا اپنے بابا سے......؟ تمہارے بابا تو بڑے آزاد خیال ہیں۔'' عاصم نے حیران ہو کر کہا۔

''ہاں...... دراصل جہاں میں شادی کرنا چاہتا ہوں، وہ نہیں مانتے۔''

''تم کہاں چاہتے ہو......؟'' عاصم کو اس بات میں دلچسپی کا پہلو نظر آیا۔

''میں بتیاں کو چاہتا ہوں۔'' جواد نے گول کر کے کہا۔

''بتیاں...... وہ...... وہ رقاصہ......؟ کیا غضب کا رقص ہے یار اُس کا...... اور آواز...... جیسے کوئل...... محبوب سے بچھڑی ہوئی......'' عاصم کی آنکھوں کے سامنے رقص کرتی بتیاں تھرتھرانے لگی۔

''ہاں...... اسی وجہ سے میں بابا اور سارے گھر کو چھوڑ آیا ہوں۔'' جواد کو عاصم کا یوں بتیاں کی تعریف میں بولنا پسند نہ آیا۔

''بتیاں تمہارے ہتھے کیسے چڑھ گئی؟ وہ تو کسی کو گھاس نہیں ڈالتی تھی۔'' عاصم نے کہا۔

''بس...... آمنا سامنا ہو ہی گیا......''

''بس! اسی وجہ سے انکل پسند نہیں کرتے ہوں گے کہ ایک رقاصہ اُن کی بہو بنے۔'' عاصم نے کہا۔

''ہاں...... یہی بات ہے شاید۔'' جواد آہستہ سے بولا۔

''زندگی تو تم نے گزارنی ہے...... سول میرج کر لو......'' عاصم کے لئے جیسے کوئی بڑی بات نہ ہو۔

''وہ تو ٹھیک ہے...... میں گھر چھوڑ آیا ہوں...... بلکہ سب کچھ......'' جواد نے کہتے ہوئے بغور عاصم کو دیکھا۔

''تم نے برا کیا یار...... اتنی دولت چھوڑ آئے ہو...... شادی کا کیا ہے...... ہو ہی جائے گی۔'' عاصم نے لاپرواہی سے کہا۔

''شادی تو ہو جائے گی...... لیکن جس کو میں چاہتا ہوں۔'' جواد بولا۔

''چھوڑو یار...... اتنی لمبی ہے زمیں ملیں گے لاکھ حسیں...... بتیاں نہ سہی اور سہی۔'' عاصم نے ایک فلک شگاف قہقہہ لگایا۔

''چھوڑو یار...... میں جس کام سے آیا ہوں وہ بات تو رہ گئی۔''

''کیا......؟'' عاصم کو کھٹکا۔ ''کیسا کام......؟'' وہ ایک دم بولا۔

''تمہیں میری مدد کرنا ہو گی...... تم میرے دوست ہو۔'' جواد نے کہا۔

''بات تو کرو......'' عاصم نے کہا۔

''مجھے کچھ رقم کی ضرورت ہے...... حالات ٹھیک ہونے پر میں ادا کر دوں گا......'' جواد کے انداز میں احتجاج شامل تھا۔

''کتنی رقم......؟'' عاصم نے پوچھا۔

''یہی کوئی پچاس ہزار۔'' جواد نے آہستہ سے کہا۔

''او مائی گاڈ...... اتنی رقم...... چھ سات ہزار تو میں کر سکتا ہوں......''

''تھینک یو......'' عاصم کے رویئے اور جواب پر اُسے آگ سی لگ گئی...... وہ کچھ کہے

سنے بغیر وہاں سے نکل آیا۔

''ٹھہرو یار...... بات تو سنو......!'' عاصم نے آواز دی۔

لیکن اُس نے ایک نہ سنی اور یوں ہی کسمپرسی کی حالت میں سٹیشن کے مسافر خانے کی طرف بڑھ گیا...... اس کے بعد اُس نے کئی اور دوستوں کو آزمایا لیکن کسی نے اُس کا ساتھ نہ دیا۔ وہ پریشان تہی دست واپس اپنی حویلی پہنچا...... چھوٹی ماں کے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

''سچ...... دُکھ تکلیف میں سایہ بھی ساتھ چھوڑ جاتا ہے۔'' وہ خاموش صوفے پر بیٹھ گیا۔

''ارے جواد تم...... کب آئے......؟''

''اماں...... آپ میری مدد کیجئے نا! میں بتیاں سے ہر ممکن شادی کرنا چاہتا ہوں۔''

''تمہیں کون روک رہا ہے...... کر لو نا شادی...... تمہاری پسند ہے بیٹا!'' وہ محبت سے پاس بیٹھ گئی۔

''کیسے کر لوں؟ ایک دھیلا بھی میرے پاس نہیں ہے۔'' وہ بے بس سا نظر آنے لگا تھا۔

''جواد بیٹا...... میں تمہارے ساتھ ہوں۔'' دوسری ماں بلقیس نے کہا۔

''میں اُسے یہاں نہیں لا سکتا...... آپ جانتی ہیں کیسی طبیعت کے ہیں بابا۔'' وہ جھنجھلا کر بولا۔

''پھر......؟'' بلقیس نے پوچھا۔

''مجھے رقم چاہیے۔'' وہ بولا۔

''کتنی......؟'' اُس نے پوچھا۔

''جتنی آپ کے پاس ہے۔'' جواد نے کہا۔

''میں تمہیں اِس وقت چالیس ہزار تو دے سکتی ہوں...... اگر زیور لینا چاہو تو لے جاؤ......'' وہ بڑی فراخ دلی سے مسکرائی۔

''زیور...... نہیں نہیں...... آپ کے زیور میں فروخت نہیں کر سکتا۔'' وہ حیرت و استعجاب کے عالم میں کھڑا ہو گیا۔

''اوہو...... اپنی دُلہن کو پہنانے کے لئے...... بعد میں واپس کر دینا۔'' وہ اپنی الماری کی طرف بڑھی۔

''نہیں! آپ صرف رقم دیجئے۔ زیور میں نہیں لوں گا۔'' وہ مستحکم ارادے کے تحت بولا۔

''اچھا...... یہ لو!'' اُس نے الماری سے اپنی جمع شدہ رقم نکال کر جواد کو دے دی۔

''اماں...... میں کس منہ سے آپ کا شکریہ ادا کروں؟'' وہ احسان مند نظر آنے لگا۔

''کوئی بات نہیں...... یہ سب تمہارا ہی ہے...... تم اور پنکی ہی وارث ہو۔''

جواد نے جانے کے لئے قدم بڑھائے۔

''جواد......!'' اُس نے پکارا۔

''جی......!'' وہ پلٹا۔

''بیٹا! اپنی ماں کو ملتے جاؤ!''

''نہیں اماں...... وہ بھی بابا کی حمایت میں بولتی ہیں...... اُنہیں خاندان کی ساکھ کا بہت خیال ہے۔ وہ تیز رفتاری سے باہر کی طرف لپکا۔

عین جب وہ گیٹ سے گزر رہا تھا تو سیٹھ داؤد کی گاڑی اُس کے قریب سے گزری۔ سیٹھ داؤد نے قہر آلود نظروں سے اُسے دیکھا اور جواد نظریں نیچی کیے گزر گیا۔

گاڑی پورچ میں روک کر غلام گردش کا آخری کونا عبور کر کے ابھی وہ اپنے کمرے کی طرف جانے والے زینے پر قدم رکھنے ہی والا تھا کہ دوسری بیوی بلقیس سے مڈبھیڑ ہو گئی۔

''یہاں کیوں آیا تھا......؟'' سیٹھ داؤد کے ماتھے کی لکیریں اُبھر آئیں۔

''کون......؟'' جانتے ہوئے بھی بلقیس نے لاعلمی کا اظہار کیا۔

''جواد......'' سیٹھ اُونچی آواز میں بولا۔

''بس! یوں ہی آ گیا تھا پنکی سے ملنے......'' بلقیس نے سادگی سے جواب دیا۔

''اُسے منع کر دو...... آئندہ میں اُسے اِس گھر میں نہ دیکھوں۔'' سیٹھ نے جیسے ظلم کی تلوار تان لی ہو۔

''بیٹا ہے آپ کا...... یہ اُس کا گھر ہے۔'' بلقیس نے برجستہ جواب دیا۔

''بس بس...... اُس کی حمایت کی ضرورت نہیں۔'' سیٹھ نے ہاتھ کے اشارے سے منع کیا۔

''آخر کب تک وہ گھر سے دُور رہے گا......؟''

''جب تک وہ بتیاں سے شادی سے انکار نہیں کرتا۔'' سیٹھ نے کہا۔

''یہ وہ کبھی نہیں کرے گا...... وہ بتیاں سے ضرور شادی کرے گا۔'' بلقیس نے جواد کے خیالات عیاں کر دیئے۔

''تو پھر یہاں آنے کی اُسے ضرورت نہیں ہے۔'' سیٹھ نے بڑی سنگدلی کا مظاہرہ

کرتے تیز رفتاری سے زینہ عبور کرلیا۔ بلقیس گہری سوچ میں مستغرق واپس چلی گئی۔

''آپا......!'' بلقیس نے پلٹ کر دیکھا سلطانہ بیگم افسردہ صورت کھڑی تھی۔

''کیا بات ہے......؟'' سلطانہ نے کہا۔

''تمہیں معلوم ہے جواد آیا تھا۔'' بلقیس نے بغور اُس کی متورم آنکھوں کی طرف دیکھا۔

''معلوم ہے......اور جاتا ہوا بھی دیکھ لیا۔'' وہ صرف اتنا ہی کہہ سکی۔

''پھر روکا بھی نہیں......؟'' بلقیس کو اچھا نہ لگا۔

''کیسے روکتی...... ویسے بھی وہ ضدی ہٹ دھرم باپ کا بیٹا ہے۔'' سلطانہ بیگم کی آنکھیں بھیگ گئیں۔

''آپ کی بات زیادہ مانتے ہیں......آپ ماحول کو بہتر بنانے کی کوشش کریں نا!'' بلقیس نے کہا۔

''ایسا نہیں ہوسکتا...... بتیاں سے شادی سیٹھ کرسکتا ہے، لیکن جواد کو اجازت نہیں ہے۔'' وہ بولی۔

''اِس کا مطلب ہے کہ دونوں میں ٹھنی ہوئی ہے۔'' بلقیس بولی۔

''ہاں......سیٹھ خود بتیاں میں دلچسپی لے رہا ہے......اگر بتیاں معمولی بھی رضامند ہوتی تو آج اس گھر میں سیٹھ کی تیسری بیوی ہوتی۔'' سلطانہ کے انداز میں ناگواری شامل تھی۔

''ہوں...... یہ بات تو ہے۔'' بلقیس نے جانے کے لئے قدم اُٹھائے۔

''بہت دیر سلطانہ کھڑی سوچتی رہی...... چند لمحوں کے بعد وہ خود بھی دوسری طرف چل دی۔

......جواد ایک ہی بیٹا ہے......اس طرح گھر سے کٹ گیا تو کیا بنے گا......؟

کئی روز یونہی گزر گئے...... جواد دوبارہ واپس نہ آیا......وہ جب بھی اصرار کرتی، سیٹھ کی تلخ وترش باتیں سننا پڑتیں......وہ اُس کے انتظار میں خاموش رہی۔

☆☆☆

ستم ظریفی فلک سیٹھ داؤد کا اکلوتا لخت جگر ٹھکانہ تلاش کررہا ہے......لیکن امان نہیں مل رہی...... اے خدا! وہ کہاں جائے جہاں اُس کی عزت برقرار رہے...... جب کوئی چوکھٹ نظر نہ آئی تو وہ اپنے دیرینہ ملازم بخشو کے ہاں پہنچ گیا جس کا چار مرلے کا مکان اُس کے بیٹے بہو اور اُن کے بچوں کے لئے بمشکل گزارے کا باعث تھا۔ بخشو تو ہمہ وقت

سیٹھ کے ساتھ رہتا۔ البتہ اُس کا بیٹا شہر میں مزدوری کرتا تھا۔ بخشو اکثر اوقات اپنے گھر چلا جاتا تھا۔ اس مرتبہ اُسے معلوم ہوا کہ بخشو بوجہ بیماری گھر آیا ہوا ہے۔

دروازے پر دستک دی...... بخشو کا بیٹا فرید باہر کی جانب لپکا۔

''ارے چھوٹے سرکار آپ......آئیے...... آئیے......اندر آجائیے......'' فرید کو ایسی جگہ نہ مل رہی تھی جہاں وہ جواد کو بٹھائے۔

''بابا...... دیکھو! کون آیا ہے۔'' اندر آتے فرید نے کہا۔

''کون......کون...... جواد بیٹا......'' بوڑھا بخشو ایک دم احتراماً کھڑا ہوگیا۔

''ارے لیٹے رہو بابا......'' جواد دونوں ہاتھوں سے بوڑھے کو بٹھاتا ہوا بولا۔

''دُلہن بیٹی......جلدی سے صاحب کے لئے چائے بناؤ!''

''اچھا بابا......'' کچن سے آواز آئی۔

''سناؤ بیٹا! کیسے آگئے ادھر...... یہ گھر تمہارے قابل تو نہیں ہے۔'' بوڑھے نے کہا۔

''تمہیں معلوم ہے بابا! کہ میں اس تفریق کا قائل نہیں ہوں۔''

''معلوم ہے صاحب...... ویسے یہ تفریق تو خدا نے ہی پیدا کی ہے۔'' فرید ہنس دیا۔

''ارے نہیں یار......تمہاری بات درست ہے۔ لیکن انسان سب برابر ہیں۔'' جواد نے کہا۔ فرید ہنستا ہوا چل دیا۔

''بابا! میں تو ایک کام سے آیا تھا۔'' وہ راستہ صاف دیکھ کر بولا۔

''کام...... میں غریب ملازم کس کام آسکتا ہوں؟'' بوڑھا اپنے آپ کو کمزور محسوس کرنے لگا۔

''چاروں جانب جب کوئی نظر نہیں آیا تو تمہارے پاس آگیا ہوں......''

چند لمحے بخشو نے سوچا...... باپ بیٹے کا جھگڑا تو اُسے معلوم تھا...... نہ جانے اب کیا کام ہے......؟

''بابا! کیا سوچنے لگے؟'' جواد کا ماتھا ٹھنکا۔

''بیٹے! میں سوچ رہا ہوں کہ ایسا کون سا کام ہے جو آپ یہاں آگئے؟'' بخشو نے مسکرا کر کہا۔

''بابا! تمہیں معلوم ہے نا کہ بابا نے مجھے گھر سے نکال دیا ہے۔'' جواد نے بات کی تمہید باندھی۔

''نہیں بیٹے...... آپ خود نکلے ہیں۔'' بخشو نے سیٹھ کی طرف داری کی۔

''ایک ہی بات ہے بابا...... جب وہ میری بات نہیں مان رہے۔'' جواد کے لہجے میں گرمی آ گئی۔

''بیٹا! والدین تو اچھی بری بات سے منع کرتے ہی ہیں۔'' بخشو نے دیوار کے ساتھ ٹیک لگائی۔

''بابا! میں اُس لڑکی سے شادی کرنا چاہتا ہوں...... اور بابا نے انکار کر دیا۔'' جواد نے کہا۔

''اب کیا کرنا ہے بیٹے...... سیٹھ صاحب غصے کے تیز ہیں۔ مانیں گے نہیں۔'' بخشو نے کہا۔

''نہ مانیں...... میں اُس سے شادی کروں گا...... میں اُس کے بغیر نہیں رہ سکتا۔'' جواد فوراً بولا۔

''عدالت میں شادی کر لو...... یہی راستہ ہے۔'' بخشو نے راستہ دکھایا۔

''نہیں بابا...... تم اور فرید میرے ساتھ چلو گے...... اور بیاہ کر تمہارے ہاں لے آؤں گا۔'' جواد کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

''یہاں...... اِس جھونپڑی میں...... بیٹا! یہ گھر تمہارے لائق تو نہیں۔'' بوڑھا بخشو حیرت زدہ سا بولا۔

''کچھ بھی ہے بابا...... بس! چند دنوں کی بات ہے...... پھر حالات سدھر جائیں گے۔'' جواد کھڑا ہو گیا۔

''بیٹھو بیٹھو صاحب جی...... چائے بن رہی ہے۔'' فرید باہر نکل کر بولا۔

''ارے نہیں فرید...... مجھے جانے دو...... پھر سہی۔'' جواد کو کچھ سہارا ملا۔

''بیٹے! چائے تو پیتے جاؤ۔'' بوڑھے نے کہا۔

''شکریہ بابا!'' جواد باہر نکل گیا۔

''بابا...... کوئی خاص چکر ہے؟'' فرید کی بیوی صدیقہ باہر نکل کر بولی۔

''ہاں بیٹی! چکر ہی ہے...... اب کیا کریں؟'' بوڑھا خود پریشان دکھائی دے رہا تھا۔

''بابا...... کہیں بھگا کر تو نہیں لایا کسی چھوکری کو؟'' فرید نے کہا۔

''باولے مت بنو...... شہر کی مشہور رقاصہ بتیاں سے شادی کر رہا ہے...... تمہیں اب

تک یہ بھی علم نہیں ہو سکا۔'' بوڑھے کو غصہ آ گیا۔

''سیٹھ اب اُسے گھسنے نہیں دیتا ہو گا۔'' صدیقہ نے کہا۔

''اب آگے کی سوچو...... کیا کرنا چاہئے؟'' فرید نے کہا۔

''سیٹھ کا بیٹا ہے...... انکار نہیں ہو سکتا۔'' بخشو نے کہا۔

''انکار تو ہم نہ کریں گے...... لیکن جب سیٹھ کو علم ہو گا تو بوٹیاں بھی ہماری کرے گا...... اُس کا ڈسا تو پانی نہیں مانگتا۔'' فرید آنے والے وقت سے خوفزدہ ہو گیا۔

''میں تو کہتی ہوں برے وقت سے انکار کر دینا اچھا۔'' صدیقہ نے پیالیاں سامنے رکھتے کہا۔

''انکار ہی تو نہیں ہو سکتا۔'' بوڑھے نے کہا۔

''بابا...... تمہیں بات تو کرنا ہو گی۔'' صدیقہ پھر بولی۔

''میں تو خود پریشان ہوں...... کس مشکل میں پھنس گیا ہوں......'' بوڑھا سوچنے لگا۔

''خیر...... اب بھگتو...... انکار ہم نہیں کر سکتے۔'' فرید نے حوصلے سے کام لیا۔ اور اپنے آپ کو سیٹھ کے عتاب کے لئے تیار کر لیا۔

اور دوسرے دن جواد خانم لاج پہنچا...... حویلی ایک بہت بڑی ایجنسی نے خرید لی تھی اور اُس کا سامان ٹرکوں میں لاد کر فروخت کر دیا گیا تھا...... بڑے لان میں خانم جان اور جانس کھڑے تھے۔

''آداب خانم سرکار......!'' جواد نے آگے بڑھ کر مؤدب کہا۔

''آؤ...... بڑی دیر کے بعد آئے ہو۔'' خانم سرکار نے کہا...... لیکن جانس حسب عادت سامان کی گنتی ہی کرتے رہے۔

''مجبوری تھی خانم سرکار!'' وہ صرف اتنا ہی کہہ سکا۔

''ہوں......'' وہ فوراً سمجھ گئی کہ ضرور گھریلو مسئلہ ہے۔ ضرور سیٹھ نے پھڈا ڈالا ہو گا۔ لیکن خانم نے اِس مسئلے پر بات کرنے کی ضرورت محسوس نہ کی۔ ''تمہیں صرف تین دن درکار ہیں...... آؤ اور نکاح کر کے بتیاں کو لے جاؤ......''

''بہتر......'' جواد صرف یہی کہہ سکا۔

''دیکھو...... تم سیٹھ کی واحد اولاد ہو...... بتیاں رقاصہ ضرور ہے لیکن طوائف نہیں...... میں نے اُس کی تربیت میں فحاشی کو داخل نہیں ہونے دیا...... نہ یہ بات مجھے پسند تھی اور نہ

میں نے کسی لڑکی کو اس گھناؤنے فعل کا مرتکب ہونے دیا ہے۔ تم بتیاں کو حویلی لے جاؤ اور اُس کا خیال رکھنا......''

''آپ فکر نہ کریں خانم سرکار...... میں ہر ممکن کوشش کروں گا کہ بتیاں خوش رہے۔''
جواد نے چونک کر سامنے غلام گردش کے کونے میں دیکھا...... سفید لباس زیب تن کئے بتیاں دراز بال کمر پر پھیلائے کسی مندر کی دیوی نظر آ رہی تھی۔ اُس نے بتیاں کو رقص کرتے تو دیکھا تھا...... لیکن اس روپ میں اُس کا جگر اُچھل گیا...... ایسا انوپ رُوپ آج آج تک کس نے دیکھا تھا......؟ وہ اٹلی، جاپان، برطانیہ بہت سے ملک سیر و تفریح کے لئے گھوم آیا تھا۔ لیکن بتیاں...... یہ کوئی آسمان سے اُتری ہوئی مخلوق تھی...... جو راستہ بھٹک گئی ہو......

''خانم سرکار......!'' وہ آہستہ سے بولا۔

''کہو......!'' خانم سرکار نے کہا۔

''اگر آپ اجازت دیں تو میں چند لمحوں کے لئے بتیاں سے مل لوں......؟'' وہ بڑے شریفانہ انداز میں بولا۔

''اس سے پہلے تم نہیں ملے......؟'' خانم جان تذبذب کے عالم میں بولی۔

''نہیں...... بتیاں آپ کی اجازت کے بغیر کچھ نہیں کرنا چاہتی۔'' وہ بے ساختہ بولا۔

''ٹھیک ہے...... لیکن میں نے بتیاں بلکہ کسی لڑکی کو اپنی مرضی سے ملنے سے منع نہیں کیا...... ہاں...... اکیلے جانا پسند نہیں کرتی ہوں۔''

وہ مسکرا دیا......

''پیارے لال......'' خانم نے قریب کھڑے پیارے لال کو آواز دی۔

''حاضر ہے پیارے لال خانم سرکار......!''

''جاؤ...... بتیاں سے کہو! ڈرائنگ رُوم میں جواد سے ملاقات کرے...... جواد ملنا چاہتا ہے۔''

''بہتر جناب......!'' پیارے لال حسب عادت لمبے لمبے ڈگ بھرتا بتیاں کی طرف جانے والے راستے کی طرف بڑھ گیا اور جواد منتظر ڈرائنگ رُوم کی طرف چلا گیا۔

''آداب......'' بتیاں انتہائی مؤدب شائستہ انداز میں ڈرائنگ رُوم کا مہین پردہ سرکا کر ظاہر ہوئی۔

''آداب......!'' وہ چونک کر کھڑا ہو گیا۔ ''تم واقعی بتیاں ہو...... تمہارے حسن کی روشنی نے میرے اندر کے اندھیرے ختم کر دیئے ہیں۔

''تشریف رکھئے......!'' وہ آہستہ آہستہ نرم و گداز قالین پر چلتی صوفے پر بیٹھتے ہوئے جواد کی طرف اشارہ کر کے بولی۔

وہ رعب حسن سے بت بنا کھڑا رہا...... وہ سوچ بھی نہ سکتا تھا کہ اتنی مشہور و معروف حسین ترین لڑکی اُس کی بیوی بن جائے گی...... اُس کے اندر روشن مستقبل نے انگڑائی سی لی...... وہ ایک دم چونکا اور تھینک یو کہتے ہوئے سامنے صوفے پر بیٹھ گیا۔

خانساماں چائے لے آیا۔

''تم جاؤ...... میں خود بنا لوں گی۔'' وہ ٹرالی کو اپنے سامنے گھسیٹتے بولی۔

''خانم سرکار ہمارے ملاپ سے مطمئن ہیں۔'' وہ جرات کرتے بولا۔

''ظاہر ہے...... آپ اُن کی پسند ہیں...... وہ مطمئن تو ہوں گی۔'' وہ سادہ الفاظ میں کہتے ہوئے چائے بنانے لگی۔

''کیا آپ مطمئن نہیں......؟'' وہ ایک دم افسردہ ہو گیا۔

''میرا اطمینان بھی خانم سرکار کے ساتھ ہی ہے۔'' وہ لاتعلق سی لگنے لگی۔

''آپ کا کچھ تو عندیہ ہو گا...... میں آپ کی نگاہ میں کیسا ہوں...... پسند کیا ہے؟'' وہ مسکرا دیا۔

''آپ اچھے ہیں...... ویسے خانم سرکار کی پسند اچھی ہے...... اور ویسے بھی میری پسند وہ بہتر سمجھتی ہیں۔'' وہ ایک کپ جواد کے سامنے رکھتے بولی۔

''Good...... میں اپنے آپ کو Lucky تصور کروں؟'' وہ بے تکلف ہونا چاہتا تھا۔

''کیوں......؟'' بتیاں نے کپ کو واپس رکھ دیا۔

''یہی کہ آپ نے خانم سرکار کی وساطت سے مجھے پسند کیا۔'' وہ بولا۔

''جی......'' گرم گرم جلتا ہوا گھونٹ اُس کے حلق سے اُتر کر جیسے جسم کے کل اعضاء کو جلا کر خاکستر کر گیا...... ماضی جلتے ہوئے شعلے کی طرح اُس کی رُوح کو راکھ کر گیا...... اس الاؤ میں اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ بالا جلوہ گر ہوا...... کہاں گئی وہ محبت...... بچپن کی حسین یادیں اُس کا تن من جلانے لگیں۔

بتیاں نے فوراً کپ میز پر واپس رکھا اور زبردستی متبسم ہوئی۔ ''خانم سرکار کی پسند ہی

میرے لئے سب کچھ ہے۔"

وہ مسکرا دیا......

"یہ لیجئے نا...... خانساماں شامی بہت اچھے بناتا ہے۔" بتیاں نے پلیٹ جواد کے سامنے رکھی۔

جواد نے اپنی پلیٹ میں شامی رکھا اور مرغوب انداز میں کھانے لگا۔ بتیاں بور ہونے لگی تھی......

جواد اُٹھنا نہیں چاہتا تھا...... کس کافر کا جی چاہتا تھا اُس کو چھوڑ کر جانے کے لئے؟

"اچھا...... اب اجازت دیجئے......" وہ کھڑا ہو گیا۔

"بیٹھیے......!" وہ ازراہِ اخلاق بولی۔

"پھر ملیں گے۔" وہ ڈرائنگ رُوم سے باہر نکل آیا۔ بتیاں بھی اُس کے ساتھ ہی باہر آ گئی۔

"خانم سرکار! آپ......" وہ مسکرا دی۔

"مجھے جواد سے کام تھا...... تم اپنے کمرے میں جاؤ بتیاں......!" خانم نے کہا۔

"بہتر سرکار......" وہ دوسری طرف کا زینہ چڑھ گئی۔

"تمہاری گاڑی کدھر ہے......؟" خانم جان کی چھٹی حس بیدار ہو گئی۔

"گاڑی...... میری گاڑی...... ورکشاپ میں...... بلکہ دونوں گاڑیاں ٹھیک نہیں ہیں...... اور بابا...... وہ اپنی مرسڈیز کو ہاتھ نہیں لگانے دیتے۔" وہ کھسیانا سا لگنے لگا۔

"ٹھیک ہے...... کل اور پرسوں تمہیں شادی کی تیاری کر لینی چاہئے...... کیونکہ ہم زیادہ دیر نہیں ٹھہر سکتے...... بلکہ کل چار بندے لاؤ اور بتیاں کو نکاح کر کے حویلی لے جاؤ!" ایک دم خانم سرکار نے حکم صادر کر دیا......

اب صرف بتیاں کا مسئلہ باقی تھا...... سب کام مکمل ہو چکے تھے...... جیون بائی اور دوسرے ملازمین کو اتنی رقم دے دی گئی تھی کہ وہ باقی زندگی سہولت سے گزار سکتے تھے۔ بتیاں کے نام بھی رقم کر دی گئی تھی...... صرف ایک پیارے لال تھا جس کا سوائے خانم جان کے اور کوئی نہ تھا...... اسی لئے جانس نے پیارے لال کو ساتھ لے جانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ سب تیاریاں مکمل ہو چکی تھیں۔

پھر وہ دن بھی آ گیا جب چند آدمیوں سمیت جواد آیا اور بتیاں کو دُلہن بنا کر واپس

بخشو کے گھر لے گیا...... خانم جان بالکل سرخرو تھی...... اور ایک دن سر جانس، پیارے لال اور خانم سرکار ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جرمنی روانہ ہو گئے......

جواد نے جتنا اس شادی کو خفیہ رکھا، اتنی ہی پھیل گئی...... اخبارات، رسائل میں بتیاں کی شادی کی خبر چھپ گئی...... ملک کی مشہور رقاصہ بتیاں نے شادی کر لی...... کاروباری حلقوں میں طوفان...... الحمرا ویران ہو گیا...... لوگ بتیاں کے رقص کو دیکھنے کے لئے آتے اور ناکام لوٹ جاتے...... غرض کہ تمام اخبارات میں ایسی ہی باتیں پڑھنے کے لئے ملتیں۔

صبح ناشتے کی میز پر ملازم نے تازہ اخبار سیٹھ داؤد کے سامنے رکھا...... سیٹھ نے اپنی دونوں بیویوں کے ساتھ بیٹھے ایک طائرانہ نظر اخبار پر ڈالی...... حسب عادت کھول کر پڑھنا شروع کیا اور ایک خبر پر آنکھیں پھٹ گئیں......

"دیکھا...... وہی ہوا جس کا مجھے خوف تھا۔" سیٹھ کی نظریں اُس خبر پر جم گئیں۔

بتیاں نے سیٹھ داؤد کے بیٹے سے شادی کر لی۔

"کیا ہوا......؟" سلطانہ بیگم نے پوچھا۔

"جو ہونا تھا وہی ہوا۔ لو! پڑھ لو......!" سیٹھ نے اخبار میز پر پھینکا۔

"پھر بھی...... کیا طوفان آ گیا......؟" چھوٹی بیگم نے اخبار اُٹھایا۔

"جواد نے رقاصہ سے شادی کر لی ہے۔" سیٹھ نے کہا۔

"یہ کون سی نئی بات ہے...... آخر ایک دن تو ایسا ہونا ہی تھا۔" چھوٹی بیگم نے کہا۔

سلطانہ بیگم خاموش تھی......

"جانے بھی دیجئے...... بیٹا ہے۔ منا کر لے آئیے......!" چھوٹی بیگم نے کہا۔

"کبھی نہیں...... یہ ہو ہی نہیں سکتا۔" جھنجھلا کر سیٹھ نے ہاتھ لہرایا۔

"اس طرح تو اُس کی صورت کو ترس جائیں گے۔" سلطانہ بیگم نے کہا۔

"غم نہ کرو...... رقاصہ سے شادی کی ہے...... اخبارات میں اُس کی خیر خیریت معلوم ہو جایا کرے گی۔" وہ جھلاتے ہوئے اُٹھا اور باہر کی طرف لپکا۔

"ناشتہ تو کر لیجئے......!" سلطانہ بیگم نے پیچھے سے آواز دی۔ لیکن وہ گاڑی سٹارٹ کئے سیدھا خانم کی حویلی پر پہنچا۔

ٹرن ٹرن...... سیٹھ نے بیل دی۔

چند سیکنڈ کے بعد نامعلوم سا شخص باہر آیا۔

”مجھے خانم جان سے ملنا ہے۔“ سیٹھ داؤد نے کہا۔

”خانم جان سے......؟“ آدمی حیران سا بولا۔

”کیا یہ حویلی خانم جان کی نہیں کہ میں غلط جگہ آ گیا ہوں؟“ سیٹھ داؤد نے جھنجلا کر کہا۔

”مجھے نہیں معلوم جناب!“ چند سیکنڈ بعد ایک اور آدمی فائلوں کا پلندہ اُٹھائے باہر سے اندر کی طرف آیا۔ ”یعقوب...... یہ صاحب کسی خانم جان کو ملنا چاہتے ہیں۔“ پہلے شخص نے کہا۔

”خانم جان تو حویلی فروخت کر کے کب کی باہر جا چکیں۔“ یعقوب نے سیٹھ داؤد کے بھاری بھرکم سراپا کو بڑے غور سے دیکھا۔

”کیا......؟“ سیٹھ داؤد نے منہ کھولا جیسے اُس کی سیٹی گم ہو گئی ہو...... اتنا بڑا کاروبار چھوڑ کر چلے جانا...... وہ سوچنے لگا۔

یعقوب نے بھی دیکھا۔

”اکیلی یا کسی کے ساتھ......؟“ سیٹھ داؤد کو بڑی تشویش ہوئی۔

”شوہر ہی تھے...... غیر کے ساتھ تو نہیں جا سکتیں۔“ یعقوب پھر بولا۔

”اور حویلی......؟“ سیٹھ نے کہا۔

”یہ حویلی سٹار کمپنی نے خرید لی ہے...... بس جی! اور تو کچھ نہیں پوچھنا......؟“ یعقوب شاید کوفت محسوس کر رہا تھا مختلف سوالات سے۔

”نہیں......“ سیٹھ کف دست ملتا لوٹ آیا۔

سیٹھ کی ساری ترکیب پر پانی پڑ گیا...... کیونکہ وہ جانتا تھا کہ خانم آسائش پسند عورت تھی...... اگر وہ اتنا ہی کہہ دیتا کہ اُس نے جواد کو عاق کر دیا ہے تو وہ کبھی بتیاں کا ہاتھ جواد کے ہاتھ میں نہ دیتی......اور خود بتیاں ایسے تہی دست شخص سے شادی کرنا پسند نہ کرتی۔

جو کچھ بھی ہوا خانم جان کے بعد ہوا...... خانم جان اپنے ہاتھوں سے بتیاں کو رخصت تو کر گئی...... اُسے یہ علم نہیں تھا کہ وہ بتیاں کو اپنی حویلی میں لے جائے گا یا کسی اور جگہ......

دوست کی مانگی ہوئی گاڑی میں بیٹھ کر وہ سیدھا بخشو کے ہاں پہنچا۔ گاڑی سے اُتر کر جب اُسے نے ٹوٹی پھوٹی دہلیز پر قدم رکھا تو بتیاں جو شرع سے ہی فہم ادراک رکھنے والی لڑکی تھی...... اُسے یہ تو علم ہو ہی چکا تھا کہ سیٹھ نے جواد کو ہر قسم کے روپے پیسے سے عاق کر دیا ہے...... بلکہ حویلی میں آنے کی اجازت بھی نہیں دی۔

لیکن وہ مطمئن تھی کہ اگر جواد شریف انسان ثابت ہوا تو ساری زندگی شرافت سے گزار دوں گی...... وہ تو خود اس زندگی سے تنگ آ چکی تھی جہاں عورت کو عورت نہیں سر راہ اُگا ہوا پھول سمجھا جاتا ہو...... اور ہر کوئی اُسے توڑ لے...... اور اب گھر کی باعزت چار دیواری میں گزر اوقات کرنا چاہتی تھی...... جہاں وہ ہو اُس کا شوہر اور بچے ہوں......

اسی طرح ایک کمرے میں بند رہ کر اُس کا دم گھٹنے لگا۔

”مُنے...... ادھر آؤ بیٹا!“ دروازے کی چوکھٹ پر بیٹھے صدیقہ کے بڑے بیٹے کو کھیلتے دیکھ کر آواز دی۔

”جی......؟“ مُنے نے صرف اتنا کہا اور پاس چلا گیا۔

”اپنی امی کو بلاؤ بیٹا......!“ وہ بولی۔

”اچھا......!“ یہ کہتے ہی مُنا باہر بھاگ گیا۔

چند لمحوں کے بعد بھیگے ہاتھوں کو جھٹک کر خشک کرتی صدیقہ داخل ہوئی۔ ”کیا بات ہے؟“ صدیقہ نے اپنی چادر سے ہاتھ خشک کیے۔

”میں اتنے روز اندر بند رہ کر تنگ آ گئی ہوں...... ذرا دھوپ میں بیٹھنا چاہتی ہوں۔“

”ہاں...... تو بیٹھ جاؤ...... آ جاؤ نا...... اس وقت تو گھر میں کوئی بھی نہیں۔“ صدیقہ بتیاں کو اپنے ساتھ صحن میں لے آئی۔

”بابا تو چلا گیا ہے نا......؟“ بتیاں صحن میں رکھی کرسی پر بیٹھ گئی۔

”بابا چلا گیا ہے اپنی ڈیوٹی پر......“ وہ دوبارہ میلے کپڑوں کو صابن لگاتے بولی۔

”فرید کہاں جاتا ہے......؟“ بتیاں نے سامنے کمروں میں دیکھا...... اِن کو اور تنگ نہیں کیا جا سکتا...... اُس نے سوچا۔

”فرید بھی محنت مزدوری کرتا ہے۔ شام کو تھکا ٹوٹا آ جاتا ہے۔“ صدیقہ نے جواب دیا۔

”نہ جانے جواد سارا دن کہاں کہتا ہے......؟“ بتیاں بولی۔

”نوکری تلاش کرتا ہے بی بی......!“ صدیقہ نے آخری کپڑا جھاڑ کر صحن میں لگی رسی پر پھیلا دیا۔

”نوکری تلاش کر رہا ہے؟ جواد تو سیٹھ داؤد کا بیٹا ہے۔“

بتیاں سب کچھ اُگلوانا چاہتی تھی۔

”تمہیں نہیں پتہ......؟“ صدیقہ لکڑی کی چوکی گھسیٹ کر بیٹھ گئی۔

"نہیں......!" بتیاں نے جواب دیا۔

"سیٹھ نے جواد میاں کو گھر سے نکال دیا ہے...... اب تو پیسے پیسے کے لئے تنگ ہے بیچارہ۔" صدیقہ نے کہا۔

"مجھے کیوں نہیں بتایا جواد نے؟" صدیقہ نے کہا۔

"کیسے بتاتا...... نئی نئی شادی ہے...... بھرم بھی تو قائم رکھنا ہے...... دولت میں کھیلا ہے...... نوکری کیسے کرے گا؟" دوسرے لمحے صدیقہ نے افسوس ظاہر کیا۔

"نوکری تو کرنی پڑے گی......" بتیاں نے آہستہ سے کہا...... میں تو پڑھی ہوئی نہیں ہوں۔ ورنہ کچھ نہ کچھ کر لیتی...... وہ سوچنے لگی۔

ٹھک ٹھک...... دروازے پر دستک ہوئی۔

"میرا خیال ہے فرید آیا ہے۔" بتیاں نے صدیقہ کے جاتے ہی سر پر آنچل درست کر لیا۔

فرید اندر داخل ہوا اور صدیقہ اُس کے پیچھے پیچھے صحن میں آ گئی۔

"بیٹھو نا......!" صدیقہ نے بتیاں کو جاتے ہوئے دیکھا۔

فرید دیکھتا رہ گیا...... سیاہ چپل میں بتیاں کے سفید نرم و گداز پاؤں...... جس عورت کے پیر اس قدر خوبصورت ہیں اُس کی صورت کیسی ہو گی......؟ اندر جاتے جاتے وہ پلٹی...... آنچل سرکا...... جس کی ایک جھلک فرید نے دیکھ لی۔

"بہت خوبصورت ہے......" فرید خاموش نہ رہ سکا۔ کیونکہ بتیاں کا سراپا اُس کے تصور میں ابھی تک رقص کر رہا تھا۔

"ہو گئے دیوانے...... مرد تو چٹی چمڑی دیکھ کر ہی لٹو ہو جاتے ہیں۔" صدیقہ نے بیٹھتے ہوئے اُس کے لئے کرسی رکھ دی۔

"چٹی چمڑی نہیں...... اس کے ہاتھ پاؤں دیکھو...... اتنے خوبصورت جیسے میدے سے بنے ہوں...... میں نے تو ایسا دلنشین حسن آج تک نہیں دیکھا۔"

"شرم کرو...... میرے سامنے ایک پرائی عورت کی تعریف میں پاگل ہوئے جا رہے ہو۔" صدیقہ کو شوہر پر غصہ آ گیا۔

"پاگل نہیں ہوا...... پھول کو پھول ہی کہیں گے...... کانٹا تو نہیں۔" وہ لہک کر بولا۔

"اے جانے بھی دو...... اُوپر سے تو پھول ہو گا...... کانٹا چاہے اندر ہو...... با عزت تو

نہیں۔" وہ جل کر بولی۔

"کیا مطلب......؟" فرید نے حیرت کے مارے کہا۔

"میرا مطلب ہے کہ چاہے اندر سے گناہ کی پوٹ ہو...... تمہیں یہ تو علم ہے ہی نا کہ یہ لڑکی کون ہے۔" صدیقہ کو یاد آ گیا۔

"معلوم ہے...... لیکن جواد بابو نے ایسے ہی اِس سے شادی نہیں کی۔ یہ ایسی نہیں ہو گی۔" فرید کو یقین تھا کہ جواد یونہی شادی نہیں کر سکتا۔

"بس بس...... مجھے تیری باتیں اچھی نہیں لگتیں۔" صدیقہ نے منہ بسورا۔

"دیکھ...... وہ اچھی عورت ہو گی تو صاحب نے پسند کیا۔" فرید نرم لہجے میں بولا۔

"وہ رقاصہ تھی...... اُس کے تو ہزاروں دوست احباب ہوں گے...... ایسی چھوکریاں ایک پر تھوڑی ٹکتی ہیں...... چوبیس گھنٹے مردوں میں رہنا...... ہنہ......" صدیقہ نے ناگوار انداز میں ہونٹ سکیڑے۔

"آہستہ بول! وہ سن نہ لے۔" فرید نے ایک دم صدیقہ کے ہونٹوں پر ہاتھ رکھ دیا۔

"تم مرد تو ہوتے ہی ہرجائی ہو...... ہر گل پر نثار ہو جاتے ہو......" صدیقہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

"برا مان گئی ہو......؟" فرید کو بعد میں احساس ہوا کہ اُس کو ایسا نہیں کہنا چاہیے تھا۔

"برا ماننے کی بات نہیں...... تم سارے مرد ہوتے ہی ایسے ہو...... ایک عورت تمہارے ساتھ وفا کرے...... تمہارے بچے پیدا کرے اور پرورش کرے...... سردی گرمی کا خیال کرے...... گھر کا خیال رکھے......" صدیقہ کا کلیجہ جل کر خاک ہو گیا۔

"چلو...... اب موڈ درست کر لو......!" فرید نے پچکارتے ہوئے کہا۔

"میں ٹھیک ہوں...... تمہارے پاس ہی رہنا ہے...... اب ناراضگی کیسی؟" صدیقہ نے جیسے فرید پر احسان کیا ہو۔

ایک دم دروازے پر دستک ہوئی۔

"صاحب کو کہو! اپنا ٹھکانہ کرے...... میں اب ایک دن میں رکھنے کو تیار نہیں ہوں۔" وہ طیش میں آ گئی۔

"کہہ دُوں گا...... کہہ دُوں گا۔" فرید معذرت خواہی کے انداز میں اُٹھا اور لمبے ڈگ بھرتا دروازے کے پاس پہنچ گیا۔

شام کے دھندلکے پھیل چکے تھے...... کمرے میں اندھیرا پھیل رہا تھا۔ بتیاں دروازے کے پاس ہی کھڑی تھی۔

''آگئے...... بہت دیر لگادی۔'' وہ واپس پلنگ پر بیٹھتے بولی۔

''ہاں دیر ہو ہی گئی۔'' وہ شرمندہ سا ہاتھ میں پکڑا شاپر اُس کے سامنے رکھ کر بولا۔

''آخر کب تک بازار سے کھانا آتا رہے گا......؟'' بتیاں نے شاپر کو پکڑ کر قریبی میز پر رکھ دیا۔

''جب تک وقت اجازت دے گا۔'' وہ تھکا تھکا سا لیٹ گیا۔

''جواد......!'' بتیاں چند لمحے سوچنے کے بعد بولی۔

''کیا بات ہے......؟'' وہ پلٹ کر اُس کی جانب رُخ کر کے لیٹ گیا...... جواد نے اُس کی آنکھوں میں جھانکا...... جیسے دو دیپ جل رہے ہوں......

''کیا بات ہے...... کس طرح دیکھ رہے ہو......؟'' بتیاں نے کہا۔ ایسی نگاہوں کا نظارہ تو وہ ہمیشہ سے کرتی آئی تھی۔ لیکن جو محبت کا انوکھا انداز اُس نے جواد کی مخمور آنکھوں میں دیکھا تھا...... کہیں اور نہ دیکھا......

''میں دیکھ رہا ہوں...... تم اِس قدر خوبصورت ہو کہ اگر میں ہمیشہ بھوکا رہوں تو زندہ رہ سکتا ہوں۔'' جواد کے الفاظ میں والہانہ پن تھا۔

''یہ نہیں ہو سکتا...... محبت کے علاوہ بھی بہت کچھ ہے زمانے میں......'' بتیاں نے اصلیت کا پہلو اُجاگر کیا۔

''ہے...... میں کب کہتا ہوں کہ صرف محبت ہی محبت ہے۔'' جواد نے اُس کی دراز زلفوں سے کھیلتے ہوئے کہا۔

''جواد! میری بات کو نظر انداز مت کرو...... تم شاید میرا مطلب نہیں سمجھے۔'' بتیاں جھلا کر بولی۔

''میں تمہاری سب باتیں اچھی طرح سمجھ رہا ہوں......''

''پھر کیا بات ہے...... کب تک یونہی چلتا رہے گا؟'' وہ ذرا ناگواری سے بولی۔

''کیا کروں...... کچھ سمجھ نہیں آرہا...... میں کیا کروں......؟'' وہ ماتھے پر ہاتھ رکھ کر شدید افسردہ لگنے لگا تھا۔

''کوئی نوکری تلاش کرلو......!'' وہ بولی۔

''نہیں ملتی نوکری...... سارا سارا دن دفاتر کے چکر کاٹ کر لوٹتا ہوں۔'' وہ مایوس سا ہو گیا۔

''ایسا کرو...... پہلے مکان تلاش کرو...... میں اب زیادہ دیر یہاں نہیں رہ سکتا۔'' وہ چند منٹ پہلے سب کچھ سن چکی تھی۔

''کوئی بات تو نہیں ہوئی......؟'' وہ ٹھٹھک گیا۔

''نہیں...... تم مکان تلاش کرو...... نوکری بعد میں دیکھی جائے گی۔''

''مکان تلاش کرلوں...... اور تمہیں معلوم ہے کرایہ......'' وہ چونک کر بولا۔

''کوئی جھونپڑی لے لو......'' وہ یہاں سے جلد نکل جانا چاہتی تھی...... سب کچھ بتا کر جواد کو پریشان کرنا بھی نہیں چاہتی تھی۔

''جھونپڑی...... ہنہ...... تم محل میں رہنے والی جھونپڑی میں رہ لوگی......؟'' وہ عجیب انداز میں ہنس دیا۔

''تم میری فکر نہ کرو...... میں تمہارے ساتھ فٹ پاتھ پر بھی رہ لوں گی۔'' وہ سچے دل سے مسکرا دی۔

''لیکن میں نہیں چاہتا کہ اِس قدر عیش و عشرت میں زندگی بسر کرنے والی......''

''بس بس...... آگے کچھ نہ کہنا...... میں نے تمہارے ساتھ زندگی گزارنے کا فیصلہ کر لیا ہے...... اور گزشتہ زندگی کو فراموش کر چکی ہوں۔'' وہ بڑے مستحکم ارادے سے بولی۔

جواد نے جھک کر کھانے والا بیگ اُٹھایا۔ ''کھانا کھاؤ...... بہت بھوک لگی ہے۔'' وہ بیگ کو کھولتا ہوا بولا۔

دونوں مل کر کھانے لگے...... جواد کے لئے سب سے اذیت ناک مسئلہ یہ تھا کہ اب ذاتی ضروریات کے لئے بھی اُس کے پاس رقم نہ تھی۔ تمام دوست احباب جو اُس سے اپنی ضروریات پوری کرتے رہے...... اور وہ دن رات اُن کی دعوتیں کرتا رہا...... روزانہ مرغ مسلم کی ڈشیں تیار ہوتی رہیں...... اور آج اُس کی باری آئی تو کسی نے ساتھ نہ دیا...... اُسے اپنے تمام ایسے خود غرض دوستوں سے شدید نفرت ہو چکی تھی...... اب وہ کچھ کر بھی نہیں سکتا تھا۔ سارے کھیل دولت کے ہیں...... اگر اُس کے پاس روپیہ ہوتا تو وہ آج باپ کے سامنے بھی تن سکتا تھا...... ہائے ری مجبوری...... نہ دولت تھی اور نہ عزت رہی تھی۔

چند دن یونہی روتے تڑپتے گزر گئے...... دن ڈھلے وہ گھر لوٹتا تو اُس نے بتیاں سے

کہا۔ ''کچی آبادی میں مکان تو مل گیا ہے۔''

''کیسا ہے......؟'' بتیاں بے ساختہ بولی۔

''بس ٹھیک ہی ہے...... جھونپڑی سے بہتر ہے۔'' وہ سنجیدہ سا بولا۔

''تم اس قدر افسردہ کیوں ہو......؟'' بتیاں نے کہا۔

''مالک مکان پانچ سال کا کرایہ پیشگی مانگ رہا ہے۔'' وہ بتیاں کو دیکھتا ہوا بولا۔

''اس میں پریشانی کی کون سی بات ہے...... یہ لو...... اور فروخت کر کے چاہے دس سال کا کرایہ ادا کر دو!'' بتیاں نے گلے سے طلائی نیکلس اُتار کر اُسے دیا۔

''یہ کیا...... نہ نہ......'' وہ اپنے ہاتھ سے بتیاں کا ہاتھ پرے کرتا بولا۔

''کوئی بات نہیں...... سونا ہمیشہ برے وقت کے لئے ہوتا ہے...... لو! تم اسے فروخت کر دو......'' وہ اصرار کے ساتھ بولی۔

''ٹھیک ہے...... اگر تم کہتی ہو تو میں فروخت کر دیتا ہوں۔'' ڈوبتے کو تنکے کا سہارا...... مدت سے ترسا ہوا رئیس زادہ ہزاروں مالیت کا نیکلس دیکھ کر چندیا گیا...... فوراً پکڑا اور جیب میں ڈال لیا......

چند دنوں کے بعد فرید اور صدیقہ کے معمولی اصرار پر وہ نہ رُکے اور اپنے مکان میں شفٹ ہو گئے۔

اُن کو فرید کا مکان چھوڑے ابھی دو دن بھی نہ ہوئے تھے کہ شب کے گیارہ بجے فرید کا دروازہ بری طرح بجنے لگا۔

''کون ہے اس وقت......؟'' فرید نے اُٹھ کر بتی روشن کی۔

''آواز دے لینا...... اللہ خیر......'' صدیقہ خوفزدہ سی اُٹھ گئی۔

''بچوں کا خیال رکھو...... میں دیکھتا ہوں......'' وہ باہر نکل گیا۔

''کون ہے......؟'' فرید نے پوچھا۔

''تم دروازہ کھولو...... ورنہ توڑ دیں گے۔'' ایک چھری کی طرح تیز کاٹ دار آواز فرید کی سماعت سے ٹکرائی۔ وہی آواز اُس کے حواس باختہ کر گئی اور اُس نے دہشت زدہ ہو کر دروازہ کھول دیا۔

''سچ بتاؤ...... صاحب اور اُن کی بی بی تمہارے ہاں ٹھہرے ہوئے ہیں؟'' ایک بھاری بھرکم مکروہ صورت کے آدمی نے فرید کا گریبان پکڑ لیا۔

فرید معاملے کی نوعیت سمجھ چکا تھا...... ایک دم اپنے حواس درست کیے...... ایک جھٹکے سے گریبان چھڑایا۔ ''تم کس کی بات کر رہے ہو......؟'' وہ پُرسکون آواز میں بولا۔

''ہم جواد سیٹھ کی بات کر رہے ہیں...... بولو! تمہارے ہاں ٹھہرا ہے؟'' ایک شخص دو قدم آگے بڑھ کر بولا۔

''میں غریب مزدور وہ سیٹھ لوگ۔ میری جھونپڑی میں کیوں آئیں گے؟'' وہ ٹھہر کر بولا۔

''تلاشی لو......'' ایک نے دوسرے سے کہا۔

''لے لو...... ایک کمرے میں میرے بیوی بچے ہیں۔ دیکھ لو جا کر!'' وہ اطمینان سے بولا۔

''جاؤ......'' ایک نے کہا۔

چند سیکنڈ بعد وہ شخص گھوم گھام کر آ گیا۔ ''نہیں استاد!'' وہ بولا۔

''ٹھیک ہے......''

سب دیو ہیکل آدمی پلٹے...... اُن میں سے ایک واپس آیا۔ ''دیکھو...... اگر تمہارے پاس آئیں تو اطلاع ضرور دینا۔''

''بھئی میرے پاس وہ کیوں آئیں گے...... میں غریب آدمی ہوں۔'' فرید نے کہا۔

''وہ پناہ کی تلاش میں مارا مارا پھر رہا ہے...... ہو سکتا ہے تمہارے پاس بھی آئے۔'' وہ جاتے جاتے بولے...... اور فرید کنڈی لگا کر لوٹ آیا۔

''اچھا ہی ہوا دونوں چلے گئے۔ ورنہ آج......'' فرید نے پیشانی سے پسینہ صاف کیا۔

''سیٹھ کے آدمی تھے......؟'' وہ سہمی سہمی سی بولی۔

''ہاں...... سن لو میری بات...... اب اگر جواد اپنی بی بی کے ساتھ آئے بھی تو رہنے نہیں دینا......'' صدیقہ نے ایک عہد کے تحت کہا۔

''اُن کو دھکا نہیں دیا جا سکتا...... خیر! دیکھا جائے گا...... اُدھر کچی بستی میں مکان لیا ہے۔'' فرید بولا۔

''بھول جاؤ......!'' صدیقہ لیٹتے ہوئے بولی۔

سیٹھ کے آدمی لوٹ کر حویلی پہنچے۔

''کوئی خبر ملی......؟'' سیٹھ نے پوچھا۔

''نہیں سرکار...... فرید کے گھر کے آس پاس بھی صاحب کا کہیں نشان نہیں ملا۔'' ایک آدمی بولا۔

''کہاں چلا گیا...... زمین کھا گئی یا آسمان نگل گیا...... اتنے بڑے کراچی میں تمہیں جواد کا علم نہیں ہو سکا۔'' سیٹھ کو غصہ آ گیا۔

''بہت تلاش کیا سرکار! بلکہ ساری آبادیاں بھی تلاش کر آئے ہیں۔'' دوسرے نے کہا۔

''جاؤ! ہر حال میں تلاش جاری رکھو......'' سیٹھ صوفے کے بازو پر سہارا لیتے بولا۔

سیٹھ کے آدمی باہر نکلتے ہی دونوں بیویاں اندر داخل ہوئیں۔

''کہاں چلا گیا......؟'' سلطانہ نے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔

''بچی رو رو کر ہلکان ہو رہی ہے۔ وہ بھائی کے ساتھ ہی ناشتہ کرتی تھی۔'' بلقیس نے کہا۔

''ہمارے دل کی حالت بھی غیر ہے...... ہم نے تو اُس کا گناہ بھی معاف کر دیا ہے۔'' سیٹھ نے اپنے تیز رفتار دھڑکتے دل پر ہاتھ رکھا۔

''وہ آپ کے خوف سے چھپتا پھر رہا ہے۔'' سلطانہ بیگم نے کہا۔

''آپ اخبار میں لگوا دیجیے......!'' بلقیس نے کہا۔

''پہلے ہی بہت رُسوائی ہو چکی ہے...... شہر والوں نے کیا کیا باتیں بنائیں ہمارے خلاف...... اب اور ذلت کا طوق گلے میں نہیں ڈال سکتے۔'' سیٹھ لیٹ کر بولا۔

''لوگوں کا کیا ہے...... اُنہیں تو بہانہ چاہیے۔'' بلقیس بولی۔

''یہ بات کم نہیں ہے کہ جس لڑکی سے ہمارے بیٹے کی شادی ہو...... وہ لوگ اُسے ہمارے ساتھ بھی منسوب کریں...... کیا یہ ذلت کم ہے...... اور اُس رقاصہ نے اچھا نہیں کیا...... اُس کو زندہ نہیں چھوڑوں گا۔'' سیٹھ داؤد نے دانت کچکچاتے دونوں مکے صوفے کے بازوؤں پر مارے۔

''جانے دیجیے...... غصہ آپ کی صحت کے لئے ٹھیک نہیں ہے۔'' سلطانہ بیگم بولی۔

''بیگم صاحبہ...... ڈاکٹر صاحب آئے ہیں۔'' ملازمہ نے کہا۔

''ہاں...... بھیجو......!'' ڈاکٹر کی آمد کا سن کر سلطانہ بیگم ایک دم بولی۔

دونوں اُٹھ کر باہر چلی گئیں۔

اور ڈاکٹر وارثی جو سیٹھ داؤد کے خاندانی ڈاکٹر تھے اندر داخل ہوئے۔

☆☆☆

''جواد......'' اُس کی پشت سے کسی نے پکارا۔

جواد ایک دم پلٹا......

''تم...... قدرت اللہ...... کیسے ہو یار......!'' جواد نے بے ساختہ اُسے گلے لگا لیا۔

''دیکھ لو...... سڑکوں کی خاک چھان رہے ہیں...... کوئی کام نہیں مل رہا......'' قدرت اللہ ایک بازو کے حصار کے ساتھ جواد کے ساتھ چلتا بولا۔ ''ایم اے کرنے کے بعد نوکری نہیں ملی۔'' جواد نے کہا۔

''تمہیں نہیں ملی؟'' قدرت اللہ فوراً بولا۔

''میرا تو بابا سے جھگڑا ہو گیا ہے...... تبھی در بدر ہو گیا ہوں۔'' جواد نے کہا۔

''مجھے معلوم ہے۔'' قدرت اللہ بولا۔

''تجھے معلوم ہے...... کہاں سے معلوم ہوا؟'' جواد کی آنکھیں پھٹ گئیں۔

''ارے یار...... اسی طرح عاصم کے ہاں چلا گیا...... وہاں معلوم ہوا کہ تم نے نامور گلوکارہ رقاصہ جیاں کے ساتھ شادی کر لی۔'' قدرت اللہ نے کہا۔

''بس...... یہی گلے کا پھندہ بن گیا۔'' جواد کو جیسے افسوس ہوا۔

''اس میں پریشانی کی کیا بات ہے...... تمہیں تو قارون کا خزانہ مل گیا۔'' قدرت اللہ کو اپنا بھی فائدہ نظر آیا۔

''کیا...... کیا مطلب ہے تمہارا......؟'' جواد چونکا۔

''ارے یار...... اس مفلسی سے جان چھڑاؤ...... تم تو ایک رات میں دولت مند بن سکتے ہو...... صرف دولت ہی ہر غم سے آزاد کرتی ہے۔'' قدرت اللہ کی آنکھیں چمک اُٹھیں۔

''تمہارے کہنے کا مطلب کیا ہے...... ذرا واضح کرو یار!'' جواد ذہنی اُلجھن میں جان نہ سکا۔

''دیکھو یار...... تمہاری بیوی کہ یعنی ہماری بھابھی ایک مقدس مقام رکھتی ہیں۔ لیکن

میں جو کہنا چاہتا ہوں...... وہ ایک الگ بات ہے۔'' قدرت اللہ جھینپ سا گیا۔

''یار! کھل کر بات کرو...... تم کیا کہنا چاہتے ہو؟'' جواد جھنجھلا گیا۔

''میرا ایک ملنے والا ہے...... اُس کی ایک فلم ساز شہاب الدین غوری سے بڑی واقفیت ہے۔''

''پھر......؟'' جواد نے آگے ہو کر کہا...... دونوں چلتے چلتے ایک سادہ سے ریسٹورنٹ میں چلے گئے۔ آمنے سامنے بیٹھتے جواد نے بات شروع کی۔

''آگے کہو......!''

''یار! غوری ایک بہت بڑا فلم ساز ہے...... وہ اپنی ہر فلم میں نئی لڑکی متعارف کراتا ہے...... اگر تم چاہو تو تم بھابھی کو کام دلوا سکتے ہو۔''

''میں کیسے کام دلوا سکتا ہوں...... میری تو کسی سے واقفیت نہیں ہے۔'' جواد بولا۔

''اوہو...... میں بات کروں گا...... تم بھابھی سے بات تو کرو......'' ''ارے یار! تم تو لاکھوں میں کھیلنے لگو گے۔'' قدرت اللہ نے سیدھے ہو کر بڑے جوش سے کہا۔

''میرا خیال ہے بتیاں نہیں مانے گی۔'' جواد نے کہا۔

''کیوں نہیں مانے گی...... تم کوشش تو کرو! روپیہ آتا کس کو برا لگتا ہے؟'' قدرت اللہ نے جواد کی ہمت بڑھائی۔

''نہیں یار...... وہ اور طرح کی لڑکی ہے۔'' جواد نے چائے کا کپ اپنے سامنے رکھا۔

''وہ کیسی بھی ہے...... تم کوشش کرو یار...... دولت تمہارے دروازے پر کھڑی ہے۔ کیوں دھتکار رہے ہو؟'' قدرت اللہ نے ایک بڑا سا گھونٹ حلق سے اُتارا۔

''اس طرح میری تشہیر نہ ہو گی؟'' جواد نے کہا۔

''بتیاں کے ماتھے پر نہیں لکھا ہوا کہ وہ تمہاری بیوی ہے...... پھر پہلے بھی تو وہ کام کرتی تھی۔'' قدرت اللہ نے کہا۔

''ہاں...... کام تو کرتی تھی...... ان حلقوں میں بڑا نام تھا اُس کا۔'' جواد نے گہری سوچ سے اُبھر کر کہا۔

''پھر تم کیوں اُسے قفس میں قید رکھنا چاہتے ہو......؟ اُس کو آزاد کرو......''

''بات تو تمہاری بھی درست ہے...... میں تو خود اس تنگ دستی سے تنگ آ گیا ہوں...... کتنے ماہ ہو چکے...... بتیاں کا خاصا زیور فروخت کر چکا ہوں...... اچھی خاصی رقم

کرائے اور کھانے پینے پر اُٹھ چکی ہے۔'' جواد کو جیسے سہارے کے لئے تنکا نظر آیا۔

چند لمحے دونوں خاموش رہے...... قدرت اللہ کالج میں بھی ڈیبیٹر رہا تھا...... بات کرنے کا اُس میں خاصا ملکہ تھا...... وہ جب بات شروع کرتا تو منوا کر چھوڑتا تھا

''خیال کرو یار...... یہ ثقافت ہے...... اب اندر بیٹھنے کا وقت نہیں ہے...... عورتیں تو مردوں کے شانہ بشانہ کام کر رہی ہیں...... اور تمہیں نہیں معلوم...... یہ شبنم مجید...... اس کا باپ اس کو گلوکاری کی طرف لے آیا ہے...... اور شازیہ خشک...... یہ رقص نہیں کرتی......؟ کتنے بڑے بڑے میلوں میں ڈانس کرتی ہے...... کیا ہے...... یہ ثقافت ہے ہماری......''

جواد ہنس دیا...... واہ بھئی...... تقریر خوب کرتے ہو...... ویسے مداح ہوں میں تمہارا۔''

''میری بات مانو یار......!'' قدرت اللہ نے بھرپور ہاتھ جواد کی پشت پر مارا......

''ایک بات تو بتاؤ......!'' جواد ہنس کر بولا۔

''کہو......!'' قدرت اللہ بولا۔

''تم اس قدر دلچسپی کیوں لے رہے ہو......؟''

''یہ میں تمہیں بعد میں بتاؤں گا...... اس طرح تم مجھے خود غرض کہو گے۔''

''ٹھیک ہے...... میرا خیال ہے اب چلنا چاہئے۔'' جواد کھڑا ہو گیا۔

''تمہیں ملنا ہو تو کہاں مل سکتا ہوں؟'' قدرت اللہ نے کھڑے ہو کر پوچھا۔

''کچی بستی آ جانا...... سڑک شروع ہوتے ہی ایک تنگ گلی میں فواد نامی آدمی کا گھر ہو گا۔'' جواد بولا۔

''فواد...... وہ کون ہے......؟'' قدرت اللہ حیران رہ گیا۔

''ارے یار...... اس راز کو راز ہی رکھنا...... میں اب فواد ہوں جواد نہیں۔'' وہ بولا۔

''وہ کیوں......؟'' دونوں باہر آ گئے۔

''ابا نے میرے تعاقب میں بندے لگا رکھے ہیں۔'' جواد قدرت اللہ کے ساتھ سڑک پر چلتے ہوئے بولا۔

''یہ تو اور بھی اچھی بات ہے...... تمہیں یہاں سے لاہور جانا پڑے گا۔'' قدرت اللہ نے کہا۔

''اچھا خیر...... تم بات تو کرو...... پھر جانے کا مسئلہ بھی حل ہو جائے گا۔'' جواد چلتے چلتے ایک رکشے میں بیٹھ گیا اور قدرت اللہ سیدھا اپنے گھر کی طرف جانے والی بس میں

بیٹھ گیا۔

چار بہنوں، دو چھوٹے بھائیوں اور بوڑھی ماں کا اکلوتا کفیل گھر میں داخل ہوا......

''کہو بیٹا...... نوکری ملی......؟'' ماں نے اندر داخل ہوتے ہی پہلا سوال کیا۔

''نوکری کو چھوڑو ماں...... وہ نہیں ملے گی۔'' وہ دونوں جوتوں کو زمین پر مارتے گرد جھاڑنے لگا۔ ''اس گرد کو دیکھو ماں...... کتنے دروازوں کے چکر کاٹے ہوں گے۔'' قدرت اللہ نے زمین پر جوتوں کی گرد کی طرف دیکھ کر کہا۔

''تو فکر نہ کر میرے بیٹے...... چھوٹی موٹی نوکری تو مل ہی جائے گی۔'' وہ چند لمحے خاموش رہنے کے بعد بولی۔

''ہاں اماں...... دیکھتے ہیں اُونٹ کس کروٹ بیٹھتا ہے...... کوشش تو جاری ہے۔'' وہ بولا اور ماں کے پاس ہی سیدھا لیٹ گیا۔

''گڈی...... اے گڈی بیٹا! بھائی کے لئے کھانا لا......'' ماں نے بڑی بیٹی کو آواز دی۔

''رہنے دو اماں...... بھوک نہیں ہے۔'' وہ کروٹ لے کر لیٹ گیا۔

''صبح بھی تو نے کچھ نہیں کھایا......'' ماں نے قدرت اللہ کے بالوں پر شفقت بھرا ہاتھ پھیرا۔

''یہ روز روز لسی کے ساتھ روٹی...... میں نہیں کھا سکتا......'' وہ جیسے تنگ آ گیا ہو۔

''بیٹا کیا کریں...... تمہارے باپ کے بعد ایسے حالات ہو گئے ہیں۔ کم از کم اُن کے ہوتے ہانڈی تو پکتی تھی۔'' ماں بڑے دُکھ سے بولی۔

''ہاں اماں...... یہ بات تو درست ہے...... ابا کیا گیا...... ہانڈی بھی ساتھ لے گیا۔'' قدرت اللہ حسب طبیعت ہنس دیا۔

''اچھا بس! دل مت چھوڑ...... خدا کرے تجھے کوئی کام مل جائے۔ گھر میں جوان بہنیں ہیں...... ان کی سوئی سلائی کا بھی فکر ہے۔'' ماں نے جیسے یاد دلایا۔

''کرلیں گے سوئی سلائی بھی۔ روٹی کا چکر تو ختم ہو۔'' اُسے ماں کی بات پر غصہ آ گیا۔

''اچھا بیٹا اچھا...... لے! تو آرام کر......'' وہ سونے کی تیاری کر رہا تھا۔ ماں اُسے اونگھتے چھوڑ کر چل دی۔

''اماں...... بھائی کو کہو! بستہ لا دے...... یہ دیکھو! سارا پھٹ گیا......'' چھوٹے بیٹے

نے آ کر ماں سے لپٹ کے کہا۔

''کہاں سے لا دے...... روٹی تو پوری ہونے دو......'' ماں نے جھنجھوڑ کر اُسے علیحدہ کر دیا۔

''اماں...... کیوں دل توڑتی ہو راہی کا......'' بڑی بیٹی کا دل دُکھا اور اُس نے راہی کو ساتھ لگا لیا۔

''کیا کروں...... روز روز کی خواہشات تو تب ہی پوری ہوں گی جب قدرت اللہ نوکری کرے۔'' ماں کو صرف یہی اُمید تھی۔

''مل جائے گی نوکری...... بھائی کا بھی اس میں دوش نہیں ہے۔'' گڈی نے دلاسا دیا۔

''راہی! تم میرا بستہ لے لو...... میں تو کتابیں ہاتھ میں لے جاتی ہوں۔'' پانچویں والی نوشی اندر آتے بولی۔

''ہاں ٹھیک ہے راہی! تم نوشی کا بستہ لے لو...... جب میں کسی کام پر لگ جاؤں گا نا تو سب کو پہلے بستے لے دوں گا۔'' دروازے میں دونوں ہاتھ پکڑے قدرت اللہ بولا۔ اُس کی بات سنتے ہی سب کھلکھلا کر ہنس دیے۔

''بھائی! اماں کو بھی......'' راہی نے قدرت اللہ سے لپٹتے ہوئے کہا۔

''ہاں یار...... اماں کو تو بستے کی بہت ضرورت ہے۔'' قدرت اللہ نے راہی کو ساتھ لگائے ہوئے اندر آ کر کہا۔

''وہ کیوں......؟'' گڈی نے ہنس کر کہا۔

''تم سب بدھو ہو...... تمہیں کچھ بھی نہیں معلوم۔'' وہ ایک کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولا۔

ماں شاید جانتی تھی...... خاموش بیٹھی ہنستی رہی۔

''کیا بھائی......؟'' چھوٹی لڑکی نے کہا۔

''ارے بھئی...... جب کسی کے پاس پیسے نہیں ہوتے...... اُس وقت اماں کے بستے میں پیسے ہوتے ہیں۔'' یہ سنتے ہی سب ہنس دیے۔

''آپ کو کیسے معلوم......؟'' گڈی نے کہا۔

''پوچھ لو اماں سے...... کہ تھیلی میں ایک پاؤ دودھ کے پیسے ہیں۔'' وہ ہنستا ہوا بولا۔

''چائے کو دل کرتا ہے میرے بچے کا...... لے میں ابھی لائی۔'' اور اماں دوسرے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

''دیکھا...... ہیں نا اماں کے پاس پیسے۔'' وہ ہنس دیا۔

''گڈی...... اماں سے چوری چوری ذرا پتی زیادہ ڈالنا...... شاباش میری بہن......'' اُس نے بہن کو پچکارا۔ اور وہ پانی رکھنے چل دی۔

بہت دن گزرنے کے بعد بھی جواد کی ہمت نہ پڑی کہ وہ بتیاں سے بات کر سکے...... وہ خاموش ساتھ والے بستر پر لیٹا تھا۔

''کیا بات ہے...... کئی دنوں سے باہر نہیں گئے......؟'' بتیاں نے کہا۔

''کیا کروں جا کر...... نوکری کے لئے جاتا ہوں...... وہ ملتی نہیں۔'' وہ بولا۔

''کوئی چھوٹی موٹی نوکری کر لو...... کم از کم روٹی تو چلے...... بیٹھے بیٹھے کہاں تک چلے گا؟'' وہ جواد کے پاس ہی بیٹھ گئی۔

جواد نے بغور بتیاں کی طرف دیکھا...... اُس کا حسن لازوال تھا...... وہ گھر میں چولہا جھونکنے کے قابل ہرگز نہ تھی۔

''کیا دیکھ رہے ہو......؟'' بتیاں نے کہا۔

''میں دیکھ رہا ہوں کہ یہ تمہارے خوبصورت ہاتھ جن کے اندر سے خون جھلک رہا ہے...... روٹی پکانے کی گرمی برداشت کر لیں گے؟'' وہ اپنے ایک ہاتھ میں بتیاں کے مرمریں ہاتھوں کو تھام کر بولا۔

''جب روٹی پیٹ میں نہ ہو تو سب کچھ کرنا پڑتا ہے۔'' وہ بغور جواد کو دیکھ کر بولی۔

''لیکن میں نہیں چاہتا کہ تم ایسی گھر داری کرو جس سے تمہارا حسن متاثر ہو۔'' جواد نے اُس کی تراشیدہ کاکل کو اپنی اُنگلی سے ہٹایا...... لیکن وہ ضدی دوبارہ اپنی جگہ پر آ گئی۔

''اب کچھ نہ کچھ تو کرنا ہی پڑے گا۔'' بتیاں نے کہا۔ جواد چند لمحے خاموش رہا۔

''ایک بات سے معاملہ حل ہو سکتا ہے۔'' بتیاں نے کہا۔

''وہ کیا......؟'' جواد نے پوچھا۔

''تم اپنے والد سے معافی مانگ لو!'' بتیاں نے کہا۔

''ہاں...... معافی مانگ لوں...... اور تمہیں چھوڑ دوں...... میرا باپ تمہیں کبھی قبول نہیں کرے گا۔'' جواد نے بیٹھتے ہوئے کہا۔

''یہ تو میں بھی جانتی ہوں۔ لیکن میرا اب تمہارے بنا کون ہے؟'' وہ اُداس سی ہو گئی۔

''میں تمہیں نہیں چھوڑ سکتا...... گھر والوں سے ملاقات تو ہو ہی جائے گی...... لیکن

بتیاں چلی گئی تو ساری کائنات تاریک ہو جائے گی۔'' جواد نے بتیاں کو بڑی محبت سے ساتھ لگا لیا۔

''سچ کہتے ہو۔'' وہ اندازِ خود سپردگی کے عالم میں بولی۔

''سچ کہتا ہوں...... تم سے محبت نہ ہوتی تو اتنا بڑا رسک ہرگز نہ لیتا...... شادی تو ہو ہی جاتی۔'' جواد نے بڑی چاہت سے کہا۔

''ہاں جواد! تم ٹھیک کہتے ہو......'' بتیاں نے اُس کے شانے پر سر رکھ دیا۔

''بتیاں......!'' جواد نے آہستہ سے پکارا۔

''کیا......؟'' بتیاں نے یونہی اپنی مخمور نگاہیں اُٹھائیں...... اور وہ ان آنکھوں کے سحر میں بری طرح ڈوب گیا...... کتنی حسین ہے بتیاں...... میں اس سے بہت روپیہ کما سکتا ہوں...... دولت وہی جو اپنی جیب میں ہو...... قدرت اللہ ٹھیک کہتا ہے...... بتیاں تم قارون کا خزانہ ہو......

ایک لمحے میں ہزاروں میل کی مسافت طے کر گیا اور جھک کر بتیاں کی خوبصورت پیشانی پر پیار کے شدید جذبے کے تحت ہاتھ پھیرا۔

''تم نے کچھ کہا تھا......'' بتیاں سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔

...... اتنی بڑی گلوکارہ اور رقاصہ میری بیوی...... کتنا خوش بخت ہوں میں...... وہ ابھی سوچوں کے بھنور سے نکلا نہیں تھا......

''بولو نا جواد...... تم نے پوچھا تھا کچھ......'' بتیاں نے کہا۔

''ہاں بتیاں...... میں کبھی کبھی سوچتا ہوں کہ تم اس قدر نامور اور خوبصورت لڑکی ہو...... تمہیں مجھ سے محبت ہے۔'' جواد نے کہا۔

''جب خانم نے تمہیں میرے لئے پسند کر لیا تو محبت تو کرنی پڑے گی۔'' وہ ہنس دی۔

''مجبوری ہے......؟'' جواد بھی ہنس دیا۔

''نہیں...... مجبوری نہیں۔ جب کسی لڑکی کی شادی ہو جاتی ہے تو اُس کی محبت کا مرکز صرف اُس کا شوہر ہوتا ہے۔'' بتیاں خالص مشرقی انداز میں بولی۔

''ویری گڈ...... تمہارے خیالات کتنے اچھے ہیں...... کیا یہ باتیں کسی سے سیکھی ہیں...... یا کسی اور......'' وہ رُک گیا...... پھر حیرت زدہ سا بولا۔ ''بھلا اتنے سال سٹیج اور تھیٹر پر کام کرنے والی ایسی حسین گفتگو کر سکتی ہے؟''

''میں نے بچپن سے اب تک سٹیج پر کام کیا ہے...... کبھی ایسا موقع ہی نہیں آیا۔ اگر میں کسی کو پسند کرتی تو ضرور سکینڈل تو بنتا۔'' وہ بولی۔

''ہاں...... یہ بات تو ہے...... لوگ تو ویسے بھی بات کا افسانہ بنا لیتے ہیں۔'' جواد نے ہنس کر اُسے دیکھا۔

''بچپن کی کچھ یادیں ذہن کی سلیٹ پر درج ہیں کہ ایک لڑکا میرا چچا زاد، میرا ہم عمر...... ایک ساتھ کھیلا کرتے تھے...... وہ چند سال بڑا ہی ہوگا۔'' کہتے ہوئے وہ پژمردہ سی ہوگئی۔

''بچپن کو چھوڑو...... بچپن میں تو کئی لوگ ملتے ہیں اور بچھڑ جاتے ہیں۔'' جواد اُس کے قریب ہی ٹیک لگا کر لیٹ گیا۔

''جواد! بارہ بج گئے کچھ کھانے کے لئے لاؤ۔'' جتیاں نے اپنی کلائی کی گھڑی دیکھی۔

''ہاں...... لے آؤں گا...... لیکن دو کپ چائے کہ نہ بن جائیں گے؟'' وہ انجانے میں بولا۔

''کیسے بن جائیں گے؟ کوئی برتن تو گھر میں ہے نہیں...... اگر کوئی ہمسائی آجاتی ہے تو شرم محسوس ہوتی ہے...... وہ عورتیں کیا خیال کرتی ہوں گی؟'' وہ زچ سی ہوگئی۔

''تم ایسی عورتوں کو اندر نہ آنے دیا کرو...... دروازے میں ہی واپس کر دیا کرو۔'' جواد کو برا لگا۔

''یہ تو کوئی بات نہ ہوئی...... اس طرح تو بستی میں بدنامی ہوگی۔'' جتیاں نے کہا۔

''میں تو چاہتا تھا کہ تمہارا ساتھ ہو اور کراچی کی کسی اچھی جگہ شاندار کوٹھی ہوتی اور دن سہولت سے بسر ہوتے۔'' جواد نے بڑے غور سے اُس معصوم کی طرف دیکھا جو سب کچھ اُس کی ذات پر نچھاور کر چکی تھی۔

''یہ تو بس! خواب ہی ہیں۔ بھول جاؤ سب کچھ۔'' جتیاں نے بڑی سادگی سے کہا۔

''کیا تمہیں اس کسمپرسی کا احساس نہیں ہوتا؟...... حالانکہ تم نے تو بڑی آسائش میں زندگی بسر کی ہے۔'' جواد آہستہ آہستہ کوشش کر رہا تھا کہ اصل موضوع کی طرف آئے۔

''خانم جان نے ہمیں شہزادیوں کی طرح پرورش کیا ہے...... کبھی پانی بھی اُٹھ کر خود نہیں پیا تھا۔'' جتیاں کو خانم جان بری طرح یاد آنے لگی۔

''تمہارا دل نہیں چاہتا کہ دوبارہ اچھی زندگی گزارو......؟'' جواد نے پوچھا۔

''کس بل بوتے پر......؟ زیور بک چکا ہے...... روپیہ بھی ختم ہو رہا ہے۔ جس سے تم نے قرض لیا تھا اُس کی ادائیگی کے بعد تو حالات اور بھی سنگین ہو جائیں گے۔'' وہ بہت پریشان نظر آنے لگی۔

اچانک دروازے پر دستک ہوئی۔

''میرا خیال ہے قدرت اللہ ہے......'' وہ کہتا ہوا اُٹھا اور باہر والے دروازے کی طرف چل دیا۔

''ارے یار! کیسے ہو؟ خبر ہی نہیں دی۔'' دروازہ کھلتے ہی قدرت اللہ نے ہنستے ہوئے کہا۔

''تم سناؤ! کیسے ہو...... مجھے تمہارا ہی انتظار تھا۔'' جواد نے پلٹ کر دیکھا۔

''کہیں بٹھاؤ یار...... تفصیل سے بات ہو جائے۔'' قدرت اللہ نے کہا۔

''باہر چلتے ہیں...... گھر میں بات نہیں ہو سکتی۔'' جواد نے کہا۔

''جلدی کرو......'' قدرت اللہ دو قدم آگے بڑھ گیا۔

جواد واپس آیا۔ ''جتیاں...... میں کام سے جا رہا ہوں...... کنڈی لگا لو...... دیکھنا کھولنا نہ کوئی عورت بھی آئے تو......'' اُس نے کہا۔

''مجھے بھوک لگ رہی ہے۔'' جتیاں بولی۔

''میں آتے ہوئے کچھ لیتا آؤں گا۔'' وہ جاتے جاتے بولا۔

''دیکھنا! دیر مت لگانا......'' وہ کنڈی لگاتے بولی۔ اور واپس پلٹ آئی۔

بھوک سے برا حال ہو رہا تھا...... گھر میں کوئی چیز بھی نہ تھی جس سے پیٹ کی آگ کو بجھایا جا سکے...... وہ الماری کی طرف پلٹی...... رُومال کھولا...... جس میں صبح کا سوکھا نان کا ٹکڑا پڑا تھا...... جلدی سے گلاس پانی کا بھرا اور اُس کو کھانا شروع کیا...... آنسو ڈھلک کر گالوں کے رُخساروں پر بہہ نکلے...... چند لمحے ماضی اُبھر کر سامنے آ گیا......

''اماں...... بالا سوکھے نان لایا ہے...... ہم سے نہ کھائے جائیں گے......'' وہ منہ بسور کر پرے بیٹھ گئی۔

''مرتی کیوں ہے...... شہر گیا تھا...... سوکھے نان تھوڑی ہیں پگلی...... یہ دیکھ! کباب...... اور کباب کے ساتھ تکے......'' وہ لفافہ کھول کر اُس کے سامنے رکھتا ہوا بولا۔

''ہوں...... مزے دار......'' جلدی سے ایک نوالہ منہ میں ڈال کر بولی۔ چٹخارے

لینے لگی۔

''اب سارے اس کو کھلا دے گا......؟ شیری کے لئے بھی رکھ لے......!'' سا چائے بناتے خدیجہ بولی۔

''چاچی......تم سب کا لفافہ وہ پڑا ہے...... یہ تو میرا اور بتیاں کا ہے۔'' وہ ایک ا نگل کر بولا۔

''اچھا......'' خدیجہ کچن میں رکھے میز پر لفافہ اُٹھانے چل دی۔

''تو بھی کھا......'' وہ کھاتے کھاتے بولی۔

''تو پیٹ بھر کے کھا لے......سب تیرے لئے ہے۔'' بالے نے محبت سے کہا۔

''اتنا کچھ تو ہے...... لے! میرے ہاتھ سے کھا......'' وہ نوالہ بنا کر اُس کی ط بڑھاتے بولی۔ اور بالے نے اُس کا ہاتھ پکڑ کر بڑی محبت سے نوالہ منہ میں رکھ لیا۔

''بالے......!'' وہ نگلتے ہوئے بڑے مرغوب انداز میں بولی۔ ''قسم سے...... بھی بازار جائے نا...... میرے لئے یہ سب کچھ لایا کر...... بڑے مزے کی چیزیں ہیں کبابوں کا مزہ بھی اُس کی گفتگو میں شامل تھا...... بالا نہال ہوتا جا رہا تھا......

''ہاں ہاں...... بڑے مزے کا ہے سب کچھ...... پیسوں سے آتا ہے سب کچھ خدیجہ پاس آ کر بولی۔

''اماں...... میں کون سا کہہ رہی ہوں کہ مفت لے آتا ہے۔'' وہ ہنس دی۔

''جو کچھ بھی شیری اور چاچا سے لیتا ہے...... تمہاری پسند کی چیزیں لے آتا اپنے لئے اس نے کبھی کچھ نہیں خریدا۔'' آج خدیجہ کو بالے پر رحم آ رہا تھا۔

بڑے زور سے دروازے پر دستک ہوئی...... ''دیکھ بالے کون ہے؟'' خدیجہ ن

وہ بیساکھی ٹیکتا تیز رفتاری سے دروازے کی طرف چل دیا......

اور......

بتیاں کا طلسم ٹوٹ گیا...... پانی کا گلاس ابھی تک اُس کے ہاتھ میں تھر تھرا رہا تھ

''بالے! تو کہاں ہوگا......؟'' وہ نہ چاہتے ہوئے بھی پلنگ پر گری اور زار و ق دی۔ روٹی کا ٹکڑا اُس کے ہاتھ کی بند مٹھی میں جوں کا توں پکڑا رہا۔

وہ دونوں چلتے چلتے ریسٹورنٹ میں آ گئے...... آمنے کرسیوں پر بیٹھتے ہی جواد نے چائے کا آرڈر دیا۔

''سناؤ......کوئی اچھی خبر ہے......؟'' جواد نے میز پر رکھے جگ سے دو گلاسوں میں پانی اُنڈیلا۔

''بڑی اچھی خبر ہے یار......اب اس پر عمل کرنا یا کروانا تمہارا کام ہے۔'' قدرت اللہ کو اُمید نظر آ رہی تھی۔

''بولو تو سہی......'' جواد نے گلاس خالی کر کے واپس میز پر رکھ دیا۔

''میں اسلام کے ساتھ لاہور گیا تھا...... اور وہاں غوری صاحب سے ملاقات بھی ہوئی۔'' قدرت اللہ کی آنکھیں چمک رہی تھیں۔

''پھر......؟'' جواد نے کرسی پر پہلو بدلا۔

غوری صاحب نے کہا کہ وہ تو اپنی فلم کو تقریباً مکمل کر چکے ہیں...... البتہ سید نور سے ملاقات کی جا سکتی ہے۔'' قدرت اللہ نے بھی دوسری طرف پہلو بدلا۔

''ارے یار...... سید نور تو بہت بڑا فلمساز اور ڈائریکٹر ہے...... اُس نے ملاقات ہی نہیں کی ہو گی۔'' جواد نے کہا۔

''ابے جا...... سید نور بہت اچھے آدمی ہیں...... وہ ہمیشہ نئے آنے والوں کو چانس دیتے ہیں۔''

''پھر......؟'' جواد ایک دم بولا۔

''وہ آج کل ناز کفیل گیلانی کی کتاب ''کڑی نیم کے نیچے'' پر فلم بنا رہے ہیں...... اُس میں تین گیت ہیں...... وہ چاہتے ہیں کہ ایسی رقاصہ ہو جو اس موقعہ محل پر رقص کر سکے اور ہو سکے تو گانا بھی......'' قدرت اللہ نے جواد کو دیکھا جس کے چہرے پر رضامندی جھلک رہی تھی۔

''گانا تو وہ بہت اچھا گاتی ہے...... اور رقص...... جس کا کوئی ثانی نہیں۔'' جواد نے تصور ہی تصور میں بتیاں کو الحمرا اسٹیج پر رقص کرتے دیکھ کر کہا۔

''یہ تو خیر میں بھی مانتا ہوں...... اب تمہیں بھابھی سے بات کرنا ہو گی۔''

''اوہو! بات تو میں کر لوں گا...... تم بتاؤ! دورانِ ملاقات کیا کہا گیا؟'' جواد بولا۔

''ارے یار! اُنہوں نے کہا ہے کہ کسی دن ملاقات کے لئے سید نور کے پاس جانا ہو گا...... میرا خیال ہے وہ بتیاں نام کی کسی رقاصہ کو جانتے بھی ہیں۔ سب سے پہلے آڈیشن ہو گا...... اُمید ہے کہ ہم لوگ کامیاب ہو جائیں گے۔ اور جب ایک فلم کامیاب ہو گئی تو

دیکھنا! آئندہ کامیابی کی کتنی راہیں اُستوار ہوتی ہیں۔'' قدرت اللہ نے حسب عادت تقریری انداز میں کہا۔

''اب ہمیں کیا کرنا چاہئے؟'' جواد اُس کی تقریر سے بور ہونے لگا تھا۔

''چلنے کی تیاری کرو...... اور تاحال اس بستی کو چھوڑ دو......'' قدرت اللہ نے کہا۔

''وہاں کون سی جگہ ہوگی رہنے کے لئے؟'' جواد نے کہا۔

''رہ لیں گے یار...... تم یہ سب مجھ پر چھوڑ دو...... آخر میں بھی جانتا ہوں کہ بھابھی ساتھ ہے...... رہنے کے لئے کوئی باعزت جگہ ہونی چاہئے۔'' وہ بڑے وثوق سے بولا۔

''ٹھیک ہے......'' جواد بولا۔

''اب تم چائے پیو! اور پرسوں تک جانے کی تیاری کرو...... اور ہاں! یہاں بھابھی سے کوئی بات نہ کرنا۔'' قدرت اللہ نے چونک کر کہا۔

''میرا بھی یہی خیال ہے۔ اگر یہاں اُسے سب کچھ بتا دیا تو اُس نے انکار کر دینا ہے...... ضدی بڑی ہے یار......!'' جواد کچھ خوفزدہ سا ہو گیا۔

''خیر...... عورت مرد کے سامنے کیا ضد کرے گی...... بس! تم صرف نوکری کا بہانہ بناؤ...... بھابھی مان جائے تو بڑے غریبوں کی نوکری اُن سے بندھی ہے۔'' قدرت اللہ ہنس دیا۔

''بکواس نہ کر......'' جواد اُٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

''میں پرسوں دس بجے تمہیں لینے آؤں گا۔'' قدرت اللہ نے کہا۔

''او کے......'' جواد تیز رفتاری سے گھر کی طرف چل دیا۔

اندر داخل ہوتے ہی اُسے احساس ہوا کہ وہ کچھ کھانے کے لئے نہیں لایا۔ بتیاں نے دوبارہ کنڈی لگا دی۔ ''کوئی بات نہیں...... صبح کا سوکھا نان پڑا تھا...... میں نے کھا لیا ہے۔'' وہ جل کر جواد کے ساتھ اندر آ گئی۔

''معاف کرنا بتیاں...... مجھے رُومال دو...... میں لے آؤں گا......'' وہ معذرت خواہانہ انداز میں بولا۔

''بس! رہنے دو...... شام کو چلے جانا...... میری بھوک ختم ہو گئی ہے۔'' وہ زبردست انکار کرتے بولی۔

''ضد نہ کرو...... رُومال دو...... مجھے بھی بھوک لگی ہے۔'' وہ خفت محسوس کر رہا تھا۔

''بس! چھوڑو...... اگر بھوک ہے تو جا کر کھا آؤ......'' وہ جلتے ہوئے بولی۔

''کچھ نہیں کھانا......؟'' وہ آخری مرتبہ پوچھنے لگا۔

''ہاں ہاں...... مجھے بھوک نہیں ہے۔'' وہ منہ بسور کر دوسری طرف کروٹ لے کر لیٹ گئی۔

''ارے یار...... منہ تو میری طرف کرو...... چند باتیں کرنا تھیں تم سے۔'' وہ ایک ہاتھ سے اُس کو اپنی طرف گھسیٹتا ہوا بولا۔

''کیا ہے...... کہو!'' وہ ہنس دی۔

''چلو شکر ہے...... غصہ تو ٹھنڈا ہوا۔'' جواد نے اُس کے بال سلجھائے۔

''ہاں بولو...... کون سی باتیں......؟'' اُس نے پوچھا۔

''ہم لاہور جائیں گے۔'' وہ بولا۔

''کیوں......؟'' وہ چند لمحوں کے لئے لرز گئی۔

''وہاں نوکری ملے گی...... وہاں قدرت اللہ کچھ نہ کچھ بندوبست کر دے گا۔''

''کتنے دنوں کے لئے......؟'' وہ چونکی۔

''ارے یار! اگر نوکری اچھی مل گئی تو وہیں رہیں گے...... خدا نہ کرے اگر کام نہ بنا تو واپس......'' وہ خوش کن لہجے میں بولا۔

''اور یہ مکان......؟'' وہ بھی ہنس دی۔ اچھے دنوں کی اُسے بھی اُمید تھی۔

''یہ کون سا اپنا ہے...... کام بن گیا تو خالی کر دیں گے۔'' جواد نے کہا۔

''چلو ٹھیک ہے...... تیاری کروں......؟'' بتیاں نے کہا۔

''ٹھیک ہے...... بیگ میں میرے اور اپنے کپڑے تیار کر لو...... باقی رہنے کا بندوبست قدرت اللہ نے کر دیا ہے۔'' جواد کو بڑی اُمید تھی کہ بتیاں کو دیکھتے ہی سید نور اُسے منتخب کر لے گا...... بتیاں ایک نامور گلوکارہ اور رقاصہ تھی۔ اور حسین بھی۔

دوسرے دن بتیاں نے ضروریات کی تمام چیزیں بیگ میں ڈالیں اور الماری سے ایک فائل نکالی۔

''اسے رہنے دو......!'' جواد بولا۔

''یہ تمہارے کاغذات ہیں۔ جہاں نوکری کرو گے، وہ لوگ مانگیں گے۔'' وہ بولی۔

''ہاں ہاں...... لے جاؤ!'' وہ جان بوجھ کے بولا۔ اُسے احساس ہی نہ رہا کہ وہ

بتیاں کے ساتھ جھوٹ بول رہا ہے...... بتیاں نے بیگ میں اُس کی فائل بھی رکھ لی۔

تیسرے دن انتظار کرتے وہ وقت بھی آ گیا...... قدرت اللہ کے ساتھ بس میں سوار ہو کر وہ لوگ اسلام کے گھر پہنچے...... بتیاں نے اپنے چہرے پر اچھی طرح چادر لپیٹی ہوئی تھی اور آنکھوں پر چشمہ لگایا ہوا تھا۔ اسلام کے لئے حیران کن بات تھی کہ اِس قدر باپردہ خاتون جو سید نور کی فلم میں کام کرے گی......؟ خیر...... بڑے بڑوں کے پردے چاک ہوتے دیکھے...... اِن کو بھی دیکھ لیں گے۔'' وہ مطمئن انداز میں اُن کے لئے چائے لینے چلا گیا۔

''یہ چھوٹا سا گھر ہے...... چند دن ہم یہیں رہیں گے۔'' قدرت اللہ نے کہا۔

''کام بننے کے بعد اور گھر مل جائے گا۔'' جواد کمرے کی تاریکی سے متاثر ہو کر بولا۔

قدرت اللہ نے اُٹھ کر کھڑکی کھول دی جو صحن میں کھلتی تھی...... تھوڑی دیر کے بعد اسلام چائے اور ساتھ بہت کچھ لے آیا۔

''لو یار! تم لوگ کھاؤ...... کل تمہاری اور میری ملاقات سید نور کی کوٹھی میں ہو گی۔'' اسلام جاتے جاتے بولا۔

''سید نور...... یہ کون ہے......؟'' بتیاں چونک سی گئی۔

''لو! کچھ کھا لو بھابھی...... چادر اُتار کر سکون سے کھا لو......'' قدرت اللہ نے ایک دم بات پلٹ دی اور معنی خیز انداز میں جواد کو دیکھنے لگا۔ جواد نے یوں چائے بنا کر بتیاں کے سامنے رکھی جیسے کوئی بات نہ ہوئی ہو۔

چادر اُتار کر بتیاں صحن میں ہاتھ دھونے چل دی۔

''ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں...... تمہاری بیوی ہے...... رضا مند کرو اگر زندگی خوشحال گزارنی ہے...... اور ہاں...... میں شام کو باہر جاؤں گا...... تم بات کر لینا تاکہ بروقت بدمزگی نہ ہو۔'' قدرت نے پانی کا گلاس خالی کر کے کپ پکڑا۔

''ٹھیک ہے......'' جواد نے بھی اب ٹھان لی کہ وہ بات ضرور کرے گا۔

''تمہاری بیوی مان جائے گی...... وہ یہ کام کر چکی ہے۔'' قدرت اللہ نے کہا۔

''کر تو چکی ہے...... لیکن اب تو وہ کلی طور پر چھوڑ بھی چکی ہے نا۔'' جواد نے کہا۔

''اوہو...... بھئی میں جانتا ہوں وہ چھوڑ چکی ہے...... لیکن ماننا اُس کے لئے آسان ہوتا ہے جو پہلے کر چکا ہو۔''

''اچھا یار...... کوشش تو میں کروں گا......'' جواد نے کہا۔

''کوشش...... کوشش تو ناکامی کا سرا ہے...... تم نے ناممکن کو ممکن بنانا ہے...... سمجھے؟''

قدرت اللہ کھڑا ہو گیا۔ بتیاں اندر آ گئی...... لیکن ٹھٹکی...... جواد نے اُس کے سامنے چائے رکھ دی......

''میں باہر جا رہا ہوں۔'' قدرت اللہ جاتے جاتے بولا اور جواد سوچتا ہوا اندر آ گیا۔

''جواد......!'' وہ بولی۔

''کیا ہے......؟'' جواد کرسی کی پشت سے ٹیک لگا کر بولا۔

''تم کچھ پریشان نظر آ رہے ہو۔'' بتیاں نے کپ رکھا۔

''نہیں...... تم نے کیسے جانا......؟'' جواد چونکا۔

''تمہارے چہرے پر کئی رنگ نظر آ رہے ہیں۔'' بتیاں نے بغور دیکھا۔

''تم چہرہ شناس کب سے ہو گئیں......؟'' جواد زبردستی مسکرا دیا۔

''چہرہ شناس تو میں کب سے ہوں...... بلکہ بچپن سے......'' وہ سوچنے لگی۔

''بچپن سے......؟'' جواد حیرت سے بولا......

اور بتیاں ایک مرتبہ پھر ماضی کے جھروکوں میں اُتر آئی......

''اماں...... بالا مار کھا کے آیا ہے...... دیکھ! اِس کے کپڑے پھٹے ہوئے۔'' وہ صحن میں برتن دھوتے جیسے تڑپ کر کھڑی ہو گئی۔

''میں نے بھی لاٹھی سے خوب مارا......'' بالا اُس کے پاس درخت کی بڑھی ہوئی موٹی چھال پر بیٹھنے کا سہارا لیتے بولا۔

''دیکھا...... میں جان گئی ہوں...... تو لڑ کے آیا ہے...... کہیں زیادہ چوٹ تو نہیں آئی......؟'' وہ اُس کے سرخ ہوتے رُخسار کو دیکھ کر بولی۔

''پہلے یہ بتا! تو نے کیسے جانا کہ میں جھگڑ کے آیا ہوں......؟'' وہ اُس کے دوپٹے کو منہ میں ڈال کر گرم گرم چوٹ کو لگاتے بولا۔

''میں تیری صورت سے جان لوں کو تو باہر کیا کر کے آیا ہے...... ہائے میں مری...... کس نے مارا تجھے...... دیکھو! نیل پڑ گیا......'' وہ بالے کے ہاتھ سے آنچل لے کر زور زور سے اپنے گرم گرم سانس سے بالے کے رُخسار پر سینک دینے لگی۔

''تو شکلیں پڑھ لیتی ہے......'' بالے نے اپنا ہاتھ اُس کے ہاتھ پر رکھ دیا جو بتیاں

نے بالے کے رُخسار پر رکھا ہوا تھا۔

''اور کچھ پڑھوں نہ پڑھوں تیری صورت ضرور پڑھ لوں گی۔'' بتیاں نے کہا اور بالا ہنس دیا۔

وہ بہت دیر تک اُس کے رُخسار پر ٹکور کرتی رہی...... وہ پُرسکون انداز میں بیٹھا رہا۔

''اماں گھر پر نہیں ہے...... ورنہ وہ بھی غصے ہوتی۔'' بتیاں نے کہا۔

''اچھا ہوا۔ اب بتانا بھی نہ۔ بس! چپ ہی رہنا۔'' بالا سامنے رکھی چارپائی پر بیٹھتے بولا۔

''میں تو نہ بتاؤں گی...... اور یہ جو لال لال گال...... اماں نہ دیکھے گی؟'' شریر انداز میں بتیاں نے بڑی بوڑھیوں کی طرح چار اُنگلیاں اُس کے جبڑے میں گھسیڑ دیں۔

کھٹاک سے دروازہ کھلا اور کالو کی ماں دندناتی ہوئی اندر آئی...... ''تیرا ستیا ناس بالے...... لاٹھی مار کے میرے پتر کا کھنہ کھول دیا......'' وہ کالو کو بازو سے گھسیٹتی اندر لائی۔

بالا اور بتیاں ایک دم دونوں کھڑے ہو گئے۔ ''تیرے کالو نے بھی مارا ہے...... دیکھ! گال نیلو نیل کر دیا بالے کا...... اپنی واری بڑا دُکھ ہوا ہے۔'' بتیاں نے تنک کر ہاتھ نچاتے جواب دیا۔

''گال نیلو نیل ہوا ہے...... سر تو نہیں پھاڑا......'' کالو کی ماں چلانے لگی۔

اور بتیاں ایک دم پلٹ آئی......

''کہاں چلی گئی تھیں......؟'' جواد نے پوچھا۔

''کہیں بھی نہیں...... بس! خانم جان کبھی کبھی یاد آنے لگتی ہے۔''

''خانم جان کو چھوڑو اور میری بات سنو......!'' جواد نے اب پوری طرح ٹھان لی تھی کہ وہ بھی اُس کو آمادہ کر لے گا۔''

''کون سی بات......؟'' بتیاں ٹھٹھک گئی۔

''دیکھو بتیاں! میں نے بہت جگہ ٹرائی کیا...... بڑی کوشش کی...... میری اعلیٰ تعلیم کے باوجود بھی مجھے اچھی نوکری نہیں مل سکی۔'' جواد نے پریشان انداز میں کہا۔

''کوئی چھوٹی موٹی کر لو۔'' بتیاں نے فوراً کہا۔

''نہیں...... وہ میں کرنا نہیں چاہتا۔'' جواد نے سر ہلایا۔

''کیوں نہیں کرنا چاہتے...... جب میں کہہ رہی ہوں۔'' بتیاں نے کہا۔

''اس لئے کہ چھوٹی موٹی نوکری سے اس دور میں گزارہ ہونا بہت مشکل ہے......

میں اپنے باپ کی طرح ایک دولت مند شخص کہلوانا چاہتا ہوں......'' جواد نے کہا۔

''دولت مند شخص تو تم کبھی نہیں بن سکو گے...... کیونکہ ملازمت میں آدمی صرف روٹی حاصل کر سکتا ہے...... آسائش نہیں۔'' یہ وہ جانتی تھی کہ نوکری کیا ہے۔

''تم ٹھیک کہتی ہو۔ لیکن میں یہاں ایک اور مقصد کے لئے آیا ہوں۔'' وہ ایک دم بولا۔

''کیا......؟'' وہ بری طرح ٹھٹھک گئی...... سر سے پاؤں تک تیز گرم رو اُس کے بدن کو جلا کر بھسم کر گئی۔

''زیادہ طیش میں ہرگز نہ آنا...... میری مجبوری کو سمجھنے کی کوشش کرو......!'' جواد سیدھی سادھی گفتگو کرنے لگا۔

''تم بات کرو...... معاملہ کیا ہے......؟'' وہ کچھ حیرت زدہ سی ہو کر سراسیمگی کے عالم میں جواد کو دیکھنے لگی۔

''ٹھنڈے دل سے میری بات سننا اور اس پر عمل کرنا...... زیادہ غصہ تمہارے لئے نقصان دہ ہے۔'' جواد پوری طرح اُس کو مطمئن کرنا چاہتا تھا۔

''آخر بات کیا ہے...... کہو تو سہی!''

''کل ہماری ملاقات سید نور سے ہے۔'' جواد نے بغیر کسی تاخیر کے کہہ دیا۔

''کس سلسلے میں......؟'' وہ چونکی۔

''میں چاہتا ہوں کہ وہ تمہیں اپنی کسی فلم میں کاسٹ کر لیں۔'' جواد نے آہستہ سے کہا۔

''جواد...... تم...... میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ تم اس قدر گر جاؤ گے...... میں تمہاری بیوی ہوں......'' وہ جوش سے کھڑی ہو گئی۔

''میں نے کہا تھا نا! کہ ناراض ہونے کی ضرورت نہیں...... یہ ہم سب کے لئے فائدے کی بات ہے...... اور پیٹ خالی ہے۔'' جواد اُٹھ کر اُس کے قریب چلا گیا۔

''یہ جانتے ہوئے بھی کہ میں یہ کام چھوڑ چکی ہوں؟'' وہ ناگوار انداز میں بولی۔

''مجھے معلوم ہے۔'' وہ بولا۔

''پھر تم نے ایسی جرات کیوں کی......؟'' وہ روہانسی سی ہو گئی۔

''میں تمہاری صلاحیتوں کو اُجاگر کرنا چاہتا ہوں...... دبانا نہیں چاہتا۔'' جواد نے اُس کے شانوں کو پکڑ کر اُس کا رُخ اپنی طرف کیا۔

''میں اسی حال میں خوش تھی...... بس! غربت و افلاس میں ہی زندہ رہنا چاہتی تھی۔''

وہ گلوگیر آواز سے بولی۔

''یہ تمہارا وہم ہے میری جان...... غربت و افلاس میں زندگی بسر نہیں کی جاسکتی......''

جواد نے بڑی چاہت سے اُس کا رُخ پھر اپنی طرف کیا جسے جھٹک کر بتیاں نے ہٹادیا۔

''مجھ سے اچھی تو خانم جان تھی...... جس کے اشارے پر تم ناچتی تھیں۔''

''خانم جان کا طعنہ دینے کی ضرورت نہیں ہے......'' وہ قہر آلود نگاہیں جواد کی نگاہوں سے ٹکرا کر بولی۔

''کیوں...... اُس نے تمہیں اس راہ پر نہیں چلایا......؟'' جواد حقیقی طور پر اپنی خود پرست شوہریت دکھانے لگا۔

''یہ میں مانتی ہوں...... لیکن اُس وقت جب مجھے زندگی گزارنے کا شعور نہ تھا...... میرا وجود صحرا نورد ذرہ خاک اُس کے قدموں پر بے آسرا پڑا تھا...... اُس عورت نے اس بے دست و پا بچے کو جس طرف چاہا لگا دیا...... پھر بھی میں اُس کی ہمیشہ احسان مند ہوں کہ اُس نے میری عصمت کی حفاظت کی...... مجھے دنیا کے بہت درندوں سے محفوظ رکھا ہے۔''

وہ آخری الفاظ چلا کر ادا کرتے کرسی پر بیٹھ گئی۔

جواد اُس کے سامنے بیٹھ گیا۔ ''اب تو تمہیں شعور آگیا ہے نا......!'' وہ چہرے پر نرمی لا کر بولا۔

''بالکل آگیا ہے...... اسی لئے تو کہہ رہی ہوں کہ اب میں اپنی مرضی سے زندگی گزاروں گی۔'' وہ بولی۔

''اپنی مرضی سے زندگی گزارو گی...... کیسے گزارو گی......؟ مزدوری کرلو گی...... ایک گھریلو زندگی گزارنے کے لئے برتن صاف کرلو گی...... مجھے معلوم ہے...... تم مزدوری بھی نہیں کرسکتیں...... ناز و نعم میں پلی ہوئی بتیاں مشقت کیسے کرے گی...... تمہیں وہی کرنا پڑے گا جو میں چاہتا ہوں......'' وہ اپنے ارادے میں مضبوطی پیدا کرنے لگا۔

''تمہیں اتنا بے غیرت تو میں نے کبھی خیال نہیں کیا تھا...... سیٹھ داؤد تو اتنا ہی غیرت مند شخص تھا جس نے تمہارے ساتھ میرا وجود پسند نہیں کیا۔'' بتیاں نے طنز کیا۔

''اِن سب باتوں کو چھوڑو...... میں اب اِن پر یقین نہیں کرتا...... کیونکہ زندگی گزارنے کے طریقے بدل گئے ہیں۔'' وہ بولا۔

''اب آسمان زمین پر اور زمین آسمان پر چلی گئی ہے...... میرا مطلب ہے کہ دونوں

نے جگہ تبدیل کرلی ہے۔'' بتیاں بولی۔

''ایسا ہی سمجھو...... دنیا بہت بدل گئی ہے...... روزی کمانے کے لئے کوئی بھی باعزت پیشہ اختیار کیا جاسکتا ہے۔'' جواد نے کہا۔

''یہ باعزت ہے......؟'' بتیاں چونکی۔ اُس کے لہجے میں طنز شامل تھا۔

''ہاں...... باعزت ہے......'' جواد سنجیدہ ہوگیا۔

بتیاں خاموش رہی...... وہ پوری طرح ارادہ کرچکا تھا کہ ایسا کرکے رہے گا۔

دروازے پر دستک ہوئی...... وہ ایک دم اُٹھ کر باہر دروازہ کھولنے چلا گیا۔

قدرت اللہ اندر آچکا تھا۔

انتہائی واویلا مچانے کے بعد بھی بتیاں اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہوئی۔ خوبصورت بتیاں حسین وجمیل لباس زیب تن کئے جواد اور قدرت اللہ کے ساتھ سید نور کی کوٹھی روانہ ہوگئی...... سید نور نے دیکھتے ہی اندازہ لگالیا کہ یہ لڑکی رقص میں منجھی ہوئی ہے اور گلوکاری میں بھی جواد نہیں رکھتی۔

سید نور کے اندازے غلط ثابت نہ ہوئے...... بتیاں کو سید نور نے اپنی فلم کھڑی نیم کے نیچے میں گلوکارہ اور رقاصہ لینے کے علاوہ خوبصورتی میں جاذب نظر ہونے کے ساتھ ہیروئن بھی کاسٹ کرلیا۔

چند دن گزرنے کے بعد سید نور نے تمام کاغذات مکمل ہوتے ہی جواد سے ملاقات کی۔

''دیکھئے جواد صاحب...... یہ فلم میں جاپان کے اشتراک سے بنا رہا ہوں۔ یہ کہانی اِس قسم کی ہے کہ جاپانی زبان میں بھی ڈب ہوسکتی ہے...... اس لئے اس کا معاوضہ آپ کو دو کروڑ دے رہا ہوں......''

''دو کروڑ......؟'' اتنی رقم سنتے ہی اُس کی آنکھیں پھٹ گئیں...... اُس کا باپ اس قدر دولت مند شخص ہے...... دو کروڑ تو اُس کے پاس بھی نہ ہوگا...... وہ خاموش سا ہوگیا۔

''دیکھئے...... اگر آپ کا رقص کامیاب رہا تو ہوسکتا ہے رقم زیادہ ہوجائے۔ بہرحال! ابھی اسے ہی قبول کیجئے۔'' سید نور نے خیال کیا کہ شاید رقم کم ہے اس لئے جواد صاحب خاموش ہیں۔

''ٹھیک ہے سید صاحب! بعد میں دیکھ لیں گے۔'' جواد اُٹھ کر باہر چلا گیا۔

☆☆☆

کھڑی نیم کے نیچے نے مارکیٹ میں تہلکہ مچا دیا...... ہر فلم ساز اِس نئی لڑکی کی اداکاری، گلوکاری اور اُس رقص کو دیکھ کر عش عش کر اُٹھا جو ایک مشکل ترین آگ رقص تھا۔

''سید صاحب! فلم کی اِس بڑی کامیابی پر بہت بہت مبارک ہو۔'' غوری صاحب اُن کے پاس آتے بولے۔

''خدا کی مہربانی ہے غوری صاحب...... دریافت اچھی تھی۔'' سید نور بولے۔

''میں نے سنا ہے کہ بتیاں الحمرا میں بھی کام کرتی رہی ہے۔'' غوری سوچ کر بولے۔

''جی ہاں...... اب آہستہ آہستہ انکشاف ہو رہا ہے کہ ملک کی بہت بڑی رقاصہ خانم جان کے زیرِ تربیت رہی ہے بتیاں۔'' سید نور نے کہا۔

''خانم جان کہاں ہے......؟'' غوری صاحب بولے۔

''وہ ملک سے باہر جا چکی ہیں...... جواد صاحب ہی سب کچھ کر رہے ہیں۔'' سید نور نے جواد کی اہمیت بیان کی۔

''اس کا مطلب ہے کہ کوئی معاہدہ کرنے سے پہلے جواد صاحب سے وقت لینا پڑے گا......؟'' غوری صاحب نے پوچھا۔

''آپ نے اس فلم پر کتنا پرافٹ کمایا......؟'' غوری صاحب بولے۔

''اللہ کی رحمت سے بہت...... کروڑوں لگایا اور کئی کروڑوں کمایا......'' سید نور بڑے خوش نظر آ رہے تھے۔

''اچھا! میں چاہتا ہوں کہ اپنی فلم میں بتیاں کو سائن کروں۔'' غوری صاحب نے کہا۔

''ضرور ضرور...... آپ جواد صاحب سے وقت لے لیجیے...... اُمید ہے کہ کام بن جائے گا۔'' سید نور نے اطمینان دلایا۔

''میرا خیال ہے اُن کے سیکرٹری قدرت اللہ سے بات کریں، پھر جواد صاحب سے ملا جائے۔'' غوری صاحب بولے۔

''ہاں! یہ بھی ٹھیک ہے...... قدرت اللہ بھی بڑے کام کا آدمی ہے...... بڑی لفاظی ہے اس کے پاس۔'' سید نور ہنس دیئے۔

''ٹھیک ہے......!'' غوری صاحب آفس سے باہر نکل آئے۔

سید نور کی فلم کی انتہائی کامیابی پر فلم سازوں کی آنکھیں کھل گئیں...... ہر شخص یہی چاہتا تھا کہ اُس کی فلم بتیاں سائن کرے...... اُس کی فلم میں بتیاں کا ایک ہی رقص ہو...... لیکن دولت اور شہرت کے آسمان پر اُڑنے والے جواد نے ریٹ ہی اس قدر لگا رکھے تھے کہ چھوٹا موٹا فلمساز اُس کی طرف منہ کرتے ہچکچاتا تھا۔ لیکن پھر بھی ضرورت مند دوڑے چلے آتے تھے...... لیکن بتیاں ایک وقت میں ایک ہی فلم سائن کرنا چاہتی تھی۔ وہ صرف جواد کے آگے ہار مان چکی تھی ورنہ وہ کبھی دوبارہ رقاصہ بننے کے لئے تیار نہ ہوتی۔

شام چھ بجے کا عمل ہو گا...... بیرا پھولوں کے کنج کے پاس خوبصورت ٹرالی میں چائے معہ لوازمات لے آیا تھا...... بتیاں تر و تازہ آرام کرسی پر بیٹھی تھی۔

''چائے بیگم صاحبہ......!''

''صاحب کو بلاؤ......!'' وہ بولی۔

چند لمحوں کی تاخیر کے بعد بڑے خوشگوار موڈ میں جواد سامنے کرسی پر بیٹھ گیا۔ بتیاں نے ایک پیالی اُس کے سامنے رکھی اور دوسری بڑے ریلیکس انداز میں کرسی سے ٹیک لگا کر خود پینے لگی۔

''بتیاں......!'' جواد نے کپ کو واپس رکھتے ہوئے کہا۔

''کہیے جناب......!'' وہ طنزاً ہنس کر بولی۔

''طنز کر رہی ہو......؟'' جواد بولا۔

''نہیں تو...... یونہی کہہ دیا۔'' بتیاں گھونٹ حلق سے اُتار کر بولی۔

''آج سے پہلے تو کبھی ایسے پُرتکلف الفاظ اختیار نہیں کیے۔'' جواد جان چکا تھا کہ وہ اُس سے طنزاً گفتگو کرنے لگی ہے۔

''پھر بھی کیا بات ہے...... کہو! میں ہمہ تن گوش ہوں۔'' وہ آخری گھونٹ حلق سے اُتار کر بولی اور خالی کپ واپس رکھ دیا۔

''غوری صاحب کئی مرتبہ فون کر چکے ہیں۔'' جواد نے کہا۔

''میں جانتی ہوں......'' وہ برجستہ بولی۔

''تو کیا جواب دُوں؟'' جواد جیسے تنگ سا ہو گیا...... یا بتیاں کے موڈ سے خائف تھا۔

''جواب کیا دینا ہے...... انکار کر دو!'' وہ ٹیک لگا کر آنکھیں بند کر کے بولی۔

''تمہارا دماغ تو نہیں خراب...... انکار کر دُوں......؟'' جواد بیخ پا ہو گیا۔

''کیا کہنا چاہتے ہو تم......؟'' وہ بھی سیدھی ہو گئی۔ جواد نے محسوس کیا کہ اُس کے لہجے میں انکار کی بُو تھی۔

''وہ خاصی رقم دے رہے ہیں...... میں چاہتا ہوں کہ اُن کی فلم سائن کر لو!'' جواد نے تلخ انداز میں کہا۔

''کیسے سائن کر لوں......؟'' وہ بھی تلخ ہو گئی۔

''کیسے سائن کر لوں...... کیا مطلب ہے تمہارا......؟'' وہ چہرے کو آگے کر کے حیرت سے بولا۔

''میں کچھ وقت گھر میں گزارنا چاہتی ہوں......'' وہ آہستہ سے بولی۔

''گھر میں کیا رکھا ہے...... اگر دولت خود چل کر تمہارے پاس آ رہی ہے تو ناشکری مت کرو!'' وہ ترش ہو گیا۔

''یہ ناشکری نہیں ہے...... لیکن کولہو کے بیل کی طرح ہر وقت کام میں جتے رہنا...... میں اس کی متحمل نہیں ہو سکتی۔'' وہ کھڑی ہو گئی۔

''کچھ نہیں ہوتا تمہیں......'' وہ پاؤں پٹخ کر بولا۔

''کیا میں انسان نہیں ہوں...... لوہے کا جسم ہے میرا......؟'' وہ پھر اُسی انداز میں بولی جس طرح وہ خود بول رہا تھا۔

''آج سے چند ماہ پہلے کی زندگی کا تصور کرو...... وہ کولہو کا بیل تھی یا تم......؟'' جواد کے لہجے میں حد درجہ خود پرستی جھلک رہی تھی۔

''تم ہر مرتبہ مجھے میرے ماضی کا طعنہ مت دیا کرو...... سنو میری بات! میں آج کے بعد تمہاری اس قسم کی گفتگو ہرگز نہیں سنوں گی۔'' وہ اُونچی آواز میں چلائی۔

''ریلیکس......!'' جواد سامنے آتے ملازم کو دیکھ کر اپنے چہرے کو درست کرتے بولا۔ بتیاں بھی کرسی پر بیٹھ گئی۔

''جناب! غوری صاحب آئے ہیں۔'' ملازم نے کہا۔

''ڈرائنگ رُوم میں بٹھاؤ!'' جواد نے کہا۔

''بہتر جناب......!'' ملازم واپس لوٹ گیا......

''میں جا رہا ہوں...... تم جلدی سے تیار ہو کر ڈرائنگ رُوم میں آ جاؤ......'' وہ تیز رفتاری سے ڈرائنگ رُوم کی طرف بڑھ گیا۔

وہ چند سیکنڈ کرسی پر بیٹھی رہی...... شدید غصے سے اُس کا بدن لرز رہا تھا...... جب ضبط نہ رہا تو زور سے پاؤں ٹرالی کے پائے پر مارا...... لیکن خود ہی تکلیف سے بلبلا اُٹھی...... اور دھم سے کرسی پر بیٹھے پشت سے ٹیک لگالی......

آنکھیں بند کیے اپنے مقدر پر آنسو بہاتی رہی...... مقدر کی سیاہ بختی یوں اُس کی راہیں تاریک کر دے گی...... وہ صاف و شفاف زندگی گزارنا چاہتی تھی...... ایسا تشدد تو کبھی خانم جان نے بھی نہ کیا تھا۔ وہ اُسے اُس کی رضا اور منشا کے تحت الحمرا میں بھجواتی تھی...... اور یہ اکیسویں صدی کا شوہر اس قسم کا ناروا سلوک...... وہ تصور بھی نہ کر سکتی تھی...... وہ سوچتی جاتی اور آنسو اُس کی پلکوں کی دہلیز توڑ کر اُس کے ملائم مرمریں رُخساروں کو بھگو رہے تھے......

اُسے خیال ہی نہ رہا کہ ڈرائنگ رُوم میں بلاوا آیا ہے...... وہ بیٹھی رہی...... اپنے جذبات کے آنسوؤں سے کھیلتی رہی......

''بیگم صاحبہ...... صاحب بلا رہے ہیں۔'' ملازم دوبارہ آ گیا۔

''چلو...... آ رہی ہوں۔'' وہ یونہی رُومال سے چہرہ صاف کر کے ڈرائنگ رُوم میں داخل ہوئی۔ ''آداب......''

''آداب......!'' بڑے مؤدب انداز میں غوری نے اُٹھ کر کہا۔

وہ سامنے صوفے پر بیٹھ گئی۔

''بتیاں! غوری صاحب جس کے لیے آئے ہیں، تمہیں معلوم تو ہوگا۔'' جواد نے کہا۔

''آپ تمام کاغذات پر اِن کی حسب منشا خانہ پری کر لیجیے...... میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔'' وہ ایک دم اُٹھی اور واش رُوم میں چلی گئی...... دروازہ بند کر کے وہ آج جی بھر کے روئی...... وہ روتی جاتی اور پانی چہرے پر ڈالتی جاتی...... کون اُس کے آنسو دیکھ کر پریشان ہوگا...... کون اس کی متورم آنکھیں دیکھ کر ٹھٹھک جائے گا...... اس کو روتا دیکھ کر تو پیارے لال کے ہاتھ سے چیزیں گر جاتی تھیں...... اور وہ چلا کر کہتی...... ''پیارے لال! اتنی قیمتی پلیٹیں توڑ دیں...... کیا ہو گیا ہے تمہیں......؟'' وہ جھک کر پلیٹیں کرچیوں سمیت اُٹھانے لگتی۔

''تمہارے آنسوؤں سے زیادہ قیمتی نہیں ہیں...... ٹوٹتی ہیں تو ٹوٹ جائیں۔'' وہ قالین

پر چارزانو بیٹھ جاتا......

''کم بخت آج پھر برتن توڑ دیے...... چل! تیری شکایت لگاتی ہوں خانم کو......'' اندر آ کر جیون بائی نے ایک بھاری ہاتھ اُس کی پشت پر مارا......

''میں کہہ دُوں گا......'' وہ جان بوجھ کے جملہ ادھورا چھوڑ کر بولا۔

''کیا کہہ دو گے تم......؟'' وہ جھک کر بولی۔

''کہ جیون ماں نے دھکا دیا اور ٹھوکر لگی اور ٹوٹ گئی پلیٹیں......'' اس کے ساتھ وہ ہونٹوں میں ہنس دیا...... بتیاں بھی منہ چھپا کر ہنس دی۔

''ہیں...... تجھے خدا سمیٹے...... اتنا بڑا جھوٹ بولے گا...... چل اُٹھ! پھینک اِن کو...... کیا شکایت لگائی تیری......'' جیون بائی باہر کی طرف پلٹ گئی۔

پیارے لال کی محبت اور چاہت سے وہ اور بھی سسک اُٹھی...... وہ واش رُوم میں روتی رہی اور سسکتی رہی۔

''بتیاں...... بتیاں......!'' جواد پکارتا ہوا اُدھر ہی آ گیا۔ ''کیا ہوا......؟'' وہ بتیاں کو باہر نکلتے دیکھ کر بولا۔

''کچھ نہیں......'' وہ ایک ہاتھ سے بال سمیٹتی پلنگ پر بیٹھ گئی۔

''کچھ تو ہے......'' وہ سخت لہجے میں گویا ہوا۔

''تمہیں کیا محسوس ہو رہا ہے؟'' وہ متورم آنکھوں کو رُومال سے صاف کرتے بولی۔

''مجھے تو یوں لگ رہا ہے جیسے تم بہت رو رہی ہو۔'' وہ بولا۔

''ٹھیک ہے...... تم ٹھیک سمجھ رہے ہو۔''

''رونے کی وجہ......؟'' وہ جیسے انجان بن گیا۔

''تمہیں نہیں معلوم......؟'' وہ لاپرواہ سی بولی۔

''میں تو نہیں جانتا کہ ایسی بھی کوئی بات ہے اِس قدر رونے کی......'' وہ احساسِ جرم سے عاری نظر آ رہا تھا۔

''تم نہیں سمجھ سکو گے...... کیونکہ تمہیں دولت اکٹھی کرنے کا بھوت سوار ہے۔ بے حس ہو گئے ہو تم...... احساس مٹ چکا ہے تمہارا......'' وہ چیخ اُٹھی۔

''اتنی حساس کیوں بن چکی ہو......؟ لوگ تمہارے پیچھے پھرتے ہیں اور تم چھپتی پھر رہی ہو...... غوری صاحب کتنی دیر تمہارے لئے بیٹھے رہے......'' وہ بولا۔

''پھر......؟'' وہ طنزاً بولی۔

''پھر کیا...... مجبوراً وہ فارم مجھے ہی پُر کرنا پڑا۔'' وہ احسان جتلاتے بولا۔

''تمہیں ہی پُر کرنا تھا...... میں کون سی تعلیم یافتہ ہوں......'' وہ بولی۔

''لیکن تمہارا بیٹھنا تو ضروری تھا۔''

''میرا بیٹھنا کوئی ضروری نہیں ہے۔'' وہ لاپرواہی سے لیٹ گئی۔

''میں یہ فضولیات سننا پسند نہیں کرتا۔'' وہ جوش سے کھڑا ہو گیا۔

''کیا...... یہ فضول بات ہے...... ہر قسم کا ایگریمنٹ تم کرتے ہو...... میرے بیٹھنے سے کیا ہوگا......؟'' وہ بھی جواد کی آواز سے اُونچی آواز میں بولی۔

''بس بس...... ریلیکس......!'' وہ معاملہ بگڑتا دیکھ کر ٹھنڈا ہو گیا۔

''صاحب جی...... کھانا لگا دُوں......؟'' ملازمہ نے پوچھا۔

دوسرے لمحے جواب دینے سے پہلے بیل کی آواز آئی اور ملازم داخل ہوا۔ ''صاحب! قدرت اللہ صاحب آئے ہیں۔''

''بلا لو......!'' وہ صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولا۔

''چلو آؤ...... کھانا تیار ہو گیا ہے۔'' وہ نرمی سے بولا۔

''مجھے بھوک نہیں ہے۔'' وہ لیٹے لیٹے بولی۔

''صاحب جی...... صبح ناشتہ بھی نہیں کیا...... سوائے ایک فرائی انڈے کے۔'' ملازمہ نے فوراً کہا۔

''اُٹھو اُٹھو...... شاباش...... کھانا کھاؤ! قدرت اللہ سے گپ شپ بھی ہو جائے گی۔''

وہ تڑپ کر بیٹھ گئی۔ ''مجھے نہیں چاہئے تمہاری گپ شپ...... بہتر یہی ہے کہ مجھے اکیلا چھوڑ دو......'' اُس کا تن من سلگ اُٹھا...... یہ کیسا شوہر ہے...... بیوی کو مجبور کر رہا ہے غیر مردوں کے ساتھ بیٹھنے پر۔

''ٹھیک ہے......'' وہ زبردست طیش کو ضبط کرتا ڈائننگ رُوم میں داخل ہو گیا۔

''قدرت اللہ کو بلا لاؤ!'' اُس نے پاس کھڑے ملازم سے کہا۔

''بہتر صاحب!''

اور چند لمحوں میں قدرت اللہ اپنی مخصوص ہنسی کے ساتھ ڈائننگ ہال میں داخل ہوا۔

''آؤ آؤ...... یار کھانا کھاؤ......'' بڑی بے تکلفی سے جواد سے اُس کو بیٹھنے کے لئے کہا۔

''تھینک یو......!'' قدرت اللہ جواد کے سامنے ہی بیٹھ گیا۔

''کھانا کھاؤ یار......!'' جواد نے زبردستی مسکرا کر کہا۔

''گھر جا رہا تھا...... خیال آیا، ایک نئی آفر آئی ہے۔ بتاتا چلوں۔'' وہ اپنی پلیٹ میں اپنی پسند کا سالن ڈال کر بولا۔

''آفر...... کیا مطلب......؟'' وہ چونکا۔

''ارے یار! نور صاحب بتیاں کے تمام گانے اپنی فلم میں لینا چاہتے ہیں۔'' وہ بڑے مسرت بھرے انداز میں بولا۔

''صرف گانے......؟'' جواد کو جیسے مایوسی ہوئی ہو۔

''وہ فلم میں لینا چاہتے تھے...... بتیاں کی مصروفیات کے ناطے اُنہوں نے بات نہیں کی۔'' قدرت اللہ نے پانی کا گلاس میز پر رکھا۔

''پانچ فلمیں کاسٹ کی تھیں...... اب تو وہ اختتام کو پہنچ گئیں......'' جواد نے ہونٹوں پر لالچی انداز میں زبان پھیری۔

''پھر...... کیا خیال ہے؟ بات کرلوں نور صاحب سے......؟'' قدرت اللہ نے آخری لقمہ نگل کر کہا۔

''ضرور ضرور...... بات کرو......!'' جواد فوراً بولا۔

''بتیاں مان جائے گی......؟ ایک دن اُس کی پیشانی پر ناگواری کے تاثرات دیکھے تھے میں نے۔'' قدرت اللہ نے خبردار کیا۔

''مان جائے گی...... ہر بات کو انکار کا رنگ دینا تو اُس کی عادت میں شامل ہے۔''

''بتیاں بات نہیں مانتی......؟'' قدرت اللہ نے حیران ہو کر کہا۔

''یار! جب بھی آفر ہوتی ہے ایک مسئلہ کھڑا ہو جاتا ہے۔'' جواد جیسے زچ سا ہو گیا۔

''کیا مطلب...... ذرا واضح کرو بھائی......'' قدرت اللہ کو بھی اچھا نہ لگا۔

''بتیاں ایک وقت میں صرف ایک فلم کرنا چاہتی ہے۔'' جواد جیسے مجبوراً بولا۔

''پیسہ آتا کسے برا لگتا ہے...... آخر بتیاں بھابھی ایسا کیوں سوچتی ہے؟'' قدرت اللہ تو خود چاہتا تھا کہ بتیاں ہر فلم کاسٹ کرے...... اُس کی دولت بھی ان لوگوں کے ساتھ بندھی ہوئی تھی۔

کھانا ختم ہوا......

''میں بات کروں گا نور صاحب سے...... اور تم بھابھی سے بات کرو...... ہو سکتا ہے ایک کروڑ میں سودا ہو جائے۔''

''ویری گڈ...... تم بات کرلو...... میں اُس کو راضی کرلوں گا۔'' ایک کروڑ میں سودا دیکھ کر اُس کے اندر دولت مند بننے کی نئی توانائی عود آئی...... اور وہ بتیاں کو ہر قیمت پر راضی کرنے کے لئے تیار ہو گیا۔ اُس کا باپ دولت مند ضرور ہے لیکن اُس کو کروڑ پتی کسی نے نہیں کہا تھا...... وہ اپنے آپ کو کروڑ پتی کہلوانا چاہتا تھا...... کاش! اُس کی بیوی اُس کی بات مان جائے......

''اچھا...... مجھے اجازت دو!'' قدرت اللہ کہتے ہوئے باہر نکل گیا۔

بتیاں نے جتنی بھی فلمیں کیں اُنہوں نے زبردست بزنس کیا...... فلم ساز، ڈائریکٹر امیر ترین ہو گئے...... اور بتیاں کا دولت پرست شوہر خود دولت مندوں کی صف میں کھڑا ہو گیا...... فلم برادری میں لوگ اُس کو کروڑ پتی رئیس کی نظر سے دیکھنے لگے۔ ہر فلم ساز اُس کی وساطت سے بتیاں سے بات کرنا چاہتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ قدرت اللہ جس کے گھر میں ایک وقت کی روٹی مشکل سے پکتی تھی، اب انواع و اقسام کے کھانے ہمہ وقت اُن کے دستر خوان کی زینت بنے رہتے...... حقیقی طور پر قدرت اللہ جواد کے لئے مخلص تھا۔ لیکن جب دولت کی بات آجاتی تو وہ خود پرستی کا لبادہ اوڑھ لیتا۔

بتیاں کے انکار پر جواد بہت پریشان تھا...... اُس کی وجہ سے اس قدر اچھا چانس مس ہو رہا تھا...... آخری شاٹ لینے کے بعد وہ غوری صاحب کے ساتھ ہی لان میں آگئے۔

''جواد صاحب! اب یہ فلم اختتام پر پہنچی۔ خدا کرے! اب سینما ہال میں خوب چل جائے۔ پہلی دو تو بہت کامیاب رہی ہیں۔'' غوری صاحب نے بتیاں کی گزشتہ فلموں کی خوب تعریف کی۔

''اُمید تو یہی ہے کہ آپ کو مایوسی نہیں ہو گی۔'' جواد نے کہا۔

اور جب غوری صاحب کی یہ فلم ملک کے مختلف سینما ہالز میں ریلیز ہوئی تو بتیاں بتیاں ہونے لگا...... بیرونِ ملک بھی کئی فلم ساز اُس کو اپنی فلم میں کاسٹ کرنے کی سعی کرنے لگے...... ہندوستان سے آئے ہوئے برہم آچاری جو ایک بہت بڑے فلم ساز تھے اُنہوں نے جواد سے ملاقات کی اور بتیاں کی اداکاری اور گانے کی خوب تعریف کی۔

''جواد صاحب...... میں آیا تو یہاں ایک فلمی میلے پر تھا...... لیکن جب معلوم ہوا کہ

بتیاں اور آپ بھی جاپان آئے ہوئے ہیں تو ملاقات ضروری سمجھی......

جواد خاصا کائیاں ہو چکا تھا...... فلم ساز کے منہ سے نکلنے والے الفاظ کے زیر و بم سے اندازہ لگا لیتا تھا کہ وہ آگے کیا کہنے والا ہے۔

''زہے نصیب...... فرمائیے!'' جواد نے کرسی پر پہلو بدلا۔

''میں بتیاں سے ملنا چاہتا ہوں۔'' مسٹر برہم آچاری نے کہا۔

''کس سلسلے میں......؟'' جواد نے سادگی سے کہا۔

''جواد صاحب! ہم فلم ساز ہیں...... عوام کے لئے بہترین تفریح مہیا کرنا چاہتے ہیں......اور ہمارے عوام بتیاں کو بہت پسند کرتے ہیں...... خاص کر نوجوان تو نہ جانے کہاں کہاں سے بتیاں کی کیسٹ حاصل کر لیتے ہیں۔'' برہم آچاری نے جاپان کی خوبصورت مناظر پیدا کرنے والی عمارت کو بغور دیکھا۔

''جی ہاں...... بتیاں ایک بہت اچھی اداکارہ ہے...... مشکل سے مشکل سین بھی بڑی مہارت سے کر لیتی ہے۔'' جواد نے خوب تعریف کی۔

''اسی وجہ سے میں حاضر ہوا تھا۔'' مسٹر آچاری نے تمہید باندھی۔

''فرمائیے!'' جواد نے کہا۔

''میری فلم سٹارٹ ہونے والی ہے...... کاغذی کارروائیاں بالکل مکمل ہو چکی ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ بتیاں میری فلم میں کام کرے...... منہ مانگے دام دُوں گا۔'' مسٹر آچاری نے جواد کو بغور دیکھا۔

''پہلے پوچھنا ہوگا۔ دراصل! کام کی بہت زیادتی ہے۔'' جواد نے اہمیت میں اضافہ کیا۔

''خیر! ان کاموں میں زیادتی تو ہوتی ہے...... ایک اچھی ایکٹریس کو کام تو کرنا پڑے گا۔'' مسٹر آچاری نے کہا۔

''آپ درست فرماتے ہیں۔ وقت کی بات ہے نا آچاری صاحب!'' جواد نے سامنے آتے بیرے کو دیکھا جو تیز رفتاری سے ٹرے گھما گھما کر لا رہا تھا جیسے کسی مداری کا بچہ ہو۔

''چھنگ چانگ! سرکس میں کام کرتے ہو؟'' جواد نے اُسے ٹرے میں رکھتے ہوئے کہا۔

''نہیں صاحب...... ویسے اگر کام ملے تو کر سکتا ہوں......'' وہ ہنستا ہوا چل دیا۔

''اُردو اچھی بول لیتا ہے۔'' مسٹر آچاری نے کہا۔

''ان کو ہر مذہب اور ہر زبان سے واسطہ پڑتا ہے۔ چند ایک زبانیں تو جان ہی جاتے

ہیں۔'' جواد نے کہا۔ جواد نے کہا اور ایک کپ آچاری صاحب اور دوسرا خود لے لیا...... اور بڑے مرغوب انداز میں دونوں جاپانی قہوے سے لطف اندوز ہونے لگے۔

''اوہو جواد صاحب...... ہم اصل موضوع سے ہٹ چکے ہیں۔'' مسٹر آچاری نے کپ رکھ دیا۔

''کہیے...... میں ہمہ تن گوش ہوں۔'' جواد نے بڑے سلیقے سے آداب گفتگو کو جاری رکھتے ہوئے کہا۔

''میں بتیاں کو اپنی فلم میں کاسٹ کرنا چاہتا ہوں۔'' مسٹر آچاری نے کہا۔

''میں بتیاں سے مشورہ کرنے کے بعد آپ کو بتا سکتا ہوں......'' جواد سن سا ہو گیا...... وقت واقعی کم تھا......

''ضرور کیجیے مشورہ...... لیکن انکار میں نہیں، اقرار میں جواب ہونا چاہیے۔'' مسٹر آچاری ہنس دیے۔

''اس سے پہلے وہ کئی فلم سازوں کی آفر رد کر چکی ہے۔ حالانکہ کئی کروڑ کا معاوضہ تھا۔'' جواد نے مسٹر آچاری کی خواہش کو بھڑکایا۔

''میں دو کروڑ بھی دے سکتا ہوں......'' مسٹر آچاری بڑے تفاخر سے بولے۔

''خیر! دو ڈھائی کروڑ تو وہ یہاں بھی لے رہی ہے...... اور ہندوستان تو فلموں کا خاص گھر ہے...... بڑی مارکیٹ ہے آچاری صاحب!'' جواد اور بڑھ گیا۔

''میں تین کروڑ دے دُوں گا...... کیونکہ میری فلم میں سین بہت مشکل ہیں۔'' برہم آچاری نے جیسے چھلانگ لگائی۔

''آپ چار کی بات کیجیے...... بہت بزنس ہے بتیاں کا...... پھر آپ جانتے ہیں آپ اور ہم......'' جواد نے کہا۔

''میں جانتا ہوں...... چلو ٹھیک ہے...... میرا ڈائریکٹر سکرپٹ اچھی طرح سمجھا دے گا۔'' مسٹر آچاری نے کہا۔

''ٹھیک ہے...... آپ بےفکر رہیں...... میں بتیاں کو آپ کی فلم میں کام کرنے پر رضامند کرنے کی کوشش کروں گا بلکہ مجبور......'' جواد نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔ چار کروڑ نے اُسے بےچین کر دیا تھا۔

''اگر آپ پسند کرتے ہیں تو میں پوری رقم پہلے دینے کو تیار ہوں۔'' برہم آچاری نے

کہا۔

''ٹھیک ہے...... جیسے آپ پسند کریں۔'' جواد نے کہا۔

''پھر کب معاہدہ طے کریں گے آپ......؟''

''جس دن کا انتخاب آپ کر لیں......'' جواد بولا۔

''میرا خیال ہے بیس جون کو میں آپ کے ہوٹل آ جاؤں گا...... وہاں تفصیل سے بات ہو جائے گی اور بتیاں بھی ہو گی۔'' برہم آچاری کھڑا ہو گیا۔

''او کے......!'' جواد نے کہا۔ اور دونوں خراماں خراماں باہر نکل گئے۔

چار کروڑ کی آفر نے جواد کے اندر کی دنیا کو با رونق کر دیا تھا...... وہ کروڑ پتی بن چکا تھا...... جس مسٹر آچاری کی بات اُس نے قدرت اللہ سے کی تو اُس کے اندر بھی پٹاخے چھوٹنے لگے...... کیونکہ وہ جواد کا سیکرٹری تھا۔ جتنی رقم باہر سے ملتی تھی اتنا ہی اُس کا پرافٹ بڑھ جاتا تھا۔

''کاش! بھابی مان جائے......'' قدرت اللہ نے کہا۔

''مان جائے گی...... اُسے ماننا پڑے گا...... میں اپنی خوش نصیبی کو جو چل کر میرے دروازے پر آئی ہے ٹھکرا تو نہیں سکتا۔'' ایک مستحکم ارادے کے تحت جواد بولا۔

''ٹھیک ہے...... کوشش کر لو! پہلے وہ انکار کریں گی...... اور جب جناب کے تیور بدل جائیں گے تو وہ نرم پڑ جائے گی۔'' قدرت اللہ ہنس دیا۔

''ہاں...... یہ بات تو ہے۔''

بتیاں اپنے نئے ہیرو کے ساتھ اندر داخل ہوئی...... ''کیا باتیں ہو رہی ہیں؟'' وہ اندر آتے دونوں کو ہنستا ہوا دیکھ کر بولی۔ ''چائے لاؤ...... پاکستانی...... قہوہ بالکل پسند نہیں۔'' بتیاں نے یاسر کی طرف دیکھا جو کھڑا ہو چکا تھا۔

''ابھی لایا جناب!'' ملازم نے کہا اور چل دیا۔

''بیٹھو نا یاسر! چائے پی کے جانا۔'' بتیاں نے کہا۔

''مجھے اب جانا ہے۔ ایک جگہ لازمی ملاقات ہے۔'' وہ بولا اور باہر کی طرف چل دیا۔

قدرت اللہ اور جواد اُس کو باہر جاتے دیکھ کر فلک شگاف قہقہہ لگا کر ہنس دیے۔

''تمہیں کیا ہوا......؟'' بتیاں نے ٹیک لگا لی۔

''یہ ہیرو ہے......؟'' جواد نے ہنس کر مذاق کیا۔

''اور کون ہے......'' بتیاں نے کہا۔

''میرا مطلب ہے تمہارے ساتھ اچھا لگے گا......؟'' جواد نے کہا۔

''میرے ساتھ اچھا لگے یا نہ لگے...... اس کا کام بہت اور طرح کا ہے۔'' بتیاں نے لاپرواہ سا انداز اپنا لیا۔

''کیسا کام......؟'' قدرت اللہ چونکا۔

''قدرت اللہ صاحب! وہ اعلیٰ درجے کا ہائی جمپر ہے...... اُس جیسی جمناسٹک کوئی نہیں کر سکتا۔'' بتیاں نے یاسر کی حمایت میں آخری الفاظ پر زور دیا۔

''ارے بھئی! کچھ تو توانا ہونا چاہئے...... یہ بالکل دُبلا ہے۔'' جواد نے پھر مسکرا کر کہا۔

''بتیاں صاحبہ...... ہمارا مطلب ہے کہ یہ آپ کے ساتھ کیسا لگے گا...... اچھا لگے گا؟'' قدرت اللہ بولا۔

''اچھا لگے یا نہ لگے...... فلم ساز کی مرضی ہے...... جو کام وہ لینا چاہتا تھا وہ یاسر اچھی طرح کر رہا ہے۔'' وہ قریب آتے بیرے سے چائے لیتے ہوئے بولی۔

''بھابی...... آپ کی مانگ دن بدن بڑھتی جا رہی ہے۔'' قدرت اللہ نے کہا۔

بتیاں نے چائے کی مرغوب چسکی لی...... اور کپ میز پر رکھتے صوفے کی پشت سے ٹیک لگا لی۔ جواد دیکھ رہا تھا کہ قدرت اللہ کی بات نے اُس کو بالکل متاثر نہیں کیا تھا۔ بتیاں کیسی عورت ہے...... نہ یہ اپنی تعریف سے مرغوب ہوتی...... اگر اُس کی اداکاری کی تعریف کریں تو تب بھی یہ خوش نہیں ہوتی...... یہ کیسی عورت ہے......؟ وہ حیران کن انداز میں بتیاں کو دیکھتا رہا۔

''اوہ...... سوری قدرت اللہ صاحب...... آپ چائے نہیں پئیں گے؟'' وہ اچانک معذرت خواہی کے انداز میں بولی۔

''بڑی دیر کے بعد یاد آیا۔'' جواد نے کہا۔

قدرت اللہ ہنس دیا...... جس کا ساتھ جواد نے بھی دیا۔

چند دن اور گزر گئے......

جواد کی ہمت نہ پڑ رہی تھی کہ وہ مسٹر آچاری کی بات بتیاں سے کرے۔ تاریخ قریب آ رہی تھی...... مقررہ دن وہ رقم بھی دینے والا تھا...... وہ چار کروڑ کو چھوڑنا نہیں چاہتا تھا۔ چنانچہ اسی شش و پنج میں قدرت اللہ کی موجودگی میں چار کروڑ کا ایگریمنٹ بتیاں کی عدم

موجودگی میں کرلیا...... چار کروڑ کا چیک لے کر اُس کی باچھیں کھل گئیں جیسے چودہ طبق روشن ہو گئے ہوں...... وہ بڑا خوش تھا۔ قدرت اللہ کو اُس کے حصے کی رقم دے کر وہ سیدھا واپس ہوٹل آ گیا۔ اتنی دولت تو اُس نے کبھی خواب میں بھی نہ دیکھی تھی۔

بتیاں جب دیکھتی کہ وہ روپے پیسے کو زیادہ اہمیت دیتا ہے تو کئی مرتبہ اُسے نفرت ہونے لگتی...... دولت کی ہوس میں وہ بیوی کے وقار اور اہمیت کو فراموش کر چکا تھا...... اُسے صرف دولت چاہئے تھی۔

شب کے نو بج چکے تھے۔ جاپان کی رونقیں رات کے آغاز پر جوان ہوتی ہیں...... رات کا کھانا کھاتے ہی وہ اپنے کمرے میں آ گئی...... جواد ابھی مہمانوں میں گھرا ہوا تھا...... تقریباً نصف گھنٹے کے بعد وہ بھی اندر داخل ہوا...... اور بڑے خوشگوار موڈ میں بتیاں کے پاس ہی بیٹھ گیا۔

''چینج نہیں کرو گے...... ؟ شب کے گیارہ بج چکے ہیں۔'' بتیاں نے دیکھا کہ وہ قیمتی سوٹ سمیت ہی ایک بازو کے آسرے سے اُس کے پاس لیٹنے کے انداز میں بیٹھ گیا تھا۔

''پہلے ایک بہت ضروری بات کروں گا۔'' وہ بولا۔

''ایسی کون سی بات ہے جو اس وقت کرنا ضروری ہے؟'' بتیاں سادگی سے بولی۔

''تم وعدہ کرو...... تمہیں میری یہ بات ماننا ہوگی۔'' جواد نے اصرار کے ساتھ اُس کے بالوں کو چہرے سے ہٹایا۔

''ایسی کون سی بات ہے جو تم نے نہیں منوائی؟'' اس جواب میں بھی اُس کا طنز شامل تھا۔

''میں تمہارا شوہر ہوں...... مجھے حق حاصل ہے کہ تم میری ہر بات مانو......'' جواد نے بڑی محبت سے کہا۔

''لیکن جائز ہو تو......'' وہ سیدھی ہوگئی۔

''بہرحال! کچھ بھی ہو...... تمہیں یہ بات تو ماننی پڑے گی۔'' وہ بھی سیدھا ہو گیا۔

''کوئی نئی آفر آئی ہے...... اور تم نے معاہدہ کرلیا ہوگا'' وہ قیاس آرائی کرتے بولی۔

''ہاں...... لیکن بہت بڑی آفر ہے...... اس میں انکار کی گنجائش ہرگز نہیں ہے۔'' جواد نے اُسے پہلے ہی خبردار کیا۔

''تم نے معاہدہ کرلیا......؟'' وہ سنجیدہ ہوگئی۔

''معاہدہ بھی کرلیا اور......''

''پے منٹ بھی وصول کرلی۔'' فوراً بتیاں نے جواد کی بات پوری کردی۔

''ہاں...... ایسا ہی ہے۔'' وہ خفیف لہجے میں بولا۔

''کون ہے وہ جس سے تم نے اگریمنٹ کرلیا ہے مجھ سے پوچھے بغیر......؟'' وہ سیخ پا ہوگئی۔

''وہی مسٹر آچاری۔ چار کروڑ دیا اُنہوں نے۔'' جواد نے اپنی بات میں وزن پیدا کیا۔

''وہ ہندو...... اُس سے رقم لے لی؟ تمہیں خیال نہیں آیا......؟'' وہ بستر سے اُٹھ کر صوفے پر بیٹھ گئی۔

''کیسا خیال...... وہ تمہیں اپنی فلم میں ہیروئن لے رہا ہے۔'' جواد نے کہا۔

''لعنت ڈالو اُس کی فلم کو......'' وہ جوش سے بولی۔

''تمہیں کام تو کرنا پڑے گا۔'' جواد نے جیسے حتمی رائے ظاہر کردی۔

''اگر میں اُس کی فلم میں کام نہ کروں تو......؟'' وہ سوالیہ انداز میں بولی۔

''انکار کی گنجائش نہیں ہے...... تمہیں کام کرنا ہوگا۔'' وہ اٹل ہو گیا۔

''میں ہندو کی فلم میں کام نہیں کروں گی۔ بلکہ اُس نے جرات کیسے کی؟'' بتیاں کے اندر سے چیخیں نکل رہی تھیں...... یہ کیسا شوہر ہے...... ایک ہندو سے سودے بازی کر بیٹھا ہے۔

''کوئی ہندو ہو یا جاپانی...... تمہیں تو کام کرنا ہے نا!'' جواد نے بدستور نرمی اختیار کی۔

''جاپانی ہمارے دوست ہیں...... ہم اشتراک میں کام کرتے ہیں۔ اور ہندو ہمارے دشمن ہیں...... دو سو سال استحصال کیا ہے اِن ہندوؤں نے ہمارا...... یہ ہمارے سجن نہیں ہو سکتے۔'' وہ جلا اُٹھی۔

''بکواس بند کرو...... میں تمہاری تقریر ہرگز نہیں سننا چاہتا۔'' وہ پاؤں پٹختا کمرے سے باہر نکل گیا۔

اور وہ اپنا چہرہ چھپائے اپنے شوہر کی کم ظرفی پر تڑپ اُٹھی...... نہ جانے کتنی دیر ستاروں کا خون ہوتا رہا...... تب کہیں سحر طلوع ہوئی۔ وہ تمام شب تڑپتی رہی...... کوئی اُس کا پرسانِ حال نہیں...... ایک شوہر...... وہ بھی دولت کا پجاری...... وہ کیا کرے...... کہاں جائے؟ اب اُس نے بھی مصمم ارادہ کرلیا تھا کہ وہ مسٹر آچاری کی فلم میں کام نہیں کرے گی...... وہ ہمیشہ کی طرح جواد کے تشدد کو بھی برداشت کرے گی...... لیکن اپنے ملک کے دشمن سے کوئی سودے بازی نہیں کرے گی۔

وہ سٹوڈیو جانے کے لئے تیار ہی کھڑی تھی...... سیاہ پرنٹ ساڑھی میں اُس کا خداداد حسن پھوٹ پھوٹ پڑ رہا تھا۔

"بتیاں......!" جواد اندر آتے اپنے موڈ کو خوشگوار بناتے بولا...... وہ جانتا تھا خانم جان کی ناز و نعم میں پلی ہوئی بتیاں آسانی سے اُس کی بات نہیں مانے گی...... لیکن تا حال وہ خود کو نرمی کے سانچے میں ڈھال رہا تھا...... وہ ایک دم لڑکھڑا گیا...... اگر بتیاں نے اِس فلم میں کام نہ کیا تو چار کروڑ روپیہ اُسے لوٹانا پڑے گا...... اور وہ کثیر رقم تو کاروبار میں لگا چکا تھا...... قدرت اللہ سمیت ایک کروڑ تو یونہی اُٹھ گیا...... وہ مہنگی سے مہنگی ہر نئے ماڈل کی گاڑی خریدتا تھا...... جب معیارِ زندگی اس قدر بلند ہوگا تو اخراجات تو بڑھیں گے۔

"کیا بات ہے......؟" وہ آئینے کے سامنے بیٹھتے آہستہ سے بولی۔

"کیسی ہو......؟" وہ مسکرا کر اس کے پاس چلا گیا۔

"تمہیں معلوم تو ہے میں کیسی ہوں۔" وہ بدستور سیدھے سادھے انداز میں بولی۔

"رسی جل گئی لیکن بل نہیں گیا۔" بڑے تمسخرانہ انداز میں جواد نے کہا۔

"کیا مطلب ہے تمہارا......؟" وہ پلٹ کر کرخت لہجے میں گویا ہوئی۔

"میرا مطلب ہے کہ ابھی تمہارا غصہ اُترا نہیں ہے۔" جواد سامنے صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولا۔

"اِس بات کا یہ مطلب نہیں ہے۔" وہ اپنے دراز بالوں کو برش سے سلجھانے لگی۔

"اور کیا مطلب ہے......؟" جواد بولا۔

"تمہیں معلوم ہے رسی جل جانے کا کیا مطلب ہے...... تم یہ سمجھتے ہو کہ میں ختم ہو چکی ہوں اور تمہاری مرہونِ منت زندگی گزار رہی ہوں۔" وہ کھڑی ہوتے ہوئے شدید غصے میں بولی۔

"ظاہر ہے تم ایک مشہور و معروف ایکٹریس ہو...... ملک کی مایہ ناز اداکارہ...... تم میری مرہونِ منت کیوں ہونے لگی؟" وہ کھڑے ہوتے ہوئے کوٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈال کر مسکرایا۔

"مجھے ایکٹریس بنانے میں تمہارا ہاتھ ہے۔" وہ چلا اُٹھی۔

"تم پیدائشی ایکٹریس تھیں...... میں نے تمہیں عروج دیا ہے۔" گھڑے کے مینڈک نے آخر گھڑے میں ہی رہنا ہے۔"

"جواد......" وہ چیخ اُٹھی...... اُس کے تن بدن میں آگ سی بھڑک اُٹھی۔ اُس کے اندر ی کائنات کو جواد کے طعنہ کے زہریلے جملوں نے جلا کر بھسم کر دیا...... وہ ریزہ ریزہ ٹوٹ ر گری...... اے کاش! میرے پاس کوئی ایسی چیز ہوتی جس سے میں تمہاری جان لے تی...... وہ خونخوار نظروں سے جواد کو گھورنے لگی۔

"چلے جاؤ...... میں تمہاری صورت دیکھنا گوارہ نہیں کر سکتی...... تم ناگ ہو...... آستین کے سانپ...... تم نے مجھے ڈس لیا ہے...... چلے جاؤ......" وہ چلائی۔ لیکن وہ سفاکانہ انداز میں مسکراتا رہا۔ اور وہ بھاگ کر باہر چلی گئی۔

"بیگم صاحبہ...... نصیب دشمناں...... کیا ہو گیا......؟" ملازمہ نے صوفے کی پشت سے ٹیک لگائے چہرہ ہاتھوں میں چھپائے بتیاں کو تڑپ تڑپ کر روتے دیکھا تو خود حراساں ہو گئی۔ وہ گئی اور گلاس میں پانی لے آئی۔ "بیگم صاحب جی...... پانی پی لیں...... جی ٹھنڈا ہو جائے گا......"

"صابراں...... یہ جی ٹھنڈا نہیں ہو سکتا...... اس کو جلانے والا ہمہ وقت موجود رہتا ہے۔" بتیاں نے سسکیوں کے درمیان پانی کا گلاس ایک ہی سانس میں پی لیا......

"بیگم صاحب جی...... اور لاؤں......؟" صابراں نے دیکھا کہ وہ ایک ہی سانس میں گلاس خالی کر چکی تھی۔

"نہیں......" وہ سیدھی لیٹ گئی...... ساڑھی کا پلو ڈھلک کر نیچے لڑھک آیا۔

"آپ اتنی اچھی تو ہیں...... نہ جانے صاحب کو کیا ہو جاتا ہے......" صابراں قالین پر بیٹھتے اُس کا ریشمی پلو اُٹھاتے بولی۔

"میں بہت بری ہوں صابراں...... بہت بری......" وہ پھر سسک اُٹھی۔

"بیگم صاحب جی...... ایک بات کہوں......؟" صابراں نے سوچا۔

"کہو...... جو جی میں آئے کہہ دو...... میں تمہاری ہر بات سننے کو تیار ہوں۔" بتیاں نے بڑے دُکھی انداز میں بیٹھتے ہوئے کہا۔

"بیگم صاحب! کتنا عرصہ ہوا آپ کی شادی کو......؟" صابراں کو تشویش ہوئی۔

"یہی کوئی ایک سال کے لگ بھگ......" بتیاں نے سوچ کر جواب دیا۔

"اس عرصے میں ایک بچہ تو ہونا چاہئے تھا۔" صابراں بولی۔

"ہاں صابراں...... تم ٹھیک کہتی ہو...... انجمن کے ہاں پچھلے دنوں بڑی پیاری بیٹی پیدا

ہوئی ہے...... اولاد تو ہونی چاہئے نا......'' بتیاں نے خیال کیا کہ اولاد تو ہر عورت کا بنیادی حق ہے۔

''بیگم صاحب جی...... کہیں اس وجہ سے تو صاحب کا غصہ ناک پر نہیں رہتا؟'' صابراں نے اپنی سمجھ کے مطابق کہا۔

''ارے نہیں...... اُس نے تو آج تک کبھی بچے کا ذکر ہی نہیں کیا...... میرا خیال ہے وہ بچہ پسند ہی نہیں کرتا۔''

''نہ جی نہ...... ایسا تو کوئی مرد نہیں جو بچہ پسند نہ کرتا ہو...... بچے کے بغیر تو عورت کو دھکے دے کر نکال دیتے ہیں۔'' صابراں کے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے۔

''ارے...... تمہیں کیا ہوا...... کیوں رونے لگی ہو......؟'' بتیاں اپنا دُکھ بھول کر صابراں کی طرف جھکی۔

''میرے خاوند نے مجھے اولاد نہ ہونے کی وجہ سے گھر سے نکال دیا تھا...... اور دوسری بیوی لے آیا۔'' صابراں نے کہا۔

''اوہو......'' بتیاں کو مرد کے ظلم پر شدید نفرت ہونے لگی۔

''بس جی! میرا تو کوئی تھا بھی نہیں...... میں نے آپ کے ہاں نوکری کر لی۔'' صابراں نے آنسوؤں سے تر چہرہ اپنے آنچل سے صاف کیا۔

''اُس نے تمہاری کبھی خبر لی......؟'' بتیاں نے پوچھا۔

''خبر اُس نے کیا لینی ہے...... یہ آدمی تو مطلب کے ہوتے ہیں......'' صابراں نے سامنے لان میں دیکھا...... قدرت اللہ کے ساتھ ایک نوجوان لڑکا چلا آ رہا تھا۔

''ہاں صابراں! تم ٹھیک کہتی ہو۔ مطلب چاہے اولاد کو ہو یا دولت کا۔'' بتیاں نے کہا۔

''بیگم صاحبہ! ڈرائنگ رُوم میں قدرت اللہ صاحب بلا رہے ہیں۔'' ملازم نے آ کر کہا۔

''چلو! میں آ رہی ہوں۔'' وہ ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑی ہو کر اپنے آپ کو درست کر کے ڈرائنگ رُوم کی طرف چل دی۔

بتیاں کے اندر آتے ہی دونوں احتراماً کھڑے ہو گئے۔

''تشریف رکھئے......'' بتیاں نے دونوں کو بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ ''کیسے تشریف لائے آپ قدرت اللہ صاحب؟'' بتیاں نے دیکھا وہ نوجوان سفید شلوار قمیض میں ملبوس تھا اور سفید رُومال سے اپنا چہرہ ڈھانپے ہوئے تھا۔ صرف آنکھیں معمولی نظر آتی تھیں اور شاید

ایک ٹانگ سے معذور تھا...... چھڑی کے آسرے سے چلتا تھا......

''میں تو آتا ہی رہتا ہوں۔ یہ نوجوان جواد نے بھیجا ہے......'' قدرت اللہ مسکرا دیا۔

''کس لئے......؟'' بتیاں نے چونک کر پھر اُس نوجوان کی طرف دیکھا جو جسامت سے بہتر لگ رہا تھا۔

''کوئی بھی کام دے دیں......'' جواد نے کہا۔ ''خانساماں کے ساتھ لگا دیں...... ویسے گاڑی بھی اچھی چلا لیتا ہے۔'' قدرت اللہ نے ہنس کر اُس کی طرف دیکھا۔

''ڈرائیور تو ہے......'' اُس نے صرف اتنا کہا اور بغور نوجوان کو سر سے پاؤں تک دیکھنے لگی...... ''ضرورت مند ہے......؟'' وہ پھر بولی۔

''جی ہاں بھابھی...... ضرورت مند ہے...... دراصل یہ لڑکا گیا تھا نور صاحب کے پاس...... اُنہوں نے جواد صاحب کو دے دیا۔''

''ٹھیک ہے...... تم جاؤ......'' بتیاں نے قدرت اللہ سے کہا۔

''بابا! تمہیں ساتھی مددگار کی ضرورت ہے؟'' بتیاں نے ٹرالی اندر لاتے بوڑھے خانساماں سے کہا۔

''مددگار......؟ بیگم صاحب! میں سمجھا نہیں۔'' خانساماں ہنس دیا۔

''ارے بابا! تمہیں اپنے ساتھ کسی کام کرنے والے کی ضرورت ہے؟'' قدرت اللہ بولا۔

''ٹھیک ہے بیگم صاحب جی...... اگر آپ مددگار دے رہے ہیں تو مجھے کیا اعتراض ہے؟'' بوڑھے خانساماں نے اقرار میں کہا۔ ''دن میں دو دو دعوتیں تو ہو جاتی ہیں سرکار۔ چلو میرے ساتھ پیاز ہی چھیل دیا کرے گا...... کام بھی بہت ہے۔'' بوڑھے خانساماں نے مسکرا کر کہا۔

''کیوں بھئی! ٹھیک ہے؟ کیا نام ہے تمہارا؟ بولو تم بھی کچھ۔'' قدرت اللہ نے کہا۔

''نام تو بلال ہے جی...... پر اب لوگ بالا بالا کہنے لگے ہیں۔''

''بالا......'' بتیاں نادانستہ طور پر بری طرح چونک گئی...... بلال نے بغور اُس کی تڑپ کا اندازہ لگا لیا۔

''کوئی کوارٹر خالی ہے......؟'' قدرت اللہ نے کہا۔

''کوارٹر میں نے کیا کرنا ہے...... یہیں کہیں پڑا رہوں گا۔'' وہ بولا۔

''صاحب جی...... میرے ساتھ ہی رہ لے گا۔ اتنا بڑا کمرہ ہے۔ چارپائی بھی ایک اور

ہے۔'' خانساماں نے کہا۔

''ٹھیک ہے۔ کیوں بالے! ٹھیک ہے؟ تم بابا کے ساتھ رہ لو...... کوئی تکلیف ہو تو ضرور بتانا...... بیگم صاحبہ بہت اچھی ہیں۔'' قدرت اللہ نے کپ اُٹھا کر ایک شامی منہ میں رکھا۔

''مہربانی ہے آپ کی جناب!'' بلال نے کہا۔

''لو! چائے پیو......'' بتیاں نے اُس کے سامنے چائے کی پیالی رکھی۔

''بیگم صاحبہ...... میں یہاں نوکر ہوں جی!'' بلال عاجزانہ لہجے میں بولا۔

''بالے...... تم بے فکر چائے پیو! یہاں کوئی ایسی تفریق نہیں ہے۔'' بتیاں نے اُس کے سامنے بسکٹ کی پلیٹ رکھ دی۔ بلال نے ایک بسکٹ اُٹھایا اور کنکھیوں سے بتیاں کو دیکھتا رہا۔

''اچھا! اب مجھے اجازت دیجئے۔'' قدرت اللہ کھڑا ہو گیا۔

''بیٹھیے نا...... ایک کپ اور۔'' بتیاں بھی کھڑی ہو گئی۔

''بس! ٹھیک ہے بھابھی...... مجھے ضروری کام سے باہر جانا ہے...... اور ہاں! مجھے یاد آیا...... جواد چند دنوں کے لئے ٹوکیو چلا گیا ہے......'' بتیاں خاموش رہی۔

''اور آپ کے لئے پیغام ہے کہ مسٹر آچاری کے بارے میں فیصلہ کریں۔ اور ہاں میں جواب ملنا چاہئے...... انکار میں نہیں......'' قدرت اللہ بالکل اُسی لہجہ میں بولا جس طرح جواد نے کہا تھا۔ اور بلال نے دیکھا کہ وہ اُداس ہو گئی تھی۔

''میرا اب بھی وہی جواب ہے جو پہلے تھا...... وہ آئے گا اور یہی سن لے گا۔'' بتیاں نے کہا۔

''او کے...... مجھے اجازت......'' قدرت اللہ باہر نکل گیا۔

''صابراں...... بلال کو خانساماں کے پاس چھوڑ آؤ......'' بتیاں نے کہا۔

''بہتر جناب......'' اور ملازمہ بلال کو اُدھر لے گئی۔

☆☆☆

شوٹنگ سے واپس آتے ہی وہ کمرے میں تھکی تھکی سے اپنے ہزاروں مالیت کے قیمتی بیڈ پر گر گئی...... بالا دُور سے اُس کی کیفیت دیکھ رہا تھا...... صابراں بھاگم بھاگ جوس کا گلاس خوبصورت پلیٹ میں رکھ کر لے گئی......

''پردے اُٹھا دو صابراں! میں دُکھی شام کو دیکھنا چاہتی ہوں۔'' وہ لیٹتے ہوئے یوں ہی بولی۔

''آپ جوس پئیں بیگم صاحبہ...... سیب کا جوس لائی ہوں...... دل کو طاقت دے گا۔'' صابراں نے پردے سرکا کر گلاس اُس کے ہاتھ میں پکڑاتے ہوئے کہا۔

''بہت اچھا ہے......'' وہ آخری گھونٹ حلق میں اُتار کر گلاس واپس صابراں کو پکڑاتے بولی۔

''بیگم صاحبہ...... چائے لاؤں؟ تھکن دُور ہو جائے گی۔'' بلال اندر آیا۔

''تم نے چائے بنانی سیکھ لی ہے؟'' بتیاں اُٹھ کر ہنس دی۔

''ہاں جی...... آج پی کے تو دیکھیں...... بڑی مزے کی ہے۔'' بالے نے بغور بتیاں کو دیکھا۔

''لے آؤ پھر...... ساتھ کچھ کھانے کے لئے بھی۔'' بتیاں نہ جانے انکار کیوں نہ کر سکی...... حالانکہ جوس کے فوراً بعد چائے......

''سموسے لاؤں گا...... دال کے سموسے...... چنے کی دال......'' وہ صابراں کی طرف دیکھ کر ہنس دیا۔ ''ماسی! تیرے لئے لاؤں چائے......؟'' بلال پلٹ کر صابراں سے بولا۔

''ماسی؟...... تو پنڈ سے آیا ہے...... ماسی کہہ رہا ہے۔'' صابراں کو اچھا نہ لگا۔

''اور کیا کہوں...... ماسی...... ماں کی بہن۔'' بلال ہنس دیا۔

''دفعہ ہو...... آنٹی کہو...... اتنے بڑے لوگوں کی نوکرانی ہوں اور تو ماسی کہہ رہا ہے۔ خبردار لڑکے! جو ماسی کہا۔'' وہ ہاتھ نچا کر بولی۔

''اچھا اچھا...... آنٹی کہہ دُوں گا۔'' بلال ہنستا ہوا واپس لوٹ گیا۔

''بڑا شیطان ہے...... خبیث کہیں کا...... منہ چھپا چھپا کر بات کرے......'' صابراں بھی ہنستے ہوئے بولی۔

''اچھا نوجوان ہے...... منہ چھپانے کی اس کی عادت ہوگی۔'' بتیاں سوچنے لگی۔

''بڑا سوہنا سندر ہے بیگم صاحبہ...... چٹا گورا ماتھا...... کالے گھنے بال...... چوڑا سینہ...... ایک ٹانگ ٹھیک ہوتی نا! تو یہ کسی فلم میں ہیرو آ سکتا تھا۔'' صابراں نے قیافہ لگایا۔

''اچھا...... تمہیں معلوم ہے ہیرو خوبصورت ہونا چاہئے......'' بتیاں ہنس دی۔

''اور کیا بیگم صاحبہ...... آپ جیسی ہیروئن ہوگی تو ہیرو بھی خوبصورت ہونا چاہئے۔'' صابراں حسب عادت ہنس دی...... اور بلال عرف بالا ٹرالی لے کر حاضر ہو گیا۔

''آنٹی صابراں! تمہارے لئے بھی لایا ہوں۔'' اُس نے کہا اور صابراں کے ساتھ بتیاں بھی کھلکھلا کر ہنس دی......

اور عین اُسی وقت جواد کمرے میں داخل ہوا...... یہ دیکھ کر اُس کے تن بدن میں آگ لگ گئی کہ وہ اِس وقت کس قدر خوش نظر آ رہی ہے...... میرے ساتھ آج تک اس نے کبھی کھل کر بات ہی نہیں کی......

''واہ...... نوکروں کے ساتھ بڑی خوش نظر آتی ہو۔'' وہ طنزاً کہتا ہوا صوفے پر دراز ہو گیا۔

''نوکر میری عزت نفس پر حملہ نہیں کرتے۔'' وہ برجستہ جواب دیتے بولی۔

''ٹھیک ہے......'' وہ کہتا ہوا صوفے پر لیٹنے کے انداز میں بیٹھ گیا۔

صابراں اور بلال اُس کے آتے ہی جا چکے تھے۔ ''میرا خیال ہے تمہارے دل سے غصہ اُترا نہیں۔'' وہ بتیاں کے ہاتھ سے چائے پکڑتا ہوا بولا۔

''تمہیں کیا فرق پڑتا ہے......؟'' وہ تلخ لہجے میں بولی۔

''مجھے کیوں فرق نہیں پڑتا...... آخر میں تمہارا خاوند ہوں۔'' وہ ایک دم بولا۔

''صرف نام کے...... ہنہ......'' وہ طنزاً مسکرا دی۔

''کیا...... کیا کہا تم نے...... میں نام کا شوہر ہوں......؟'' جواد کو غصہ آ گیا۔

''تم جانتے ہو اِس بات کا کیا مطلب ہے...... میاں بیوی کا رشتہ مضبوط بھی ہے اور کمزور بھی...... وہ تلخ انداز میں بیٹھے بیٹھے بولی۔

''اس کا مطلب ہے کہ تم مجھے اس رشتے کی کمزوری سے ڈرانے لگی ہو۔'' وہ بسکٹ نگل کر بولا۔

''میرا یہ بھی مطلب نہیں ہے۔'' وہ آہستہ سے بولی۔

''اور پھر تمہارا کیا مطلب ہے...... کیا چاہتی ہو تم......؟'' وہ سر پیٹ کر بھڑک اُٹھا۔

وہ اُسے دیکھتی رہ گئی۔ ''میں تم سے کچھ نہیں چاہتی...... تم صرف اپنا لہجہ تبدیل کرو......'' وہ بغیر کوئی اثر لئے بولی۔

''تم نے مجھ سے کیا چاہنا ہے...... یہ سارا ٹھاٹھ باٹھ صرف تمہاری وجہ سے تو ہے۔ میرا کیا ہے...... لوگ تمہارے حوالے سے مجھے جانتے ہیں...... تمہیں یہ خبر نہیں کہ میں کتنی محنت کرتا ہوں...... ایک اچھی زندگی گزارنے کے لئے کتنی جدوجہد کرتا ہوں......'' وہ اپنی بات میں وزن پیدا کرنا چاہتا تھا۔

''تم بالکل ٹھیک کہتے ہو جواد...... خانم جان نے اسی وجہ سے مجھے تمہارے سپرد کیا تھا کہ تم اچھے انسان ہو...... کیونکہ میں نے کبھی کسی مرد کے بارے میں سوچا تک نہ تھا۔'' وہ نرمی سے بولی۔

''مجھے تم سے کوئی شکوہ نہیں...... صرف ایک بات جو کھٹکتی ہے کہ تم میری بات نہیں مانتی۔'' وہ پہلو بدل کر بولا۔

''میری بھی کوئی مرضی ہے...... مجھے بھی ڈھب سے زندگی گزارنے کا حق ہے کہ نہیں......؟'' بتیاں نے بغور اُس کی طرف دیکھا...... جواد کے چہرے پر سوالات و جوابات کے ان گنت نقوش نمایاں ظاہر ہو رہے تھے...... وہ چاہتا تھا کہ مٹی کو ہاتھ لگائے اور وہ سونا بن جائے۔ کاش! اُسے کہیں سے پارس پتھر مل جائے...... اور وہ اپنے اردگرد سونے اور زرو جواہرات کے بلند و بالا مینار کھڑے کر لے......

''بتیاں......!'' وہ پہلو بدل کر اُس کی طرف پلٹ کر بولا۔

''کیا......؟'' چند لمحوں کی تاخیر بتیاں کو کاٹ گئی تھی۔

''تم صرف مسٹر آچاری کی فلم میں کام کر لو...... اس کے بعد میں تمہیں کبھی کچھ نہ کہوں گا۔'' جواد نے جیسے عہد کیا۔

''اُس کی فلم میں تو میں کام کرنا نہیں چاہتی۔ اور نہ ہی زیادہ کام کر سکتی ہوں۔'' بتیاں نے زوردار الفاظ ادا کرتے ہوئے جواد سے کہا۔

''بتیاں......!'' وہ تحکمانہ انداز میں کھڑا ہو گیا۔ بتیاں بھی کسی جواب کے انتظار میں کھڑی ہو گئی۔

''اپنے ماضی کی طرف دھیان دو...... ساری رات مشقت کر کے گزرتی تھی۔ خانم تم سے کس قدر کام لیتی تھی۔'' وہ بڑے ہی رکیک انداز میں گویا ہوا۔

''کاش! خانم جان یہاں ہوتیں تو تم اُن کا جواب سن لیتے...... میں ہفتے میں صرف ایک رقص کرتی تھی...... ایک گانے کے ساتھ......'' بتیاں کو اس وقت وہ ماحول بہت یاد آنے لگا۔

''تم جھوٹ بولتی ہو...... الحمرا تمہاری وجہ سے صبح و شام فُل ہوتا تھا...... لوگ تمہارا گانا اور رقص دیکھنے کے لئے ہمہ وقت موجود رہتے تھے۔'' وہ جوش سے بولا۔

''اب کیا کہنا چاہتے ہو؟'' بتیاں اُس کی بات کا مطلب جان چکی تھی۔

''میرا مطلب یہ ہے کہ الحمرا میں سکھ بھی ہوں گے، عیسائی اور مسلم، ہندو سب تو میں موجود ہوں گی۔'' جواد نے بتیاں کو قائل کرنا چاہا۔

''میں جان چکی ہوں کہ تم کیا کہنا چاہتے ہو...... میں مسٹر آچاری کی فلم میں کام نہیں کروں گی...... تم اُس کی رقم لوٹا......''

''چٹاخ......'' جواد کا ہاتھ اُٹھا اور بتیاں کے نرم و نازک رُخسار کو لال کر گیا...... اور عین اُسی وقت بلال داخل ہوا۔ اُس نے جواد کو طمانچہ مارتے دیکھ لیا تھا۔

''صاحب جی...... آپ...... مارا آپ نے......؟'' وہ بھونچکا سا رہ گیا۔

''اُٹھاؤ برتن...... لے جاؤ!'' جواد نے ایک ٹھوکر ماری اور ٹرالی لڑھکتی ہوئی دُور جا گری...... اُس پر قیمتی ٹی سیٹ چکنا چور ہو گیا۔

بلال نے شدید طیش میں دانت پیسے اور پورا غصہ اُن کرچیوں پر نکل آیا...... وہ سب برتن زخمی ہاتھوں سے اُٹھا کر ٹرالی کچن میں لے گیا۔

''اے بالے...... یہ تیرے ہاتھوں سے خون......؟'' راستے میں گلدان لئے صابراں نے حیرت سے دیکھا۔

''غصہ آ گیا آنٹی صابراں...... صاحب نے ٹھوکر ماری اور برتن توڑ دیئے۔'' وہ کچن کے اندر جاتے جاتے بولا۔

''غصہ آ گیا...... تجھے بھی؟'' وہ روئی نکال کر اُس کے زخموں پر رکھتے ہوئے بولی۔

''صاحب نے بڑا زور دار طمانچہ مارا ہے بیگم صاحبہ کو۔'' بالا نفرت سے بولا...... اگر اُس کے بس میں ہوتا تو جواد کی بوٹیاں نوچ لیتا۔

''ہائے میں مری...... صاحب اب مارنے پر آ گیا۔'' صابراں نے دونوں ہاتھ ملتے ہوئے کہا۔

بالا خاموش سوچتا رہا...... وہی منظر بار بار اُس کی رُوح کو تڑپانے کے لئے کافی تھا۔

''پہلے کیا کرتا تھا آنٹی صابراں......؟'' وہ پلٹ کر روئی بار بار زخموں پر رکھتے بولا۔

''بس! کچھ نہ پوچھو...... میں نے تو جب بھی سنا اور دیکھا ہے، صاحب کو لڑتے ہی دیکھا ہے...... ایک مرتبہ کہہ رہا تھا تم میری بات نہیں مان رہی......'' صابراں نے جو سنا، کہہ دیا۔ ''اتنی اچھی ہیں بیگم صاحبہ...... نوکروں کا کتنا خیال رکھتی ہیں......'' صابراں نے پھر کہا۔

''صاحب کیوں ایسا کرتا ہے...... آخر کیا منوانا چاہتا ہے وہ؟......'' بلال نے کہا۔

''معلوم نہیں......!'' صابراں بولی۔

''میں پوچھوں گا صاحب سے کہ اُن کو بیگم صاحبہ سے کیا چاہئے۔'' بلال کا غصہ ابھی اچھی طرح اُترا نہیں تھا۔

''باولا ہو گیا ہے تو...... دھکے دے کر نکال دے گا صاحب......'' صابراں نے اُسے خبردار کیا۔

''میں یہ سب کچھ نہیں دیکھ سکتا۔'' وہ سٹول پر بیٹھتے ہوئے بولا۔ صابراں نے دیکھا، وہ کتنا خوبصورت نوجوان ہے......

''بس! تو خاموش رہ...... میاں بیوی کا معاملہ ہے۔ ہمیں کیا......؟'' صابراں چائے کا پانی رکھتے ہوئے بولی۔

''بازار سے سموسے لایا تھا بیگم صاحبہ کے لئے...... وہ بھی صاحب نے پاؤں مار کر گرا دیئے۔'' بالے کو افسوس ہونے لگا۔

''گھبرا نہ...... بس! چائے پی...... وہ بابا بھی آ گیا...... آ جا بابا...... تو بھی چائے پی لے......'' بوڑھے خانساماں نے کچن میں داخل ہوتے ہوئے صابراں کی طرف دیکھا۔

''حیران ہو رہے ہو بابا......؟'' صابراں نے خانساماں کو چائے کی پیالی پکڑاتے ہوئے کہا۔

''ہاں...... بیٹی صابراں...... تو اس وقت کچن میں آتی ہے جب کوئی خاص بات ہو۔'' خانساماں نے پیالی پکڑ لی۔

''ہاں بابا...... آج تو بڑی ہی خاص بات ہوئی ہے۔'' صابراں نے کہا۔

''صاحب کا جھگڑا ہو گیا بیگم سے...... وہ تو روز ہی ہوتا ہے۔'' خانساماں آواز کے ساتھ شڑاپ شڑاپ کرتے چائے پینے لگا۔

بلال خاموش چائے پیتا رہا...... اُس کے دماغ میں یہی کچھ گھوم رہا تھا کہ جواد نے کیوں مارا ہے بتیاں کو......؟ بتیاں تک پہنچنے میں اُسے کتنے پاپڑ بیلنے پڑے......؟ بتیاں اُس کی زندگی کا زندہ رہنے کا واحد آسرا......

بوڑھے خانساماں نے پیالی رکھی اور ایک دم بالے کی طرف دیکھا...... صابراں جا چکی تھی۔ ''او بھئی! رات کے کھانے کا بندوبست کرنا ہے۔ چھوڑو سب باتیں......'' تلملا کر بالے نے بوڑھے کی طرف دیکھا۔ ''یہ تو روز کا کام ہے...... تم عادی ہو جاؤ گے۔'' بوڑھے نے گوشت کو پانی کے نیچے رکھتے ہوئے کہا۔

''مجھ سے نہیں دیکھا جاتا بابا۔'' وہ زخم خوردہ سا تڑپ اُٹھا۔

''رمضانی بابا......!'' جواد کا خاص ملازم آتے ہوئے بولا۔

''کیا بات ہے......؟'' رمضانی بابا خانساماں...... گوشت کو نچوڑ کر ایک برتن میں رکھتے ہوئے بولا۔ ''کیا ہے...... کوئی مہمان آ رہے ہیں؟'' بوڑھے نے پوچھا۔

''ہاں...... ابھی ابھی صاحب کا فون آیا ہے کہ گوشت کے علاوہ دو تین ڈشیں بغیر گوشت کے بھی بنا لینا۔'' ملازم نے اندر داخل ہو کر کہا۔

''کیا؟ کون ہے جو بغیر گوشت کے کھانا پسند کرے گا؟'' بوڑھے خانساماں نے کہا۔

''میں نے تمہیں بتا دیا ہے...... اب تو جانے اور تیرا کام۔'' ملازم باہر نکلتے ہوئے کوٹھی کی دوسری سمت چلا گیا۔

''بالے......!'' خانساماں رمضانی سوچنے لگا۔

''کیا ہے بابا......؟'' بالا سٹول پر خاموش بیٹھا تھا...... اُس کے چہرے سے یہ پتہ چلانا مشکل نہیں تھا کہ وہ اس وقت کتنا پریشان تھا۔

''جا...... بیگم صاحبہ سے پوچھ! کہ بغیر گوشت کے کتنے سالن بنا لوں......؟''
خانساماں خود شش و پنج میں پڑ گیا۔

''میں نہیں جاتا...... وہاں صاحب ہوگا۔'' بالا فوراً بولا۔

''وہ تو کب کا چلا گیا...... تبھی تو فون آیا ہے...... جا کر پتہ کر کے آ میرا بیٹا!'' بوڑھا رمضانی خانساماں حسب عادت بالے کو پچکارتے ہوئے بولا۔

''دیکھتا ہوں......'' بالا بادل نخواستہ بتیاں کے کمرے میں داخل ہوا۔

''بیگم صاحبہ...... آپ ابھی تک رو رہی ہیں...... اندھیرے میں......'' بالے نے آگے بڑھ کر لائٹ روشن کر دی۔

وہ سسکیاں لیتی بتیاں کو روتے دیکھ کر جیسے خود اپنی رُوح کو قفس عنصری سے پرواز کرتے ہوئے دیکھنے لگا...... وہ بے دم سا بیٹھ گیا...... جیسے بدن میں طاقت نہ رہی ہو۔

''ارے بالے! یہاں بیٹھو...... قالین پر کیوں بیٹھے ہو؟'' وہ چہرہ صاف کرتے بولی۔

''نہیں جی...... بس! آپ کے قدموں میں رہنا چاہتا ہوں۔ یونہی جیون بیت جائے تو اچھا ہے......'' بالے نے بڑے غور سے دیکھا...... تو بتیاں ہی ہے...... بالکل......

''تم باتیں بڑی خوبصورت کرتے ہو......'' بتیاں نے اُلجھے بالوں کو اپنی سفید کندنی صراحی دار گردن سے ہٹا کر کہا۔

...... یہ وہی نشان ہے...... میں کسی دن تصدیق کر لوں گا......'' وہ دیکھتا رہ گیا۔

''بالے...... تم کیا کہنے آئے تھے؟'' بتیاں نے پوچھا۔

''رمضانی بابا بغیر گوشت کے دو تین ڈشیں بنانا چاہتا ہے۔'' وہ بولا۔

''کیوں...... ایسی کیا آفت آ گئی؟'' بتیاں کا ماتھا ٹھنکا۔

''صاحب کا فون آیا تھا کہ بغیر گوشت کے دو تین سالن ہونے چاہئیں۔'' بلال نے اپنے رُومال کو چہرے پر اچھی طرح لپیٹتے ہوئے کہا۔

''بغیر گوشت کے تو یہی پک سکتا ہے......''

وہ سوچنے لگی اور مسٹر آچاری کی صورت نگاہوں میں اُتر آئی۔

''کیا جی......؟'' وہ کھڑے ہوتے ہوئے بولا۔

''یہی دال چاول، چنے کا پلاؤ...... ثابت ماش...... دہی پھلکیاں...... اور بینگن کا بھرتا...... بس! یہی کچھ بنا لو!'' وہ صوفے پر ٹیک لگائے آنکھیں بند کرتے بولی۔

''ٹھیک ہے جی!'' وہ جانے کے لئے پلٹا۔

''بالے......!'' بتیاں نے فوراً آواز دی۔

"جی......؟" وہ ایک دم برقی رو کی طرح پلٹا۔

"لائٹ آف کرتے جاؤ......" وہ دکھی انداز میں بولی۔

"نہ جی بیگم صاحبہ...... اندھیرے میں کیوں بیٹھیں گی...... آپ ایسے کریں باہر لان میں آجائیں...... فوارے کے پاس کتنا پیارا منظر ہے...... وہاں تاریکی میں بھی روشنی ہے۔" بالے نے کہا۔

"نہیں بالے...... میری زندگی میں ازل سے ہی تاریکی ہے...... پھر جب اندر اندھیرا ہو تو باہر کے چراغ اچھے نہیں لگتے۔" وہ بھیگی پلکوں سے آنسو صاف کرتے بولی۔

"پہلے تو آپ ایسی نہ تھیں......" وہ نادانستہ طور پر کہہ گیا۔

"پہلے...... تم نے کب دیکھا مجھے پہلے......؟" وہ چونک سی گئی۔

"تبھی...... جب میں آیا تھا۔" وہ جلدی سے بات ٹال گیا۔

"تم نہیں جانتے......" وہ لیٹنے کے انداز میں صوفے پر بیٹھ گئی۔

"میں جاؤں...... لیکن بتیاں گل نہ کرنا!" وہ آہستہ سے بولا۔

"جاؤ...... لیکن تم نہیں جانتے بتیاں گل ہو چکی ہے۔" بتیاں نے آہستہ سے کہا۔ لیکن وہ سن چکا تھا...... خاموش چھری ٹیکتا باہر آگیا......

"بالے...... تم کہاں ہو...... آج تیری ضرورت ہے...... جی چاہتا ہے تیری آغوش میں جان دے دوں...... مجھے تم سا کون پیار دے گا...... مجھے سوئی بھی چبھ جاتی تھی تو، تو تڑپ اُٹھتا...... وہ ماضی کے دھندلکوں میں کھوگئی......

"میرا قصور ہے...... کیوں گری مجھ پر...... اب سوئی چبھ گئی تو رو رہی ہے......" وہ بتیاں کے ہاتھ کو اپنے ہونٹوں سے لگاتا ہوا بولا۔

"کیا ہو گیا تمہیں...... ہر وقت لڑتے رہتے ہو۔" خدیجہ غصے سے اُٹھ کر پاس آئی۔

"چاچی! میں اپنی قمیض کو بٹن لگا رہا تھا...... بتیاں کود کر میرے اُوپر گری اور ہاتھ میں سوئی چبھ گئی......" وہ ندامت آمیز لہجے میں بولا۔

"میں زندہ ہوں ابھی...... مجھے نہیں کہہ سکتا بٹن لگانے کو......؟" خدیجہ نے اُس کے ہاتھ سے کرتا چھین لیا۔

بتیاں ہنس دی...... "بڑا شوق ہے اِس کو کام کرنے کا......" وہ ہنستے ہوئے بولی۔

خدیجہ کرتا لئے چلی گئی۔

"دکھا! زیادہ تو نہیں چبھ گئی؟" وہ بتیاں کا ہاتھ کھینچ کر اپنے رُخساروں سے لگانے لگا۔

"کچھ بھی نہیں...... میں تو ایسے ہی کر رہی تھی...... دیکھ! کچھ بھی نہیں۔" وہ ہنستی ہوئی شریر انداز میں اُس کے گلے میں باہیں ڈال کر جھولنے لگی۔

"چل...... تو نے تو جان ہی نکال دی......"

ٹھک ٹھک...... دروازے پر دستک ہوئی۔

اور...... اِس کے ساتھ ہی بتیاں کا تصورِ ماضی منقطع ہو گیا...... وہ بے سدھ بیٹھ گئی...... ڈرائنگ رُوم میں ملے جلے کئی قہقہوں کی آوازیں آ رہی تھیں...... مسٹر آچاری کے علاوہ اور بھی کئی لوگ موجود تھے۔

"تیار ہو جائیں بیگم صاحبہ...... میں نے کپڑے نکال دیئے ہیں۔ آنکھوں میں ذرا کاجل لگا لیں...... رو رو کے کیا حال کر لیا آپ نے......" صابراں نے سامنے اشارہ کیا۔

"ٹھیک ہے صابراں...... تم جاؤ......!" وہ واش رُوم کی طرف چل دی۔

ابھی چند سیکنڈ بھی نہ گزرے تھے کہ مسٹر آچاری نے اضطرابیت کے عالم میں ڈرائنگ رُوم کے دروازے کی طرف دیکھا۔ "مسٹر جواد! بلوائیے نا بیگم صاحبہ کو......" مسٹر آچاری نے اپنے قریب بیٹھے صحت مند نوجوان کو دیکھ کر کہا۔

"ضرور ضرور...... جواد صاحب...... بہت اشتیاق ہے...... تصاویر تو دیکھتے ہی رہتے ہیں...... لیکن جو مزہ براہِ راست ملنے میں ہے، وہ کہاں......" نوجوان نے پُر اشتیاق نظریں باہر سے آنے والے راستے پر ڈالیں۔ کیونکہ وہ بتیاں کے حسن کی بہت تعریف سن چکا تھا۔

"بس! آتی ہی ہوں گی۔" جواد نے کہا...... لیکن دل میں عجیب قسم کے وسوسے اندیشے جنم لے رہے تھے کہ یہاں نہ جانے کیا ردِعمل ہو بتیاں کا...... نہ جانے کس قسم کا رویہ ہو......؟ وہ چند لمحے سوچنے پر مجبور ہو گیا کہ اُس کو تھپڑ نہیں مارنا چاہیے تھا...... وہ میری بات کیوں نہیں مانتی......

بڑی بے قراری سے وہ پہلو بدل کر چونکا...... ڈرائنگ رُوم کے دروازے پر جیسے چاند طلوع ہو گیا ہو...... وہ زرد رنگ کی خوبصورت مہین ساڑھی میں ملبوس تھی...... باریک سُنہری چپل جس میں اُس کے سفید ریشم کی طرح پیر جھلملا رہے تھے...... دراز گیسو کولہوں پر بکھرے ہوئے تھے...... اور اُن میں زرد ہی چھوٹے چھوٹے مصنوعی پھول ٹکے ہوئے تھے...... وہ آج پہلے سے بھی کہیں زیادہ حسین نظر آ رہی تھی۔ اُس کے اندر داخل ہوتے ہی

ناوانستہ سب کھڑے ہو گئے...... جواد کو بھی مجبوراً سب کے ساتھ کھڑا ہونا پڑا...... ورنہ اِس احترام کا تو وہ اپنے آپ کو متحمل نہیں پا رہا تھا۔

''آداب......'' وہ ایک ساتھ سب کو کہہ کر مصنوعی مسکراہٹ بکھیرتی ہوئی جواد کے ایک طرف صوفے پر بیٹھ گئی۔ اُس کے ساتھ ہی سب اپنی اپنی نشستوں پر براجمان ہو گئے۔

''آچاری صاحب! ایسا حسن تو پیرس اور مصر میں بھی دیکھنے کو نہیں ملا۔'' نوجوان نے بیٹھتے ہوئے مسٹر آچاری کے کان میں سرگوشی کی۔

''دیکھا تم نے پاکستانی عورت کس قدر حسین ہے۔'' مسٹر آچاری نے آہستہ سے کہا۔

''حسن تو بھگوان دیتا ہے...... پاکستانی ہو یا ہندوستانی......'' وہ سیدھا ہو گیا۔

''بتیاں صاحبہ...... آپ کے ساتھ ہیرو...... اجے کمار......'' مسٹر آچاری نے اجے کمار کی طرف اشارہ کیا۔

اجے کمار نے بڑے تفاخر سے بتیاں کی طرف دیکھا...... جسے پہلی نظر میں دیکھتے ہی وہ اُس کی زلف گرہ گیر کا اسیر ہو چکا تھا۔

بتیاں نے صرف آنکھوں ہی آنکھوں میں سراہا اور ٹیک لگا لی...... جواد فاصلے پر بیٹھا بتیاں کی حرکات وسکنات کا جائزہ لے رہا تھا۔ وہ اُس سے لاتعلق بیٹھی دوسرے لوگوں سے محوِ گفتگو تھی......

چند لمحے اِدھر اُدھر کی باتیں ہوتی رہیں...... ملازم نے کھانے کی اطلاع دی اور سب ڈائننگ ہال کی طرف چل دیے......

کھانے کا ایک لقمہ منہ میں ڈالتے ہی بتیاں کی طبیعت خراب ہونے لگی...... وہ معذرت کرتی واپس اپنے کمرے میں آ گئی۔

''بیگم صاحبہ...... کیا ہوا؟ طبیعت تو ٹھیک ہے......؟''

''بالے......! فون لاؤ!''

''یہ لیجیے!'' بالے نے برق رفتاری سے ریسیور بمعہ فون بتیاں کے سامنے رکھ دیا۔

''جلدی کریئے فاروقی صاحب! میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔'' بتیاں نے فون پر کہا۔

بالے نے فوراً اُس کے ہاتھ سے ریسیور پکڑ کر فون پر رکھ دیا۔

وہ بے سدھ لیٹ گئی......

بتیاں...... کیا ہو گیا تمہیں...... وہ اسی خیال کے تحت جھکا...... لیکن فوراً پلٹ گیا۔

ے اپنی حیثیت کا احساس ہونے لگا...... صابراں بھی آ چکی تھی......

ڈائننگ ہال میں مختلف قہقہوں کی ملی جلی آوازیں بدستور آ رہی تھیں...... چند لمحے ہی گزرے تھے کہ ڈاکٹر فاروقی ملازم کے ساتھ داخل ہوئے۔

''ڈاکٹر صاحب...... میں ٹھیک نہیں ہوں...... میرا دل......'' وہ بے سدھ سی ہو گئی۔

ڈاکٹر فاروقی نے بتیاں کو اچھی طرح چیک کیا اور مطمئن انداز میں آلہ بیگ میں ڈالا...... پھر بلڈ پریشر چیک کیا۔

''گھبرانے کی ضرورت نہیں...... صابراں! مسٹر جواد کو بلاؤ۔'' ڈاکٹر فاروقی نے صابراں سے کہا۔

''آپ مجھے کہہ دیں ڈاکٹر صاحب! میں بیگم صاحبہ کی ذاتی ملازمہ ہوں۔ صاحب تو اس وقت مہمانوں میں بیٹھے ہیں...... وہ نہیں آ سکتے۔'' صابراں نے کہا۔

''اچھا...... اِدھر آؤ!'' ڈاکٹر فاروقی بالے کے سامنے بات کرنا پسند نہ کرتے تھے۔

''دیکھو! بیگم صاحبہ کا خیال رکھو...... تمہاری بیگم اُمید سے ہے...... اِن کا پاؤں بھاری ہے۔''

''جی...... اللہ تیرا شکر......'' صابراں نے مارے خوشی کے ہاتھ اُٹھائے۔

''پرہیز بتا دیں ڈاکٹر صاحب...... میں پورا خیال رکھوں گی۔'' وہ مسرت بھرے انداز میں بولی۔

''کھانے میں جو جی چاہے۔ اور اب کچھ ماہ کے لئے اداکاری ختم کر دیں...... ورنہ نقصان کا اندیشہ ہے...... آپ بھی سن لیں بیگم صاحبہ! آپ کو مکمل ریسٹ کی ضرورت ہے۔'' وہ صابراں سے بات کر کے بتیاں کی طرف متوجہ ہوا۔

بالا ایک ذہین نوجوان تھا...... صابراں اور ڈاکٹر فاروقی کے انداز سے ہی جان گیا تھا کہ بتیاں کی طبیعت کیوں خراب ہے۔

''جاؤ بالے...... ڈاکٹر صاحب کو چھوڑ آؤ۔'' صابراں نے کہا۔

''اچھا......'' بالے نے ڈاکٹر فاروقی کا بیگ اُٹھایا اور اُن کی گاڑی کی طرف چل دیا۔

''بیگم صاحبہ...... اب کیسی طبیعت ہے......؟'' بہت دیر کے بعد صابراں نے کہا۔

''مجھے ایک گلاس جوس دے دو صابراں......!'' بتیاں نے کروٹ لی۔

صابراں سیب کا جوس بنا کر فوراً لے آئی۔

بہت رات گئے ہنگامہ ختم ہوا...... اسے کمار اسی امید پر بیٹھا رہا کہ دوبارہ ملاقات ہو گی۔ لیکن جب اُمید نہ رہی تو وہ واپس دوبارہ ملاقات کی اُمید سے لوٹ گیا۔

جواد نیند سے بوجھل آنکھیں لئے بیڈ رُوم میں داخل ہوا...... وہ پرسکون انداز میں لیٹی تھی...... قدموں کی آہٹ پر بھی اُس نے نہیں دیکھا۔

''سو رہی ہو......؟'' وہ کوٹ اُچھال کر صوفے پر پھینک کر بولا۔

''نہیں......'' وہ یوں ہی بولی۔

وہ تلملا سا گیا...... اتنی بے اعتنائی شاید اُس کی برداشت سے باہر تھی۔

''وہاں سے چلی کیوں آئیں؟'' وہ کرخت انداز میں بولا۔

''میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے...... میں زیادہ دیر نہیں بیٹھ سکتی تھی۔'' وہ پلنگ پر بیٹھتے ہوئے خفا خفا سی بولی۔

''کیا ہے تمہاری طبیعت کو...... میری تو سمجھ میں کچھ نہیں آتا۔'' وہ جھلا کر بولا۔

''صابراں سے پوچھو...... تمہیں سب علم ہو جائے گا۔'' وہ بھی غصے سے بولی۔

''کوئی خاص بیماری ہے تمہیں......؟'' جواد نے کہا۔

''ہاں...... مجھے ایسی بیماری ہے...... جس کی ایک مدت سے مجھے آس تھی۔'' وہ سب طیش بھول کر مسکرا دی۔

''کیا......؟'' وہ چلایا۔

''میں...... تمہارے بچے کی ماں بننے والی ہوں جواد......! ہے نا خوشی کی بات......''

''What?'' وہ بت کی طرح ساکن کھڑا رہا...... اُس کی رگ و پے میں جیسے برقی کرنٹ دوڑ گیا ہو...... اور اُس کی اُمیدوں پر پانی پھر گیا...... یہ کیا ہو گیا...... اُس نے تو بہت کوشش کی تھی کہ اسے اولاد نہ ہو...... یہ کیا ہوا...... وہ ابھی اور روپیہ کمانا چاہتا تھا...... اس طرح بتیاں کوئی کام نہ کر سکے گی...... اور چار کروڑ میں رکاوٹ نہیں ڈالی جا سکتی......

''تمہیں خوشی نہیں ہوئی......؟'' وہ ششدر سی دیکھتی رہی۔

''ہاں ہاں...... بہت خوشی ہوئی ہے...... ڈھول بجاؤں...... شادیانے بجواؤں...... کیا کروں......؟'' وہ جیسے بھڑک ہی اُٹھا......

اور وہ دیکھتی رہ گئی۔

☆☆☆

دوسرے دن وہ حکیم زرداری کی دُکان پر پہنچا......

''آیئے آیئے جواد صاحب...... خیریت تو ہے...... کیسے آنا ہوا......؟'' وہ اپنی جگہ سے اُٹھ کر احتراماً جواد کے پاس آ گیا۔

''میں نے ایک سال پہلے آپ کو کہہ دیا تھا کہ مجھے خاندانی پرابلم ہے...... مجھے اولاد نہیں چاہئے۔'' جواد تلخ انداز میں زرداری کی طرف منہ کرتے ہوئے بولا۔

''تو کیا ہوا سیٹھ صاحب! میری سبحانی گولیاں ہیں۔'' حکیم زرداری بڑے فخر سے بولا۔

''آپ کا دعویٰ غلط ثابت ہو گیا۔'' جواد نے کہا۔

''کیا مطلب......؟'' حکیم زرداری نے ٹوپی سر سے اُتار لی۔

''میری بیوی اُمید سے ہے...... معلوم ہے میں آپ کو کتنی رقم دے چکا ہوں؟'' وہ بولا۔

''اُمید سے ہے......؟ کیا آپ نے باقاعدہ گولیوں کا استعمال کیا؟'' حکیم زرداری نے ذہن پر زور دیا۔

''باقاعدہ ہی استعمال کی ہیں میں نے...... صرف اِن پندرہ بیس دنوں میں...... باہر گیا ہوا تھا...... ناغہ ہو گیا......'' جواد نے شرمندہ شرمندہ خفت محسوس کی۔

''تو پھر یوں کہئے...... ایک دن کا بھی ناغہ نہیں ہونا چاہئے۔'' حکیم زرداری نے سکھ کا سانس لیا...... ورنہ وہ اپنے آپ کو قصوروار سمجھ رہا تھا۔

''اب آگے کچھ کیجئے...... معاملہ بگڑ رہا ہے۔''

''اب دوائی تو آپ کی بیوی کو دینا ہو گی۔'' حکیم زرداری سوچنے لگا۔

''یہ لیجئے...... رکھ لیجئے......'' جواد چند ہزار کی رقم حکیم کو دیتے ہوئے بولا۔

''اچھا اچھا...... ٹھیک ہے......'' حکیم زرداری رقم اپنی قمیض کے اندر صدری میں ڈال کر بولا۔

''اب مجھے کب آنا ہو گا......؟'' وہ کھڑا ہوتے ہوئے بولا۔

''جناب! پرسوں تشریف لے آیئے...... دوائی تیار ہو گی۔'' حکیم زرداری پذیرائی کرتا جواد کے ساتھ ہی کھڑا ہو گیا۔

''کھانے کا طریقہ بھی بتا دیجئے...... ہو سکتا ہے ملازم بھیج دُوں۔'' وہ چابی ہلاتا سیڑھی اُتر گیا۔

''ارے نہیں صاحب...... نوکر مت بھیجئے...... خود ہی تکلیف گوارہ کر لیجئے...... طریقہ

ذرا لمبا ہے کھانے کا۔'' حکیم زرداری ایک دم بولا۔

''اچھا......'' وہ گاڑی میں بیٹھتے ہی چل دیا۔ بتیاں کے ردعمل نے اُسے بہت پریشان کر دیا تھا۔ واپسی پر وہ قدرت اللہ سے ملنے اُس کی کوٹھی پر پہنچا۔

ملازم نے کہا۔''آیئے بیٹھئے صاحب! میں اطلاع کرتا ہوں۔'' ملازم جواد کو ڈرائنگ رُوم میں لے گیا۔

چند لمحوں کے بعد قدرت اللہ ہنستا ہوا داخل ہوا۔''اس وقت...... ابھی تو صبح کے نو بجے ہیں۔'' قدرت اللہ نے حیرت سے سامنے کلاک کو دیکھا۔

''میں تمہیں لینے نہیں آیا...... تم سے مشورہ کرنے آیا ہوں......'' جواد نے ایک ہاتھ سے چہرے پر سے بالوں کو ہٹایا۔

''خیریت......؟ پہلے تو تم نے کبھی مشورہ نہیں مانگا۔'' قدرت اللہ ہنس دیا۔

''مذاق چھوڑ دیار...... میں بڑی اُلجھن میں ہوں......'' وہ سنجیدہ ہو گیا۔

''کھل کر بات کر دیار...... یہ پہیلیاں مت بجھواؤ۔'' قدرت اللہ نے آگے جھک کر کہا۔

''وہی ہوا جس کا مجھے ڈر تھا۔'' جواد سرگوشی کے انداز میں بولا۔

''کیا......؟'' قدرت اللہ نے منہ کھولا۔

''بتیاں اُمید سے ہے۔'' جواد بولا۔

''اُمید سے ہے......؟'' قدرت اللہ بھی جیسے چیخا۔

''اب کیا کیا جائے؟ میں تو اس مصیبت کے حق میں نہیں تھا۔'' جواد بغور قدرت اللہ کو دیکھ کر بولا۔

''کچھ تو کرو...... تمہارے ساتھ میری بھی روزی بندھی ہوئی ہے۔'' قدرت اللہ بھی خود پرست ہو گیا...... دولت کے پجاری مل کر ایک قتل کے بارے میں سوچنے لگے...... لیکن جواد نے قدرت اللہ کو حکیم زرداری کے بارے میں بتانا مناسب نہ سمجھا...... بس اس کے علاوہ ہی گفتگو ہوتی رہی۔

چند لمحے ماحول پر سناٹا طاری رہا...... ملازم چائے رکھ گیا تھا۔ لیکن کسی نے بھی چائے بنانے کی جرات نہ کی...... ہوسِ زر کے مالک تخلیقِ قدرت کے اس امر کو ایک عذاب سے کم تصور نہ کر رہے تھے۔

''ایک تو وہ پہلے ہی کام کرنے کے حق میں نہیں ہے۔'' جواد بولا۔

''اور اُوپر سے یہ......'' قدرت اللہ صرف اتنا ہی کہہ سکا۔

''تم نے یہ غلط نہیں کیا کہ مسٹر اچاری سے معاوضہ لے لیا؟'' قدرت اللہ نے یاد کرتے کہا۔

''اکثر معاہدے میں ہی کرتا ہوں...... مجھے کیا معلوم تھا کہ یہ مصیبت گلے پڑ جائے گی...... اور وہ بات نہ مانے گی۔'' وہ جھنجھلا کر کھڑا ہو گیا۔

''اچھا...... ریلیکس کرو یار...... کوئی حل نکل آئے گا...... لو! چائے......'' قدرت اللہ نے چائے کا کپ اُس کو دیا۔

''دراصل چار کروڑ روپے نے مجھے پریشان کر رکھا ہے...... میں بہت روپیہ باہر لگا چکا ہوں...... واپس نہیں کر سکتا۔'' اچانک جواد نے مجبوری ظاہر کر دی۔

''ہوں......'' قدرت اللہ کپ رکھتے سوچنے لگا۔

چند لمحے جواد بھی چائے پیتا رہا...... دونوں اپنی اپنی سوچوں کے گرداب میں ڈوبتے اُبھرتے خاموش چائے پیتے رہے...... کسی نے کوئی بات نہ کی...... اور کلاک نے دن کے دس بجا دیئے...... جواد ایک دم کھڑا ہو گیا......

''آچاری ملا تھا؟'' جواد نے دروازے کی طرف چلتے ہوئے قدرت اللہ سے پوچھا۔

''میں اُس کو ٹال رہا ہوں اِدھر اُدھر کی مجبوریاں بتا کر...... اور وہ جو اُس کا ہیرو ہے نا...... اُسے بڑی جلدی ہے۔'' قدرت اللہ نے کہا۔

''اجے کمار...... ہاں...... اُسے بہت جلدی ہے کام کی...... وہ بہت جلد بتیاں کے ساتھ کام کرنا چاہتا ہے۔'' جواد سنجیدگی سے بولا۔

''خیر...... معاملہ ٹھیک ہو جائے گا...... چند دنوں کے لئے بیماری کا بہانہ لگا دیتے ہیں۔'' قدرت اللہ کو ایک ترکیب ذہن میں آئی۔

''وہ ہیرو کے ساتھ پاکستان بھی آ گیا...... اور ابھی تک لاہور میں ٹھہرا ہوا ہے......'' جواد گاڑی میں بیٹھ گیا۔

''چلو...... میں آ رہا ہوں...... میٹنگ کا ٹائم تو گیارہ بجے ہے......'' قدرت اللہ پلٹتے ہوئے بولا اور جواد نے گاڑی سٹارٹ کر دی......

کئی دنوں سے بتیاں نے کسی فلم کی شوٹنگ میں حصہ نہیں لیا تھا۔ فلم سازوں کا خیال تھا کہ آخری سین ہیں...... صحت یابی کے بعد فلمائے جا سکتے ہیں۔

بار بار بیل ہونے پر بالا چھڑی ٹیکتا باہر کی طرف چل دیا...... دروازہ کھول کر اُس نے پورچ میں دیکھا...... سفید گاڑی کے پاس اجے کمار کھڑا تھا۔

''کس سے ملنا ہے صاحب آپ نے......؟''

''بتیاں سے ملنا ہے...... بہت ضروری......''

''وہ تو اس وقت نہیں ہیں۔'' بالے نے جان بوجھ کے جھوٹ بول دیا۔

''سٹوڈیو نہیں آئیں......'' اجے کمار نے پینٹ کی جیب میں ہاتھ ڈالے۔

''معلوم نہیں جناب...... ناشتے کے فوراً بعد ہی چلی گئی تھیں......'' بالے نے بھی بات میں وزن پیدا کیا...... ''شاید ضروری کام ہو۔''

''ہو سکتا ہے......'' وہ واپس گاڑی میں بیٹھا اور گاڑی پورچ سے نکال لے گیا۔

''بالے......!'' وہ لان میں بیٹھی سرمئی لباس اور سرمئی موسم کا لطف اُٹھا رہی تھی...... یوں وہ بذاتِ خود موسم کا ایک حصہ نظر آ رہی تھی۔

''جی بیگم صاحبہ......؟'' وہ قریب جا کر بولا۔

''کون تھا......؟'' بتیاں نے پوچھا۔

''وہ اجے کمار تھا جناب......!'' بالے نے کہا۔

''اجے کمار...... وہ یہاں کس لئے آیا؟'' وہ کچھ پریشان سی ہو گئی۔

''میں نے اُسے روک دیا...... وہ چلا گیا......'' وہ مسرت بھرے لہجے میں بولا۔

''تم نے کیا کہا......؟'' وہ بغور بالے کے ڈھلکے ہوئے سفید رُومال کو دیکھ کر بولی۔

''میں نے کہہ دیا جی کہ آپ گھر پر نہیں ہیں۔'' وہ فوراً مسکرا کر بولا...... اور جلدی سے رُومال لپیٹ لیا۔

''تم نے میری خاطر جھوٹ بول دیا......؟'' وہ چونک کر بولی۔

''آپ کی خاطر تو میں کچھ بھی کر لوں......؟'' وہ منہ دوسری طرف کرتے بولا۔

''بالے! اِدھر دیکھو......!'' وہ تجسس میں تھی۔

''کیا ہے جی......؟'' وہ مُڑ کر بولا۔

''کپڑا ہٹاؤ...... شاباش......'' وہ مسکرا کر اصرار کرنے لگی۔

''نہیں بیگم صاحبہ...... میں کپڑا نہیں ہٹا سکتا......'' بالے نے چہرے پر ہاتھ رکھا۔

''کیوں......؟'' وہ پُرزور اصرار کے ساتھ بولی۔

''میرا چہرہ ٹھیک نہیں ہے۔'' وہ اب بھی جھوٹ بول گیا۔

''تم جھوٹ بول رہے ہو...... تم صاف ستھرے نوجوان ہو...... جھوٹ مت بولو!'' وہ اپنے الفاظ میں شکوہ کرنے لگی۔

''میں ٹھیک کہہ رہا ہوں...... حوادثِ زمانہ نے میرا چہرہ مسخ کر دیا ہے۔'' وہ پھر بولا۔

''کچھ بھی ہے، میں تمہارا چہرہ دیکھنا چاہتی ہوں...... تمہیں قسم ہے اُس کی جو خدا کے بعد تمہیں عزیز ہے۔'' بتیاں کے پاس صرف یہی حربہ تھا۔

وہ چند لمحے تلملایا...... اب کوئی چارہ نہ تھا...... دوسرے ہی لمحے اُس نے رُومال چہرے سے اُتار دیا...... ''اتنی بڑی قسم دے دی تم نے بتیاں......'' وہ ڈوبتی آواز کے ساتھ بولا۔

''تم...... بالے...... بالے...... میرا بالا......'' وہ بے ساختہ اُس کی طرف بڑھی...... لیکن کچھ خیال آتے ہی اُس کے ہاتھ رُک گئے...... اور اُس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھیگ گئیں۔

''بتیاں...... اب خدارا جھوٹ مت بولنا کہ تم میری بتیاں نہیں ہو...... تم میری بتیاں ہو...... اُس وقت بھی تم میری بتیاں تھیں......'' وہ رُومال پر چہرہ رکھے بری طرح رو دیا۔

''میں اُس وقت بھی تمہاری بتیاں تھیں...... لیکن اِن حالات میں تمہیں کیسے اپناتی؟ میں وہ بتیاں نہیں ہوں جسے تم تلاش کر رہے ہو۔'' وہ سسک اُٹھی۔

''تم میری وہی بتیاں ہو...... میری محبت کا دروازہ۔ اُس وقت سے اب تک ہمیشہ کھلا رہے گا...... تم میری ہو...... میری بتیاں......'' وہ بڑی بے قراری سے بولا۔

''میں تمہارے قابل نہیں ہوں بالے...... تم بہت بڑے ہو......'' وہ ندامت بھرے انداز میں بولی۔

''نہیں...... ایسا نہیں کہنا...... تم وہی بتیاں ہوں...... معصوم، پوتر، بے گناہ......'' بالا بُری طرح رو دیا۔

''بالے...... میں گناہ گار ہوں...... میرا گناہ بہت بڑا ہے......'' وہ بھی رو دی...... جی تو اس وقت بھی چاہا کہ اپنے آپ کو بالے کی آغوش میں دفن کر لے...... اور تڑپ تڑپ کر اپنی بے گناہی ثابت کر دے...... بالے...... میں کیا تھی اور اب تم مجھے کس حالت میں دیکھ رہے ہو......

"ایسا کوئی خیال ذہن میں مت لاؤ...... تم ہیرا تھیں...... اور ہیرا، ہیرا ہی رہتا ہے۔ چاہے وہ کسی تعفن زدہ جگہ میں گر جائے...... اور تم تو انمول ہو...... تم جیسا کوئی نہیں بتیاں......" شدید محبت کے ناطے بالے نے کہا۔

"او بالے......! رمضانی بابا کب سے تمہیں بلا رہا ہے...... چل! جا کر سبزی بنا اُس کے ساتھ۔" ہاتھ میں فروٹ کی ڈش پکڑے صابراں لان میں آئی۔

"جا رہا ہوں......" وہ واپس پلٹا۔

"بیگم صاحبہ! پھل کھائیں۔ طاقت آئے گی۔" وہ بتیاں کے سامنے ڈش رکھتے بولی۔

"صابراں...... تم میرا کتنا خیال رکھتی ہو۔" تیاں نے پلیٹ کو بغور دیکھا جس میں مختلف قسم کا فروٹ پھانکیں بنا کر رکھا ہوا تھا۔

"ہمارا فرض بنتا ہے بیگم صاحبہ...... مالک خوش تو ہم بھی خوش......" وہ ہنس دی۔ اور بتیاں بھی مسکرا دی۔

"بالا کوئی سبزی بنا لیتا ہے کہ نہیں......؟" بتیاں نے پوچھا۔

"ہاں جی...... بابا رمضانی کہتا تھا سبزی بنا بھی لیتا ہے...... کوئی کوئی سالن بھی بنا لیتا ہے...... دیکھو جا کر...... دیکھیں نا بیگم صاحب جی...... چل کیسے رہا ہے...... ہولی ہولی......"

بتیاں ہنس دی اور صابراں تیز رفتاری سے بالے کے پاس پہنچ گئی۔

"ذرا تیز ہو جا...... صاحب آنے والا ہے......" صابراں اُس کے ساتھ ہم قدم ہوتے بولی۔

"زہر لگتا ہے تمہارا صاحب......" وہ بے ساختہ نفرت سے بولا۔

"ہائے میں مری...... صاحب کو کہہ رہا ہے...... عقل کر بالے......" صابراں نے ایک ٹھوکا بالے کے کندھے پر مارا......

"اور کیا...... مجھے ایسے بندے اچھے نہیں لگتے۔" وہ چلتے چلتے بولا۔

"اُن دونوں کا معاملہ ہے...... ہم کون ہوتے ہیں بولنے والے...... جو مرضی کریں۔" صابراں حسب عادت ہاتھ نچا کر بولی۔

"چاہے وہ کچا کھا جائے......؟" بالا پھر بولا۔

"ہائے ہائے...... کچا کھائے دشمنوں کو...... بیگم صاحبہ تو بڑی اللہ والی ہیں۔" صابراں نے کہا۔

"آنٹی صابراں! میں بھی یہی کہہ رہا ہوں کہ صاحب کا رویہ بیگم سے اچھا نہیں ہے۔" بالے نے سرگوشی کی۔

"ہاں بالے...... تو ٹھیک کہتا ہے...... صاحب تو بیگم کا سجن نہیں......"

"سجن...... کیا مطلب ہے تمہارا آنٹی صابراں......؟" بالے کو حیرت ہوئی۔

"جتنے معاہدے کرتا ہے نا کروڑوں کے...... خود ہی باہر باہر سے رقم ہتھیا لیتا ہے۔ اگر بیگم صاحبہ کا اپنا پیسہ جمع نہ ہوتا تو یہ تو فقیر کر دے بیگم کو۔" صابراں بولی۔

"مجھے تو یہ کام ہی اچھا نہیں لگتا۔" بالا ناگواری سے بولا۔

"اُن کا شوہر کرواتا ہے...... ہم کون ہوتے ہیں بولنے والے۔" صابراں اور بالا کچن میں داخل ہو گئے۔

"کتنا بے غیرت ہے...... بیوی کے روپے پر بپھرا پھر رہا ہے۔" وہ دل میں سوچنے لگا۔

"بالے! مٹروں میں سے دانے نکال دے...... میں قیمہ بنا لوں......" بابا بولا۔

"قیمہ بھون لے بابا...... میں بالے کے ساتھ سبزی بنا دیتی ہوں۔" صابراں بالے کے ساتھ مٹر کی پھلیوں میں سے دانے نکالنے لگی......

خدا خدا کر کے جتنی بھی فلمیں شروع تھیں اُن کو اختتام تک پہنچا کر بتیاں نے بوجہ بیماری معذرت کر لی...... کہ اب طبیعت ٹھیک ہو گی تو کام ہو گا۔ تا حال کوئی ارادہ نہیں ہے۔ فلمسازوں نے جب یہ جواب سنا تو فلمی حلقوں میں عجیب عجیب قسم کی چہ مگوئیاں ہونے لگیں۔

بہت سے فلم ساز جو یہ چاہتے تھے کہ بتیاں اُن کی فلم میں کام کرے...... بتیاں کے ڈرائنگ رُوم میں اُن کا تانتا بندھ گیا......

"آپ نے فلم انڈسٹری کو خیر باد کہہ دیا......؟" ایک بہت بڑے فلم ساز ایس سلیمان نے کہا۔

"خیر باد تو نہیں کیا...... میں دراصل اپنی پوری توجہ اپنے گھر پر دینا چاہتی ہوں۔" بڑی لاپرواہی سے ساڑھی کا پلو سینے پر پھیلاتے بتیاں نے کہا۔

"پھر بھی کتنا عرصہ......؟" دوسرے مشہور و معروف فلم ساز نے پوچھا۔

"وہ بھی میں کچھ نہیں کہہ سکتی...... سب حالات پر منحصر ہے۔" وہ مسکرا دی۔

"جواد صاحب پسند نہیں کرتے......؟" ایک اخبار نویس نے سوال کیا۔

''نہیں...... میرے کسی کام میں جواد صاحب کی رکاوٹ نہیں ہے...... میری اپنی مجبوریاں ہیں۔

تیسرے دن یہ خبر تمام اخباروں میں چھپ گئی کہ ملک کی نامور گلوکارہ اور اداکارہ کا فلم انڈسٹری کو خیر باد...... فلمی حلقوں میں تہلکہ...... اخبار نویسوں کا بتیاں کی کوٹھی میں جمگھٹا......

اخبار پر نظر پڑتے ہی مسٹر آچاری نے اخبار کو میز پر رکھا اور ڈرائیور کو آواز دی۔

''وشواناتھ...... گاڑی نکالو! مجھے ابھی اسی وقت جواد سے ملنا ہے۔''

وشواناتھ نے سر جھکایا اور گاڑی نکالنے چل دیا...... اور آدھے گھنٹے کے بعد مسٹر آچاری بتیاں کی کوٹھی پہنچ گئے۔

''جناب! مسٹر آچاری آئے ہیں۔'' ملازم نے آ کر کہا۔

''چلو...... آرہا ہوں۔'' جواد نے تلملا کر سامنے پُرسکون کسی رسالے کی ورق گردانی کرتے بتیاں کو دیکھا۔

''تم نے کس مصیبت میں ڈال دیا ہے......؟'' وہ ترشی سے بولا۔

''کیا ہوا......؟''

''ابھی کچھ نہیں ہوا...... سارے پاکستان میں یہ بات مشہور ہوگئی ہے کہ تم نے فلم انڈسٹری چھوڑ دی ہے۔'' وہ ایک دم کھڑا ہوگیا۔

''اس میں اس قدر تلملانے کی کون سی بات ہے......؟'' وہ اب خاصی نڈر ہو چکی تھی۔ یا زمانے نے اُسے بنا دیا تھا۔

''تم نے مجھ سے مشورہ لیا......؟'' وہ ایک اور بہانہ بنا کر بولا۔

''یہ معاملہ میری ذات سے تعلق رکھتا ہے...... تم سے کیوں پوچھتی؟'' وہ لاپرواہی سے دوسرے رسالے کو اُٹھا کر بولی۔

''میں شوہر ہوں تمہارا...... ہر کام میرے ایما پر ہونا چاہئے۔'' وہ غرایا۔

''میں تمہاری بیوی ہوں...... لونڈی نہیں۔'' وہ زور سے رسالہ رکھتے بولی۔

''اپنی زبان قابو میں رکھو!'' وہ قالین پر پاؤں مارتا ڈرائنگ رُوم کی طرف بڑھ گیا۔

...... یہ شخص مصیبت بنتا جا رہا ہے...... وہ تھکے تھکے انداز میں صوفے کی پشت سے ٹیک لگا کر سوچوں کی اتھاہ گہرائیوں میں اُتر گئی۔

پشیمان سا جواد ڈرائنگ رُوم میں داخل ہوا......

''آچاری صاحب آپ...... زہے نصیب...... میں تو خود آپ سے ملنا چاہتا تھا۔'' وہ بظاہر ہنستا ہوا مصافحہ کر کے آچاری صاحب کے پاس ہی بیٹھ گیا۔

''کوئی اُمید بندھی جواد صاحب......؟ یقین کیجئے میں تو واپس بھی نہیں جا سکتا...... سب کام مکمل ہونے کے باوجود بھی فلم......''

''آپ فلم کے بارے میں پریشان نہ ہوں...... بتیاں کی طبیعت جب ٹھیک ہوئی، وہ فوراً آپ کی گنگا جل میں کام کرے گی۔'' جواد نے جھوٹ کا ایک اور طریقہ اختیار کیا۔

''لیکن میں تو کچھ اور ہی سن رہا ہوں۔'' مسٹر آچاری نے صوفے پر پہلو بدلا۔

''آپ نے غلط سنا ہے...... تسلی رکھئے!'' جواد ہنس دیا۔

''اور یہ اخبار نویس......؟'' مسٹر آچاری پیشانی کی تیوریاں چڑھا کر بولے۔

''اخبار نویس تو ہوتے ہی جھوٹے ہیں...... بڑھا چڑھا کر خبریں شائع نہ کریں تو اخبار کون لے......؟ بزنس جو ہوا اُن کا۔'' جواد نے اپنے الفاظ میں ایسی صداقت پیدا کی کہ مسٹر آاری کو کچھ کچھ یقین آنے لگا۔

''بائی دی وے...... بتیاں کو تکلیف کیا ہے؟'' مسٹر آچاری نے تشویش بھرے انداز میں پوچھا۔

''ڈاکٹر حضرات نے دل کی گھبراہٹ بتائی ہے۔ علاج جاری ہے۔'' جواد پیچھا چھڑانا چاہتا تھا۔

''ملک سے باہر لے جائیے!'' مسٹر آچاری نے مشورہ دیا۔

''نہیں نہیں...... ایسی کوئی خاص بیماری نہیں...... یوں ہی ریسٹ کی ضرورت ہے۔''

''دیکھئے جواد صاحب...... ہم نے مل کر پورے معاہدے کئے ہیں...... میری گنگا جل صرف بتیاں ہی مکمل کرے گی...... میں بھارت میں بتیاں کو ہیروئن بنا کر پیش کرنا چاہتا ہوں۔'' مسٹر آچاری کھڑے ہوتے ہوئے بولے۔

''آچاری صاحب...... اپنے من کو اندیشوں سے پاک کیجئے۔'' جواد نے آچاری کو پھر پوری طرح یقین دلایا۔ اور مسٹر آچاری اُمید کی ڈور تھامے گاڑی میں بیٹھ گئے۔

ٹرن ٹرن...... وہ واپس برآمدے میں آیا ہی تھا کہ ایک دم چونکا۔ جیب سے موبائل نکالا......

''جناب! دوائی تیار کیے دو دن ہو گئے...... ضرورت ہے کہ نہیں......؟'' دوسری طرف سے حکیم زرداری کی آواز آئی۔

''میں آ رہا ہوں...... آپ تیار رکھئے۔''

''پہلی پڑیاں دے ڈالیں؟'' حکیم زرداری نے پوچھا۔

''جی ہاں...... رات سونے سے پہلے دُودھ میں ڈال دی تھیں...... اور تین روز تو ہو گئے۔'' وہ منہ بہت قریب کر کے سرگوشیانہ انداز میں بولا۔

''بس! اب صرف ایک کی ضرورت پڑے گی...... خود آ جایئے......''

''آ رہا ہوں۔'' اِدھر اُدھر دیکھ کر جواد نے موبائل جیب میں ڈال لیا۔

دروازے کی اوٹ میں چند فقرے تو بتیاں نے بھی سن لئے...... لیکن اُسے سمجھ نہ آ رہی تھی کہ معاملہ کیا ہے......

کھانے سے فارغ ہو کر بتیاں نے چند قدم چہل قدمی کی...... پھر اپنے کمرے میں آ کر لیٹ گئی...... جواد پہلے سے ہی لیٹا ہوا تھا...... کچھ دنوں سے وہ بتیاں سے زیادہ بات چیت نہیں کرتا تھا...... بتیاں نے بھی زیادہ بلانا مناسب نہ سمجھا...... وہ خاموش لیٹ گئی۔

دروازے پر دستک ہوئی۔

''کون......؟'' بتیاں نے پوچھا۔

''دُودھ لے آؤں بیگم صاحبہ......؟'' پردے کی اوٹ سے ہی صابراں نے کہا۔

''لے آؤ......!'' اُس نے کہا۔

تھوڑی ہی دیر کے بعد صابراں نے دُودھ کا گلاس ڈھانپ کے بتیاں کے پاس تپائی پر رکھ دیا۔

بتیاں اُٹھی اور واش رُوم میں چلی گئی۔ جواد نے دیکھا کہ میدان صاف ہے...... اپنے بٹوے میں سے پڑیا نکالی اور بغیر آواز کیے دُودھ میں ڈال دی...... دوائی کی خاصیت تھی کہ فوراً خود بخود ہی حل ہو جاتی تھی۔

معمولی سی آہٹ ہوئی اور بتیاں نے دروازے کی اوٹ سے سب کچھ دیکھ لیا تھا...... یہ شخص تین دن سے یہی دوائی کھلاتا رہا ہے...... وہ دیکھنا چاہتی تھی کہ دوائی کیا ہے...... چنانچہ نظر بچا کر دُودھ بیڈ کے نیچے قالین پر پھینک دیا اور گلاس رکھ کر لیٹ گئی۔

صبح مؤذن کی اذان ہوئی......

جواد باتھ رُوم میں چلا گیا...... بتیاں اسی ٹوہ میں تھی۔ جلدی سے اُٹھی اور جواد کے بٹوے میں سے دو عدد پڑیاں اور موجود دیکھیں۔ اُس نے دونوں پڑیاں نکال لیں...... اور پُرسکون انداز میں لیٹ گئی۔

وہ نظریں چرا کر دیکھتی رہی...... وہ غسل کرنے کے بعد اچھی طرح پُرسکون انداز میں تیار ہوا...... اپنے بدن کو قیمتی پرفیوم سے مہکایا...... بتیاں نے دیکھا اُس کے چہرے پر عجیب قسم کی طمانیت تھی...... وہ مطمئن نظر آ رہا تھا...... مکمل تیاری کے بعد اُس نے نوٹوں سے بھرا ہوا بٹوہ اُٹھایا اور بریف کیس اُٹھا کر لے جانے لگا......

''ناشتہ نہیں کرو گے......؟'' بتیاں نے اُٹھتے ہوئے کہا۔

''نہیں......'' وہ پلٹ کر خفگی بھرے انداز میں بولا۔

''کیوں...... ناشتہ بن رہا ہے۔'' وہ پھر بولی۔

''نہیں...... اِن حالات میں ناشتہ...... میرا اِس گھر میں داخل ہونے کو جی نہیں چاہتا۔'' وہ اپنے پرانے لہجے کو بروئے کار لاتے بولا۔

''اسی لئے باہر رہتے ہو......؟'' وہ مسکرا دی۔

''یہی سمجھ لو......'' جواد نے کہا اور دروازہ کھول کر نکل گیا۔

......تم کس قدر کٹھور نکلے ہو جواد! تم نے کتنی مرادوں سے خانم جان کی منتیں کرنے کے بعد میرے ساتھ شادی کی تھی...... وہ عورت مجھے محفوظ ہاتھوں میں دے کر بیرونِ ملک جانا چاہتی تھی...... کاش خانم جان...... آپ دیکھتیں کہ یہ شخص وہی ہے جس کے ہاتھ میں میرا ہاتھ اس لئے دیا تھا کہ یہ شریف آدمی ہے...... اپنے باپ کی طرح نہیں ہے...... وہ سسک کر دیوار پر خانم جان کی قد آدم تصویر دیکھ کر رو دی۔

دروازہ کھلا اور صابراں داخل ہوئی۔ ''بیگم صاحب جی ناشتہ لے آؤں......؟''

''صابراں! میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے...... میں ناشتہ نہیں کروں گی۔'' وہ دوبارہ کمزور سی لیٹ گئی۔

''بیگم صاحب جی! آپ تو پیلی پھٹک ہو رہی ہیں...... دودھ ہی پی لیں۔'' صابراں نے بغور دیکھا۔

''چلو! گرم گرم آدھا گلاس لے آؤ......'' وہ ایک آہ کے ساتھ لیٹ گئی۔

صابراں بھاگنے کے انداز میں کچن میں گئی اور جلدی سے چینی ڈال کر گلاس میں

ڈودھ لے آئی...... ’’لیں جی...... اللہ آپ کو صحت دے۔‘‘

بتیاں نے اُس کے ہاتھ سے گلاس پکڑ لیا۔

’’بیگم صاحب جی...... طبیعت زیادہ خراب ہے تو ڈاکٹر کے پاس چلیں......‘‘ صابراں نے کہا۔

’’نہیں...... ٹھہر کے چلیں گے۔ میں کسی لیڈی ڈاکٹر کے پاس جانا چاہتی ہوں۔‘‘ وہ تھکے تھکے انداز میں بولی۔

’’ٹھیک ہے جی......‘‘ وہ جانے کے لئے پلٹی۔

’’تم لوگ ناشتہ کرلو...... بالے کو بھی بلا لینا......‘‘ وہ کہتے ہی پلنگ کی پشت سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئی۔

’’ٹھیک ہے جی۔‘‘ وہ باہر نکل گئی۔ ’’رمضانی بابا...... بالے...... آ! ناشتہ کریں......‘‘ وہ ڈائننگ ٹیبل میں جاتے بولی۔

’’ادھر کروگی ناشتہ......؟ رمضانی بابا کچن میں ہے۔‘‘ ڈرائیور نے راستہ سے گزرتے ہوئے کہا۔

’’تو پاگل ہے فتح دین...... صاحب چلے گئے...... بیگم لیٹی ہوئی ہیں۔ اُنہیں صرف ڈودھ دے آئی ہوں...... ہم یہاں کر لیتے ہیں...... بالے! آ جا...... جلدی آ جانا!‘‘ وہ بالے کو آواز دیتے بولی...... سب نوکر اُس کی آواز پر اکٹھے ہو گئے۔

’’چلو! کرو ناشتہ......‘‘ وہ سب کے لئے چائے بنانے لگی۔

’’مروا نہ دینا کہیں......‘‘ رمضانی بابا ہنس دیا۔

’’تو آج ٹیبل پر بیٹھ کر جی بھر کے ناشتہ کر...... بیگم بیچاری نے کیا کہنا۔‘‘ وہ ڈبل روٹی پر مکھن لگا کر بولی۔

’’آنٹی صابراں...... بیگم کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے......؟‘‘ بالا افسردگی سے بولا۔

’’ہاں...... جلدی ناشتہ کر لے فتح دین! لیڈی ڈاکٹر کے پاس جانا ہے۔‘‘ وہ فتح دین کے سامنے انڈے رکھتے ہوئے بولی۔ ’’رمضانی بابا...... انڈہ لے لے......‘‘ وہ رمضانی بابا کو دیکھ کر بولی جو حلق میں چائے اُتار رہا تھا۔

’’نہیں...... بس! چائے کے ساتھ پراٹھا کھا لیا ہے...... اور کچھ نہیں کھاؤں گا۔‘‘

’’واہ رمضانی بابا...... اپنی اوقات نہ بدلیو۔‘‘ صابراں کی اس بات سے سب نوکر ہنس

دیئے۔

حسبِ منشا سب نے خوب سیر ہو کر ناشتہ کیا اور برتن سمیٹ کر اپنے اپنے کام میں لگ گئے۔

’’بتیاں...... تمہیں کیا ہے...... باہر نہیں آئی......؟‘‘ بالا اندر داخل ہوتے ہوئے بڑے افسردہ لہجے میں بولا۔

’’ٹھیک ہوں...... تو کیوں افسردہ ہے...... بیٹھ جانا!‘‘ وہ مسکراتے ہوئے بالے کو اپنے قریب صوفے پر اشارہ کرتے بولی۔

’’نہیں۔ یہاں قالین پر بیٹھ جاتا ہوں۔‘‘ وہ اُس کی پٹی کے پاس چھڑی رکھ کر بولا۔

’’ہرگز نہیں...... یہاں بیٹھ! تجھے معلوم ہے میں کب پسند کرتی ہوں کہ کوئی اس طرح بیٹھے...... آ جا...... یہاں بیٹھ!‘‘ وہ مسکراتے ہوئے اپنے پاس اشارہ کرتے بولی۔

’’صاحب آ گیا تو......؟‘‘ وہ بیٹھتے ہوئے بولا۔

’’کچھ نہیں ہوتا...... تو ایسے ہی دل میں وہم لے آتا ہے۔‘‘ وہ خود بھی بیٹھ گئی۔

’’تو مجھے بیمار لگتی ہے......‘‘ بالے نے بڑے غور سے بتیاں کے زرد چہرے کو دیکھا۔

’’میں تو ٹھیک ہوں...... بس ذرا جواد کی وجہ سے پریشانی ہے۔‘‘ وہ بولی۔

’’یہ صاحب کیوں ایسا سلوک کرتا ہے...... تو، تو بڑی اچھی ہے......‘‘ بالے نے والہانہ نظریں بتیاں کے چہرے پر ڈالیں۔

’’کیا معلوم...... میں صاحب کی نظر میں کتنی بری ہوں۔‘‘ وہ کہتے ہوئے پژمردہ سی ہو گئی۔

’’میں جانتا ہوں تو کیوں بری ہے...... اُس کی مرضی کے مطابق کام جو نہیں کرتی۔‘‘ وہ بولا۔

’’مجھے اب کام اچھا نہیں لگتا...... بچپن سے لے کر یہی کام کرتے میں اب تنگ آ گئی ہوں...... مجھے اس بھاگ دوڑ سے نفرت ہو گئی ہے۔‘‘ نقاہت بھرے انداز میں بتیاں نے ٹیک لگا لی۔

’’بس! اب آرام کر...... سکون سے رہ...... کیا ضرورت ہے تجھے کام کرنے کی؟‘‘ وہ بڑی چاہت سے بولا۔

بتیاں ہنس دی...... ’’تیری باتیں وہی ہیں...... ذرا نہیں بدلا تو......‘‘

"تو کون سا بدلی ہے؟ ویسی ہی کومل بھولی بھالی...... صرف بات بات میں جھگڑتی نہیں ہے...... تو مجھ سے جھگڑا کیا کرا!" بالے کی اس بات سے بتیاں کھلکھلا کر ہنس دی۔ بالا بھی ہنس دیا۔

"بالے!" وہ بغور معنی خیز انداز میں دیکھ کر بولی۔ بالا اُس کی طرف ہی دیکھ رہا تھا۔

"اب مجھے چھوڑ کر نہیں جانا...... بے شک میں تمہارے قابل نہیں ہوں۔" بتیاں کی بڑی بڑی ویران آنکھوں میں حسرت سی جاگ اُٹھی۔

"ایسی جلانے والی باتیں مت کر بتیاں...... تیرے جلووں کی قسم...... میری محبت میں ایک شمہ بھی فرق نہیں آیا...... تم وہی ہو جو دس سال پہلے تھی...... میں تم سے اب بھی اتنی ہی محبت کرتا ہوں۔" انتہائی والہانہ محبت و اپنائیت کی نظریں بالے نے بتیاں کے چہرے پر ڈالیں۔

"تم نے میرے پاس ہی رہنا ہے بالے...... کہیں نہیں جانا...... تمہیں پا کر تحفظ کا احساس ہو رہا ہے...... یوں لگتا ہے جیسے میں اب تک بیگانوں میں رہ رہی تھی...... تم میرے اپنے ہو۔" وہ بڑی اپنائیت سے اُسے دیکھ کر بولی۔

"میں تمہیں کیسے چھوڑ کر چلا جاؤں......؟ تمہیں پانا ہی میری زندگی کا حاصل تھا...... نہ جانے کہاں کہاں کی خاک چھانی ہے میں نے...... خدا بھلا کرے اُن لوگوں کا جنہوں نے یہاں پہنچا دیا۔" وہ کھڑا ہو گیا۔

"بیٹھو نا......!" وہ بولی۔

"اب جاؤں گا...... ہو سکتا ہے رمضانی بابا کو کوئی کام ہو۔"

"اے بالے...... چل فوارے کے پاس...... دانہ ڈال دے بطخوں کو۔" صابراں اندر آتے بولی۔

"جا رہا ہوں......" وہ دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

"صابراں......" بتیاں نے جاتی ہوئی صابراں کو آواز دی۔

"جی بی بی صاحب......؟" صابراں واپس آ گئی۔

"ایک کام کر...... کسی کو پتہ نہ چلے۔" بتیاں نے تکیے کے نیچے سے پڑیاں نکالیں۔

"سو کام کروں گی جی آپ کے...... آپ حکم تو کریں۔" صابراں مؤدب انداز میں بچھ ہی گئی۔

"یہ پڑیاں ہیں...... ان کو ڈاکٹر گل زیب کے پاس لے جا...... میرا نام لینا اور پوچھنا کہ یہ کس قسم کی دوائی ہے؟" بتیاں نے ایک کاغذ میں لپٹی پڑیاں صابراں کو دیں۔

"ٹھیک ہے جی......؟"

"اور ہاں...... یہ پیسے لے...... ٹیکسی لے لینا...... گاڑی میں اِس طرح ڈرائیور کو تشویش ہو گی۔" وہ نوٹ پکڑاتے ہوئے بولی۔

"رہنے دیں جی...... اتنے تو میرے پاس ہیں پیسے۔" صابراں انکار کرتے بولی۔

"نہیں...... لے لو تم...... کوئی بات نہیں...... جلدی آنے کی کوشش کرنا۔"

"ٹھیک ہے بیگم صاحبہ جی......" اُس نے کہا اور چادر لئے گیٹ سے نکل گئی۔

☆☆☆

شام ہوتے ہی بتیاں کی حالت دگرگوں ہوگئی...... اور جب صابراں نے آکر یہ بتایا کہ ڈاکٹر گل زیب نے کہا ہے کہ یہ گولیاں تو منصوبہ بندی کی ہیں...... ایک پڑیا سے ہی کام بن جاتا ہے...... بلکہ موت بھی......

''بیگم صاحب جی...... آپ نے تو کہیں......'' صابراں کی رُوح قبض ہوگئی۔ کیونکہ بتیاں کی حالت یہی بتا رہی تھی کہ اُس نے یہ پڑیاں کھائی ضرور ہیں۔

''نہ جانے میں کتنے دن کھاتی رہی ہوں۔ بلکہ کھلا دی ہیں۔'' وہ نحیف سی لیٹ گئی۔

''بیگم صاحب جی...... بیگم صاحب جی...... صاحب آگئے۔'' صابراں نے اندر آتے جواد کو دیکھ کر کہا۔

''تم جاؤ......!'' بتیاں نے صابراں کو جانے کا اشارہ کیا۔

''طبیعت ٹھیک ہے تمہاری......؟'' جواد اندر آتے بولا۔

''یہ پوچھو! کہ میں ابھی تک زندہ ہوں...... آستین کے سانپ...... تم نے ڈس لیا...... تمہارے زہر نے مجھے کہیں کا نہیں چھوڑا...... تمہارا ڈسا پانی نہیں مانگتا۔'' وہ تڑپ کر اُٹھی اور جواد کا سینہ پیٹ ڈالا۔

''کیا کہہ رہی ہو......؟'' وہ اپنے آپ کو چھڑانے کی ناکام کوشش کرنے لگا۔ لیکن بتیاں کے کمزور ہاتھوں میں انتقام کی طاقت عود آئی تھی۔

''یہ تم نے کیا کیا ظالم...... تم نے کیوں مجھے قتل کیا...... کیوں تم نے اپنا خنجر مجھ پر آزمایا......'' وہ بری طرح چمٹ گئی......

''کیا کرتی ہو...... چھوڑو......''

''نہیں چھوڑوں گی...... میں تمہارا خون پی لوں گی...... خود پرست...... دولت کی ہوس میں تو نے مجھے مار دیا۔'' وہ دیوانوں کی طرح دونوں ہاتھوں سے جواد کے سینے اور چہرے کو پیٹنے لگی......

''بتیاں...... پاگل ہوگئی ہو......؟'' جواد نے ایک زوردار دھکا دیا اور وہ دُور قالین پر لڑھکتی ہوئی گری۔

اس کے ساتھ ہی آواز سن کر بالا اور صابراں داخل ہوئے...... ''صاحب جی! یہ کیا کیا آپ نے؟'' صابراں صرف اتنا ہی کہہ سکی۔

''صاحب جی...... آپ نے بیگم کو مارا...... کیوں......؟'' جب برداشت نہ ہوسکا تو بالا جواد کے سامنے ہوگیا۔

''بکواس نہ کرو......'' معاملہ بگڑتا دیکھ کر جواد نے بریف کیس اُٹھایا اور تیز رفتاری سے باہر کی طرف بھاگا......

بتیاں بے ہوش ہوچکی تھی......

''گاڑی نکالو بابو...... بیگم کی حالت ٹھیک نہیں ہے۔'' صابراں اور بالے نے اُٹھا کر بتیاں کو گاڑی میں ڈالا......

''رمضانی بابا! گھر کا خیال رکھیو......'' جاتے جاتے صابراں اُونچی آواز میں چلائی۔

''خان بابا بھی ہے...... تم بیگم صاحب کو خیریت سے لانا......'' چوکیدار جو ڈیوٹی پر آگیا تھا اُونچی آواز میں بولا۔

گاڑی پوری سپیڈ کے ساتھ شہر کے بہت بڑے ہسپتال میں داخل ہوئی...... بتیاں کی حالت انتہائی خراب تھی...... جاتے ہی فوراً ایمرجنسی وارڈ میں لے جایا گیا......

بالا اور صابراں دیوانوں کی طرح باہر اِدھر اُدھر ٹہلتے خدا سے دُعائیں کرتے رہے۔

چار گھنٹوں کی مسلسل کوشش کے بعد ڈاکٹر گل زیب باہر آئی......

''بیگم کیسی ہے ڈاکٹر صاحبہ......؟'' صابراں بے چین مضطرب پاس آگئی۔ اور بالا دُکھ اور کرب کے ساتھ دیوار سے ٹیک لگائے روتا رہا۔

''خدا نے تمہاری بیگم کو بچا لیا ہے...... لیکن بچے کو نہیں بچایا جا سکا...... وہ دوائی کھانے کے بعد تو عورت بھی زندہ نہیں بچتی...... حیرت ہے...... اتنی سمجھدار ہونے کے باوجود آپ کی بیگم نے ایسا کیوں کیا......؟'' ڈاکٹر گل زیب حیران تھی۔

''بیگم نے ایسا نہیں کیا...... دھوکہ ہوا اُن کے ساتھ......'' صابراں نے آنکھیں صاف کیں۔

''دھوکہ......؟'' ڈاکٹر کی تیوریاں چڑھ گئیں۔

"یہ تو بیگم خود بتائیں گی۔" صابراں نے کہا۔

"ڈاکٹر صاحب.....ہم دیکھ سکتے ہیں.....؟" بالے نے پوچھا۔

"نہیں.....تھوڑی دیر کے بعد۔"

"ڈاکٹر صاحب.....جلدی چلئے.....مریض کو دو بوتل خون کی ضرورت ہے۔" نرس نے آ کر بڑی عجلت سے کہا۔

"ہمارا خون لے لیجئے ڈاکٹر صاحب..... ہماری بیگم ٹھیک ہو جائے۔" تینوں نے ایک ساتھ کہا۔

"جس کا گروپ ملے گا اُسی کا لیا جائے گا۔ نرس! ان کو لیبارٹری میں لے جاؤ..... ٹیسٹ کرالاؤ....."

"یس سر.....!" نرس نے کہا اور اُن تینوں کو لیبارٹری میں لے گئی۔

خدا کا کرشمہ بابو اور صابراں کا گروپ اور نکلا اور بالے کا گروپ وہی نکلا جو بتیاں کا تھا۔

"بلال! تمہارا گروپ ٹھیک ہے.....اور صحت مند بھی۔" ڈاکٹر نے اُسے لٹا کر کہا۔

"میرے بدن کا آخری قطرہ نچوڑ لیجئے ڈاکٹر صاحب..... لیکن بتیاں کو زندہ رہنا چاہئے۔" بالے نے بڑی آس سے دیکھا۔

"دُعا کرو.....!" ڈاکٹر نے ایک بوتل بالے کے جسم سے نکال لی۔

"ڈاکٹر صاحب.....دوسری بھی نکال لیجئے نا!" وہ اصرار کرنے لگا۔

"ارے نہیں یار.....تمہیں اپنی مالکن سے اس قدر محبت ہے....." ڈاکٹر ہنس کر بوتل نرس کو دیتے ہوئے بولا۔

"وفا کا تقاضہ ہی یہی ہے ڈاکٹر صاحب!" بالے نے مسکرا کر مگر دُکھی لہجے میں کہا۔

"گڈ.....تم اپنے آپ کو تیار رکھو.....ویسے کوشش کریں گے کہ باقی کی میڈیسن سے پوری کی جا سکے....." ڈاکٹر بالے کے بعد کمرے سے نکل گیا۔

شب کے دو بج چکے تھے..... نرس نے آ کر کہا۔ "تم لوگ مل سکتے ہو.....تمہارا مریض ہوش میں ہے۔"

"آ جا بالے....." صابراں نے بالے کو آواز دی۔

بابو، بالا اور صابراں ایک ساتھ کمرے میں داخل ہوئے.....

"بیگم صاحب جی.....اللہ کا شکر ہے۔" صابراں نے دُعا کے لئے ہاتھ اُٹھائے۔

بے چین اور مضطرب بالے نے بتیاں کے سر پر ہاتھ رکھ دیا.....اُس کے بس میں ہوتا تو وہ اپنی پوری جان اُس میں سمو دیتا.....

"بابو! بازار سے کھانا لے آ..... بڑی بھوک لگ گئی....." صابراں نے دیکھا شب کے دو بج چکے تھے۔

"ابھی لایا....." بابو نے کہا اور چلا گیا۔

"اور سن ارمضانی بابا کو فون کر دینا کہ بیگم صاحب جی اب خطرے سے باہر ہیں۔"

"اچھا.....!" بابو نے پلٹ کر کہا اور باہر نکل گیا۔

"جواد.....تم سے اچھے تو میرے یہ ملازم ہیں.....جنہوں نے ہر دُکھ میں میرا ساتھ دیا ہے..... جواد! تم انسان نہیں بھیڑیے ہو.....تم کس حالت میں میرے پاس آئے تھے.....تمہیں زندہ رہنے کا شعور دینے کی سزا تم نے یہ دی.....تم ناگ بن کر ہر بار ڈسنے کے بعد دوسرا زہر تیار کرنے لگے.....تم انسان نہیں.....سانپ ہو.....سانپ ہو تم..... ہر یاد کے ساتھ اُس کا سینہ جل اُٹھتا..... بالا خاموش اُسے دیکھتا رہا۔ صابراں ایک کونے میں رکھے صوفے پر اونگھ رہی تھی.....

نرس کمرے میں داخل ہوئی۔ "کیسی ہیں آپ.....؟" نرس نے مسکرا کر بتیاں کے بازو پر انجکشن لگایا۔

"خدا کا شکر ہے نرس....." بتیاں نے مسکرا کر جواب دیا۔

"آپ یہ کا ملازم تو اپنا سارا خون دینے کو تیار تھا....." نرس نے بالے کی طرف اشارہ کیا اور سوئی نکال کر قمیض کا بازو نیچے کیا.....

"یہ ملازم نہیں ہے نرس.....میرا کزن ہے.....تایا زاد ہے میرا....." بتیاں نے کھلم کھلا اعلان کر دیا۔

"اسی وجہ سے گروپ مل گیا.....ورنہ مشکل ہو جاتی....." نرس جاتے جاتے بولی۔

"بتیاں.....یہ کیوں کہہ دیا.....؟" بالے نے بتیاں کے بال سنوارے۔

"کیوں نہ کہوں..... میں اپنے خون کو جدا کروں.....ایک تم ہی تو ہو جس کو اپنا کہہ سکتی ہوں....." بتیاں نے بالے کے ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں پکڑ لیا۔

اسی اثنا میں فتح دین کھانا لے کر داخل ہوا..... "صابراں! کھانا کھا لے۔"

"آنٹی صابراں...... اُٹھ بھی جا......!" بالے نے آہستہ سے صابراں کا بازو ہلایا۔

"کھانا کھا کے تم لوگ آرام کر لیتا...... میں ٹھیک ہوں۔" بتیاں نے کہا۔

"آ گئے......؟" صابراں آنکھیں ملتی اُٹھ گئی۔

"بالے...... تو بھی کھا لے......!" بتیاں نے آہستہ سے کہا۔

"آ جا بالے...... اللہ خیر کرے...... اب بیگم صاحبہ ٹھیک ہیں۔" صابراں نے کہا۔

اور تینوں نے مل کر کھانا کھایا......

ایک ہفتے کے بعد بتیاں صحت یاب ہونے کے بعد اپنی کوٹھی میں چلی گئی...... اُسے جواد سے بری طرح نفرت ہو چکی تھی...... وہ ایسے درندہ صفت شخص کے ساتھ ایک سیکنڈ رہنا گوارہ نہ کر سکتی تھی...... کمرے میں لگی اُس کی تصویر کو دیکھ کر اُسے کراہت سی ہونے لگی تھی...... اور نہ ہی اُس کو یہ احساس ہوا کہ وہ ایک ہفتے سے گھر کیوں نہیں آیا...... اگر آج یہ کوٹھی اُس کی نہ ہوتی تو آج یہ شخص اُسے دھکے دے کر نکال دیتا...... اُس کی پہلی فلم کی پے منٹ پر اُس نے ایک گھر ہی تو مانگا تھا...... جسے وہ اپنا گھر کہہ سکے۔ یہی اُس کا گھر تھا جس پر اُسے پورا اختیار تھا...... آج اپنے گھر آئے ہوئے بتیاں کو دو دن ہو چکے تھے لیکن وہ اب بھی نہیں آیا تھا...... آخر وہ رہتا کہاں ہے......؟ اسی شہر میں رہنے کے باوجود وہ کہاں رات بسر کرتا ہے......؟ قدرت اللہ کے ہاں وہ رہ نہیں سکتا...... اُس کی ماں نہ ہی اپنی بیٹیوں کو اُس سے بے تکلف ہونے کی اجازت دے سکتی تھی...... آخر کون سی جگہ ہو سکتی ہے......؟ کیا صابراں کی بات سچی تو نہیں کہ کہیں صاحب نے شادی نہ کر لی ہو...... وہ اگر کرے بھی تو کہاں کر سکتا ہے......؟ بتیاں کو معلوم نہیں تھا کہ اب جواد کا حلقہ احباب بڑا وسیع ہو چکا تھا...... کوئی بھی عورت اس کی پُر وقار شخصیت اور دلکش خدوخال پر مر سکتی ہے...... بتیاں اس بات سے بے خبر تھی کہ وہ شب و روز کہاں گزارتا ہے؟

شہر کے اعلیٰ پائے کے ریسٹورنٹ میں کافی کی پیالی سے کھیلتے قدرت اللہ ہنس دیا۔

"کس بات پر تمہیں ہنسی آئی ہے......؟" جواد نے پہلا گھونٹ حلق سے اُتار کر کہا۔

"اس بات پر کہ تمہیں اب رات بسر کرنے کی کوئی تکلیف نہیں۔" قدرت اللہ نے جواب دیا۔

"ہاں یار...... لیکن حمیرا کی ماں بڑی کائیاں ہے...... وہ چاہتی ہے کہ سب کاروبار چھوڑ کر بیٹھا رہوں۔" وہ جھنجھلا کر بولا۔

"تم نے رقص کیوں چھڑوا دیا...... چار پیسے آ ہی جاتے تھے۔" قدرت اللہ نے ہنس کر کہا۔

"بکواس کر رہے ہو...... تم نے مجھے اتنا کمینہ سمجھ لیا ہے؟" جواد ہنس دیا۔

"یار! بتیاں بھابھی سے جھگڑا بھی تو کام کا ہی ہے۔" قدرت اللہ نے اُس کو یاد کرایا۔

"بتیاں کا کام اعلیٰ پائے کا ہے...... وہ ملک کی نامور گلوکارہ اور اداکارہ مشہور ہے۔ اور سب سے بڑی بات کہ بڑے بڑے لوگوں کی کوٹھیوں یا میلے ٹھیلوں میں رقص نہیں کرتی۔" جواد نے بتیاں اور حمیرا میں فرق ظاہر کیا۔

"ہاں...... یہ بات تو ہے۔ حمیرا بھابھی کا کام تو مجھے بھی نہیں پسند...... اچھا کیا تم نے روک دیا۔" قدرت اللہ کو نفرت ہوئی۔

"اب آگے کی سوچو! کیا کرنا چاہئے......؟" جواد نے کہا۔

"میں سوچوں...... گھر سے تو نکل آئے کم از کم ایک مرتبہ جاؤ تو سہی......" قدرت اللہ نے مشورہ دیا۔

"اب جانا نہیں...... ایک ہفتے تک وہ ہسپتال میں رہی...... بعد میں بھی میں نہیں گیا...... ایسے ہی پکڑوا دے گی۔" جواد کچھ خوفزدہ بھی تھا۔

"خیر...... اگر اُس نے ایسا کرنا ہوتا تو تمہیں کب کی پکڑوا چکی ہوتی۔" قدرت اللہ نے کہا۔

"ایک کپ اور بناؤ......" وہ کرسی سے ٹیک لگا کر بولا۔

قدرت اللہ نے ایک کپ اور بنا کر جواد کے سامنے رکھ دیا۔

"تم بتیاں کی حمایت میں زیادہ بولنے لگے ہو۔" جواد نے کہا۔

"نہیں یار! تم غلط سمجھے ہو۔ میں چاہتا تھا کہ تمہیں بتیاں بھابھی سے بنا کر رکھنا چاہئے تھا۔" قدرت اللہ صاف الفاظ کہہ گیا۔

"میں نے بگاڑ ڈالی ہے؟ جب وہی بات نہ مانے تو......" جواد جیسے جھوٹا سا لگنے لگا۔

"آرام سے...... سلجھے طریقے سے...... تم نے تو بس سنی ہی نہیں کسی کی......"

"اب میں آچاری کو کیا جواب دوں......؟" جواد جھلا کر بولا۔

"اُسے چار کروڑ لوٹانا پڑے گا۔" قدرت اللہ نے کہا۔

"تمہارا سر...... کہاں سے دوں گا چار کروڑ...... عقل ٹھکانے ہے تمہاری؟" وہ طیش

میں کھڑا ہو گیا۔

''ریلیکس...... بس! یہی بات ہے کہ جلدی غصے میں آ جاتے ہو......'' قدرت اللہ نے بازو پکڑ کر اُسے واپس بٹھا دیا۔

''اب کوئی ایسی ہیروئن نہیں مل رہی جو بتیاں کی جگہ کام کر سکے۔'' جواد نے بیٹھتے ہوئے کہا۔

''بتیاں کا مقابلہ کون کرے؟...... جواد! ایک ترکیب میرے ذہن میں آئی ہے۔'' قدرت اللہ نے کہا۔

''جلدی بولو...... کیا ترکیب ہے؟'' وہ اضطرابیت کے ساتھ پہلو بدل کر بولا۔

''اگر تم کہو تو میں بات کروں......؟'' قدرت اللہ نے بغور دیکھا۔

''پاگل ہو...... ہندو کی فلم میں وہ کام نہیں کرے گی۔'' وہ تلخ ہو گیا۔

''پھر چار کروڑ روپیہ مانگ لوں اُس سے......؟'' قدرت اللہ ہنس دیا۔

''جوتے تمہارے سر پر مارے گی...... روپیہ نہیں دے گی۔'' جواد نے کہا۔

''اچھا چلو...... دیر ہو رہی ہے...... میں نے آفس سے کاغذات بھی لینے ہیں۔'' قدرت اللہ کچھ سوچ کر کھڑا ہو گیا۔

دوسرے دن بتیاں نے اپنے وکیل مسٹر جعفر کو اپنی کوٹھی طلب کیا...... وہ ابھی ناشتے سے فارغ ہوئی ہی تھی کہ جعفر صاحب کی گاڑی کوٹھی کے خوبصورت پورچ میں کھڑی ہوئی۔ ملازم نے بھاگ کر دروازہ کھولا اور احتراماً ڈرائنگ رُوم میں بٹھایا۔

''بیگم صاحب جی! وکیل صاحب آئے ہیں۔'' ملازم نے کہا۔

''بٹھایا ہے......؟'' اُس نے پوچھا۔

''ڈرائنگ رُوم میں بیٹھے ہیں سرکار......!''

''چلو...... آ رہی ہوں۔'' وہ خراماں خراماں ڈرائنگ رُوم کی طرف بڑھ گئی۔

''السلام علیکم......!'' وکیل صاحب نے کھڑے ہو کر کہا۔

''وعلیکم السلام...... تشریف رکھئے!'' وہ جواب دے کر صوفے کی طرف اشارہ کر کے بولی۔

''تھینک یو......!'' وکیل جعفر کے بیٹھتے ہی وہ بھی سامنے بیٹھ گئی۔

''میں نے کچھ ضروری مشوروں کے لئے آپ کو زحمت دی ہے۔'' وہ اخلاقاً بولی۔

''فرمایئے......!'' مسٹر جعفر بولے۔

''پہلے تو میں یہ چاہتی ہوں کہ کچھ روپیہ بزنس میں لگا دوں تا کہ آمدنی رہے۔'' اُس نے کہا۔

''اچھی بات ہے...... بینک میں رکھوا دیجئے، منافع آتا رہے گا۔'' جعفر صاحب بولے۔

''وہ تو ہے...... لیکن میں بزنس میں رقم لگانا چاہتی ہوں......''

''ٹھیک ہے...... ایک دو بزنس مین میرے ملنے والے ہیں...... اُن سے بات کر لیں گے۔'' جعفر صاحب بولے۔

''میں دو کروڑ کا سرمایہ لگا دوں گی...... لوگ اچھے ہوں۔'' بتیاں نے مسکرا کر کہا۔

''آپ فکر نہ کریں...... اچھے لوگ ہوں گے...... ابھی اس دنیا میں اچھے لوگوں کی کمی نہیں ہوئی مسز جواد!'' وکیل نے ہنس کر بتیاں کو یقین دلایا۔

''دوسری بات یہ کہ...... میں جواد سے طلاق لینا چاہتی ہوں۔'' وہ سنجیدہ ہو گئی۔

''طلاق......؟ یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں؟'' مسٹر جعفر بری طرح چونک گئے۔

''آپ اُس کے آفس نوٹس بھجوا دیجئے!'' وہ بولی۔

''اچھی طرح سوچ لیجئے!'' جعفر صاحب نے کہا۔

''میں نے بہت سوچا ہے جعفر صاحب! آپ کو علم ہے نا کہ اُس نے میرے ساتھ کیا سلوک کیا...... کیا میں اس کی متحمل تھی؟...... میں نے اُس کے ساتھ......'' بتیاں کی آنکھیں چھلک گئیں۔

''برا تو واقعی بہت ہوا...... اُن کو ایسا نہیں کرنا چاہئے تھا......'' وکیل تمام حقیقت سے آشنا تھا۔

''بس! پھر آپ رپورٹ تیار کر کے نوٹس بھجوا دیجئے!'' بتیاں نے دل کے کرب کو دبا رکھا۔

''اب مجھے اجازت ہے......؟'' جعفر صاحب مسکراتے ہوئے کھڑے ہو گئے۔

''تشریف رکھئے! چائے نہیں پئیں گے؟'' وہ کھڑی ہو کر اخلاقی طور سے مسکرا دی۔

''نو...... تھینک یو! مجھے کہیں اور بھی کام سے جانا ہے۔'' وہ باہر نکل گئے۔

وہ واپس آ گئی۔

''صابراں......!'' خوبصورت برآمدے کے بڑے بڑے گملوں کے پاس کھڑے ہو

کر اُس نے صابراں کو آواز دی۔

''جی بیگم صاحب جی......؟'' صابراں قریب آ کر بولی۔

''بالے کو گئے ہوئے کتنے دن ہو گئے ہیں......؟'' بتیاں کو یوں لگ رہا تھا جیسے دنیا اندھیر ہو گئی ہو۔

''بیگم صاحب جی! دو دن پورے ہو گئے...... اب تو تیسرا دن بھی چڑھ گیا۔'' صابراں نے آسمان کی طرف دیکھا۔

''آیا کیوں نہیں......؟'' بتیاں فکر مندسی ہو گئی۔

''آ جائے گا...... اُس نے کہاں جانا ہے...... یہاں بہت خوش رہتا ہے بیگم صاحب جی!'' صابراں دوسری سمت جاتے جاتے بولی۔ اور بتیاں افسردہ خاموش ڈرائنگ روم میں واپس چلی گئی۔

صابراں بیڈ روم کی صفائی کرنے بتیاں کے کمرے میں آ گئی......

''آنٹی صابراں! میں آ گیا......'' بالے نے ایک دم صابراں کے کان کے قریب جا کر کہا۔

''ہائے میں مری...... تیرا بیڑا اتر جائے...... تو نے تو ڈرا ہی دیا......'' صابراں خوف سے بری طرح اُچھلی۔

''بیگم صاحبہ کہاں ہیں......؟'' وہ اِدھر اُدھر دیکھ کر بیگ کھولنے لگا۔

''ڈرائنگ روم میں ہیں...... تمہارا پوچھ رہی تھیں...... پریشان ہو رہی تھیں۔'' صابراں نے بیگ کے اندر جھانکا۔

''پریشان تو وہ یوں ہی ہو جاتی ہیں۔'' وہ خوبصورت چادر نکال کر بولا۔

''یہ کیا ہے بالے......؟'' صابراں کی آنکھیں چمک اُٹھیں۔

''آنٹی صابراں! تیرے لئے چادر لایا ہوں...... لے! سردی ہے۔ اوڑھ لے......'' بالا کھول کر صابراں کے اُوپر ڈال کر بولا۔

''ہائے میں مری...... کتنی پیاری ہے...... بالے! تو نے اتنے پیسے کہاں سے لئے؟'' وہ بڑی پسندیدگی سے چادر کو تہہ کرتے بولی۔

''تنخواہ لیتا ہوں...... پھر مجھے بتیاں...... بیگم صاحبہ بھی تو دے دیتی ہیں۔'' وہ بے تکلف بتیاں کہتے ٹھٹھک گیا۔

''تو نے بڑی تکلیف کی بالے...... کسی نے آج تک مجھے تحفہ نہیں دیا......'' وہ دل ں چادر پا کر بہت خوش ہو رہی تھی۔

''آنٹی صابراں...... میں تیرا بھائی ہوں...... چھوٹا بھائی بیٹا ہوتا ہے نا...... میرا فرض ہے تجھے تحفہ دوں۔'' بالے نے بڑی چاہت سے کہا۔

''اللہ تجھے خوش رکھے...... تندرستی دے......'' وہ بڑی چاہت سے بولی۔

''میں سب کے لئے کچھ نہ کچھ لایا ہوں...... رمضانی بابا کے لئے سوٹ لایا ہوں...... و کے لئے مفلر اور خان بابا کے لئے بیڑا۔'' اس کے ساتھ ہی دونوں ہنس دیئے۔

''اور بیگم صاحبہ کے لئے......؟'' صابراں نے ہنستے ہنستے جیسے یاد دلایا۔

''اُن کے لئے چوڑیاں لایا ہوں...... یہ دیکھ! اچھی ہیں نا......؟'' وہ مسرت بھرے راز میں بیگ سے چوڑیاں نکال کر بولا۔

''بہت اچھی ہے...... جا! دے آ...... بیٹھی ہیں ڈرائنگ روم میں......'' صابراں میز پر پڑا جھاڑتے ہوئے بولی۔

وہ باہر نکل کر ڈرائنگ روم کی طرف بڑھ گیا۔ دھیمے سُروں میں بتیاں کی اپنی ہی یسٹ چل رہی تھی...... وہ آنکھیں بند کئے صوفے کی پشت پر سر گرائے بیٹھی تھی۔

بالے نے دبیز پردے کو آہستہ سے سرکایا...... کمرے میں مکمل افسردہ سا ماحول تھا۔

''بتیاں......'' وہ لاٹھی صوفے سے ٹکا کر بتیاں کے پاس والے صوفے پر بیٹھ گیا۔

''بالے...... تم آ گئے...... اتنے دن غائب کہاں رہے؟ تمہیں معلوم تو ہے...... کہ ...تمہارے بن دنیا تاریک لگتی ہے......'' وہ اضطرابیت کے عالم میں بالے کے شانے ہاتھ رکھتے بولی۔

''میں تمہارے بن کہاں رہ سکتا ہوں...... در در کی ٹھوکریں کھائیں تو تمہیں حاصل کیا ہے۔'' بے چین انداز میں بالے نے بتیاں کے مرمریں نازک ہاتھوں کو آنکھوں سے لگا لیا۔

''بالے...... جتنا وعدہ کیا کرو اُس سے زیادہ وقت مت لگایا کرو......'' بتیاں کی ٹھیں بھیگ گئیں۔

''اب معاف کر دو...... آئندہ یہ تمہارا مجرم اس قدر بڑی گستاخی نہیں کرے گا۔'' لے نے شرارت بھرے انداز میں کانوں کو ہاتھ لگایا اور بتیاں اُس کی اس پرانی حرکت پر لکھلا کر ہنس دی۔

''بس! اسی طرح ہنستی رہا کرو...... تمہیں افسردہ دیکھ کر میں مرنے لگتا ہوں...... یہ دیکھ! میں تیرے لئے لایا ہوں......'' وہ اپنے ہاتھ میں چوڑیاں پکڑ کر بولا۔

''میرے لئے چوڑیاں لائے ہو......؟'' وہ چوڑیوں کو اپنے ہاتھوں میں پکڑ کر بولی۔

''ہاں...... تیرے لئے...... تجھے پسند ہیں؟'' بالا چمکتی ہوئی نگاہیں ان سات رنگ کی قوسِ قزح جیسی چوڑیوں پر ڈال کر بولا۔

''تیری لائی ہوئی چوڑیاں ہوتی ہی اس قدر خوبصورت ہیں کہ برا کہنے کو جی ہی نہیں چاہتا۔'' وہ ہنستے ہوئے بولی۔

وہ پہنتی رہی اور بالا دیکھتا رہا......

''بہت پیاری لگتی ہیں یہ تیرے چاندی کی طرح چمکتے بازوؤں میں......'' بالے نے جھک کر بتیاں کے بازو کو چوم لیا......

بتیاں نے بالے کا والہانہ پن دیکھ کر اندازہ لگایا کہ بالے کی محبت میں ذرا بھر فرق نہیں آیا......

''کیا سوچنے لگی......؟'' بالے نے پوچھا۔

''میں سوچ رہی ہوں کہ تجھے اب بھی مجھ سے اُتنی ہی محبت ہے نا جتنی پہلے تھی؟'' وہ بولی۔

''ہاں...... تمہیں بھی ہے نا......؟'' بالے نے ہنس کر کہا۔

''میری محبت تو اور بڑھ گئی ہے بالے...... تیرے بنا اب زندگی گزارنے کا کوئی آسرا نہیں۔'' بتیاں نے کہا۔

''آسرا تو خدا کا ہے......تو پریشان نہ ہو......'' وہ چاہت سے بولا۔

''جب سے تو آیا ہے میں پریشان کم ہوتی ہوں......لیکن جواد کی حرکات جب یاد آتی ہیں نا تو دل خون کے آنسو روتا ہے۔''

''اوہو...... پگلی...... دفعہ کر پرانی باتوں کو...... یہ تو آسیب کی طرح ذہن سے چمٹی رہتی ہیں۔'' بالا اُس کے ذہن سے جھٹکنا چاہتا تھا۔

''میں بہت کوشش کرتی ہوں کہ جواد کا خیال میرے ذہن سے نکل جائے...... نہ جانے کیا بات ہے...... جاتا ہی نہیں۔'' وہ سوچ میں کھو گئی۔

''دراصل تم نے اُس کے ساتھ برائی کوئی نہیں کی...... جو اُس نے کہا تم کرتی رہیں۔

پھر بھی وہ بے مروت نکلا۔'' بالے نے اپنے بکھرے بالوں کو دونوں ہاتھوں سے درست کیا۔

''ارے ہاں بالے......تو اور بھی کہیں گیا تھا......؟'' وہ اپنے گھر کے خیال سے ریزہ ریزہ ہو گئی۔

''چھوڑ تو۔ پیچھے کی بات نہ پوچھا کر۔'' بالا نہیں چاہتا تھا کہ اُس کے دل کو تکلیف پہنچے۔

''بتا نا...... اماں بابا تو اس دنیا میں نہیں ہیں...... بھائی اُس کے بچے، بھابھی......؟'' بتیاں کا سانس رُک گیا۔

''سب ٹھیک ٹھاک ہیں......لیکن میں نے تیرا ذکر نہیں کیا...... ہو سکتا ہے میں تیرا ذکر کرتا اور کوئی ایسی ویسی بات سننے کو ملتی......تو جانتی ہے میرا بھی بڑا غصہ ہے...... جان سے مار دیتا جو تجھے برا کہتا۔'' وہ آخر میں بھرپور جوش سے بولا۔

''بس بس......تو، تو اور بھی غصے میں آ گیا۔'' بتیاں ہنس دی۔

''بس! تو اُن کا خیال نہ کر...... وہ سب خیریت سے ہیں...... بھول جا!'' بالے نے اُس کو ہر غم سے آزاد رہنے کی تلقین کی۔

''میں کب خیال کرتی ہوں...... دنیا کے خوف سے اُنہوں نے دھکے دے کر گھر سے نکال دیا اور پھر پہچاننے سے بھی انکار کر دیا...... میں تو وہاں جانے کا تصور بھی نہیں کر سکتی...... میں اُن کی دنیا سے نکل چکی ہوں بالے!'' وہ شدت کرب سے سرخ آنکھیں بالے کی آنکھوں میں ڈال کر بولی۔

''بیگم صاحب جی...... جوس لاؤں آپ کے لئے......؟'' صابراں اندر آتے بولی۔

''ارے واہ صابراں...... بڑی خوبصورت چادر ہے تمہاری۔'' بتیاں نے چونک کر دیکھا۔ بالا بھی ہنس دیا۔

''بیگم صاحب جی! بالا لایا ہے میرے لئے گرم چادر...... اللہ قسم بیگم صاحب جی! ذرا ٹھنڈ نہیں لگ رہی۔''

''اچھا...... بالے! تمہارا انتخاب تو بہت اچھا ہے۔'' بتیاں ہنس دی۔

''میرے انتخاب کی کیا ہی بات ہے......ظاہر ہی ہو رہا ہے۔'' بالے نے آنکھوں ہی آنکھوں میں بتیاں کو یہ بتانا چاہا کہ تم میرا کس قدر خوبصورت انتخاب ہو۔''

''ہاں صابراں! جوس لے آؤ......اور رمضانی کو کہو بالے کو ناشتہ دے۔'' بتیاں نے کہا۔

''آنٹی صابراں! تو جوس لے آ...... کر لوں گا ناشتہ......'' وہ لاپرواہ سے بولا۔

''اچھا بیگم صاحب جی......!'' صابراں واپس چلی گئی۔

''تھوڑی دیر تو اپنے پاس بیٹھنے دے...... تیری دُوری اب بہت تنگ کرتی ہے۔'' وہ نیم باز آنکھوں سے اُسے دیکھ کر بولا۔

''اسی لئے تین دن لگا کر آیا ہے نا......؟'' وہ ادائے دلربائی سے شکوہ کرنے لگی۔

''پگلی...... میں نے سوچا ذرا گھر کی خیریت بھی لے لوں...... لیکن اُن کی وہی مرغے کی ایک ٹانگ......'' وہ سنجیدہ ہو گیا۔

''میں جانتی ہوں بالے...... ہم جو مڈل کلاس لوگ ہیں نا...... دنیا سے بہت خوفزدہ رہتے ہیں...... اتنی سی بات ہو جائے لیکن دنیا نہ سن لے......'' وہ دل کی نفرت کو الفاظ میں ڈھال کر بولی۔

''جو ڈرتے ہیں نا دنیا سے، اُن کو دنیا اور ڈراتی ہے۔'' وہ اپنے بالوں کو ایک ہاتھ سے ہٹا کر بولا۔

''تو نہیں ڈرانا......؟'' وہ بڑی محبت سے اُس کے گھنے بالوں کو جھنجھوڑ کر بولی۔

''میں کب ڈرتا ہوں...... اگر اس پاپی دنیا سے ڈر جاتا تو میں اپنی بتیاں حاصل نہ کر سکتا۔'' وہ بڑی اپنائیت سے بولا۔

''تو بہت اچھا ہے بالے......!'' وہ کھڑی ہو گئی۔ اور صابراں جوس کا گلاس لئے داخل ہوئی۔

''چل بالے! ناشتہ کر لے۔'' صابراں نے کہا۔

''آنٹی صابراں...... میں پہلے غسل کروں گا۔'' وہ پلٹ کر دریچے سے فوارے کی طرف دیکھ کر بولا۔

''خبردار...... باتھ رُوم میں چل۔ آج میں تمہیں فوارے پر نہیں جانے دُوں گی۔'' صابراں نے ایک ہاتھ اُٹھایا۔

''چلو جانے دو صابراں...... اسے ڈبکیاں لگانے کا بڑا شوق ہے۔'' بتیاں کو یاد آ گیا جب بالا گاؤں کی چھوٹی نہر میں نہانے جایا کرتا تھا۔

''بیگم صاحب جی...... یہ بطخوں اور کونجوں کو تنگ کرتا ہے۔'' صابراں نے کہا۔ بالا ہنس دیا۔

''یہ اس کی پرانی عادت ہے صابراں!'' بتیاں سوچنے لگی۔

''بس بس...... دُور نہیں جانا...... آنٹی صابراں! کیا یاد کرو گی، آج میں واش رُوم میں چلا جاتا ہوں۔'' وہ باہر نکل گیا۔

''بیگم صاحب جی...... آپ کو کیسے پتہ چلا کہ پرندوں کو تنگ کرنا بالے کی پرانی عادت ہے؟'' صابراں نے حیرت سے پوچھا۔

''بالا میرا تایا زاد ہے...... ہمارا بچپن ایک ساتھ گزرا ہے۔'' وہ دوبارہ مُردہ سی بیٹھ گئی۔

''ہائے میں مری...... اچھا...... تبھی میں کہوں یہ کبھی کبھی آپ کا ہاتھ پکڑ کر کھینچ لیتا ہے...... نوکر تو ایسا نہیں کر سکتا بیگم صاحب جی......'' صابراں قالین پر چارزانو بیٹھ گئی۔

''قدرت نے ہمیں بہت عرصہ جدا رکھا...... یہ تلاش کرتا ہوا مجھ تک پہنچ ہی گیا۔'' وہ بہت افسردہ لگنے لگی تھی۔

''بیگم صاحب جی! پھر تو بالا ہمارا مالک ہوا نا جی...... ہائے! اتنے ماہ نوکر بنا رہا...... ہمیں معاف کر دیں جی!'' صابراں نے جیسے اپنی غلطی تسلیم کی ہو۔

''ارے نہیں صابراں...... میں تم لوگوں کو کون سا نوکر سمجھتی ہوں۔'' وہ ہنس دی۔

''یہ تو جی آپ کی محبت ہے بیگم صاحب جی...... ورنہ ہمارا کیا۔''

''آنٹی صابراں...... ناشتہ لگا دے ٹیبل پر!'' ٹیبل کا لفظ سن کر بتیاں اور صابراں کھلکھلا کر ہنس دیں۔

''دیکھا بیگم صاحب جی! واقعی صاحب بن گیا۔'' صابراں نے کہا۔ بتیاں ہنستی رہی۔

''اچھا جا...... لگا دے میز پر ناشتہ...... میں بھی آ رہی ہوں۔'' بتیاں نے کہا۔

صابراں ہنستی ہوئی کچن میں چل دی۔

...... بالے! تو نے کتنا سکون بخشا ہے...... تیری یہ چھوٹی چھوٹی شرارتیں زندگی کا احساس دلاتی ہیں...... تیرے وجود نے میرے کتنے غم دُور کر دیئے ہیں...... تو کیا ملا کہ زندگی کی ساری رونقیں مل گئیں......

''بیگم صاحب جی...... آ جائیں...... بالا آ گیا ہے۔'' صابراں نے آ کر کہا۔ اور بتیاں مسکراتی ہوئی ڈائننگ ہال میں چل دی۔

☆☆☆

''یہ کیا...... بڑے پریشان نظر آ رہے ہو۔'' قدرت اللہ نے بیگ کو میز پر رکھا اور دوسری کرسی پر جواد کے سامنے بیٹھ گیا۔

''پڑھ لو......'' جواد نے لفافہ قدرت اللہ کے سامنے پھینک دیا۔

''کوئی خاص بات ہے......؟'' قدرت اللہ کاغذ نکالتے ہوئے بولا۔

''دیکھ لو...... خاص ہی ہے۔'' جواد نے تھکن محسوس کرتے ہوئے سر کو کرسی کی پشت سے لگا لیا۔

''طلاق......؟ بتیاں ایسا بھی کر سکتی ہے؟'' قدرت اللہ نے سنجیدگی سے لفافہ دوبارہ بند کر کے رکھ دیا۔

''اب سوچو...... کیا کروں......؟'' جواد شپٹا کر بولا۔

''تمہارا کیا ارادہ ہے؟'' قدرت اللہ نے پوچھا۔

''میں اُسے طلاق ہرگز نہیں دُوں گا...... اُس کے جلوے پاگل کر رہے ہیں نوجوانوں کو...... وہ اسے دیوانہ ہوا پھرتا ہے۔'' جواد نے بتیاں کے حسن کو بھی اُس کا جرم قرار دے دیا۔

''کیا فرق پڑتا ہے...... اسے کون سا مسلمان ہے......؟'' قدرت اللہ بولا۔

''اُس نے کہا ہے کہ میں مسلمان ہو جاؤں گا اگر بتیاں میرے ساتھ شادی کر لے۔'' جواد نے سیدھے ہو کر کہا۔

''اِن باتوں کو چھوڑو...... آگے کی سوچو......!'' قدرت اللہ نے اُس کی توجہ طلاق کی طرف دلائی۔

''یار...... میں اُسے طلاق نہیں دینا چاہتا...... میں نے یہ تو نہیں سوچا تھا۔'' جواد بے بس نظر آ رہا تھا۔

''پھر تم نے یہ سب کچھ کیوں کیا......؟'' قدرت اللہ بولا۔

''تمہیں سب معلوم ہے...... تمہاری ہی مرضی اِس میں شامل تھی۔'' جواد نے کہا۔

''ہوں......'' قدرت اللہ کچھ شرمندہ سا لگنے لگا تھا۔

''بولو...... جواب دو!'' جواد نے کہا۔

''دیکھو...... میں ایک غریب ملازم...... تم میرے مالک تھے...... جو کچھ چاہتے تھے میں تمہاری بات سے انحراف تو نہیں کر سکتا تھا۔'' قدرت اللہ کو ایک بات سمجھ آ گئی۔

''بس یہی لفاظی ہے...... جس کی قیمت وصول کرتے ہو۔'' جواد مسکرا دیا۔

''کیا......؟'' قدرت اللہ نے منہ کھولا۔

''یعنی کہ اِدھر اُدھر کی مار کر خود بچ جاتے ہو۔'' جواد نے سر پکڑ لیا۔

''دیکھو! اپنے وکیل سے مشورہ کرو...... باقی باتیں بعد میں دیکھی جائیں گی۔''

''ٹھیک ہے...... فون کرو!'' جواد اُٹھ گیا۔

''کہاں......؟'' قدرت اللہ نے ریسیور کان سے لگا کر کہا۔

''میں کوٹھی جا رہا ہوں۔'' جواد کمرے سے نکل گیا۔ اور قدرت اللہ نے اپنے وکیل سرفراز کو نمبر ملا کر فون کر دیا۔

گاڑی پورچ میں کھڑی ہوئی...... خان بابا نے مؤدب سلام کیا۔

''صاحب جی...... بیگم صاحبہ تو گھر پر نہیں ہیں۔'' خان بابا نے کہا۔ ''وہ ڈاکٹر کے پاس گئی ہیں۔''

''ٹھیک ہے......'' وہ سیدھا بیڈ رُوم میں آ گیا۔

گھر کا ماحول پُرسکون اور جوں کا توں تھا...... سب ملازم حسبِ دستور کام میں لگے ہوئے تھے...... کوٹھی کی خوبصورتی اور آرائش میں اضافہ ہو گیا تھا...... وہ کمرے سے نکل کر باہر آ گیا......

''صاحب جی آپ......؟'' رمضانی بابا ہاتھ میں سبزی کا تھیلا پکڑ کر آتے بولا۔

''حیران ہو گئے ہو......؟''

''حیران تو ہوں گے...... آپ اتنی دیر بعد جو آئے ہیں۔''

''صابراں کہاں ہے......؟'' وہ خوامخواہ بولا۔

''وہ تو بیگم صاحبہ کے ساتھ ڈاکٹر کے پاس گئی ہیں۔'' رمضانی بولا۔

دوسرے برآمدے میں بالا آرام کرسی سے ٹیک لگائے سکون سے دُور فوارے پر پرندوں کو دیکھ رہا تھا...... وہ دیکھ رہا تھا کہ کوئی مہمان آیا ہے۔

رمضانی بابا واپس مُڑا...... ''صاحب جی! چائے لاؤں؟'' اُس نے پوچھا۔

''لے آؤ...... اگر تمہاری مالکن ناراض نہ ہو۔'' وہ طنز کرے ڈرائنگ رُوم کی طرف چل دیا۔

''وہ کیوں ناراض ہوں گی...... مہمانوں کی خاطر مدارت کرنا تو ہم نوکروں کا فرض ہے۔'' رمضانی نے کہا۔

''ٹھیک ہے...... اچھی سی چائے لاؤ...... میں ڈرائنگ رُوم میں بیٹھا ہوں۔'' وہ راہداری سے ہوتے ہوئے ڈرائنگ رُوم میں چلا گیا۔

''رمضانی بابا...... کون آیا ہے؟'' بالے نے پہلو بدل کر پوچھا۔

''ارے بالے...... صاحب آیا ہے...... میرا خیال ہے بیگم صاحب جی سے ملنے کے لئے۔'' رمضانی بابا نے کہا۔

''اب بیگم سے اس کا کیا واسطہ...... کسی کام آیا ہوگا۔'' بالا نفرت سے بولا۔

''کچھ نہ کچھ تو کام ہوگا......'' رمضانی بولا۔

''مجھے زہر لگتا ہے یہ خود غرض دولت پرست شخص...... اس کو تو انسان کہنا انسانیت کی توہین ہے۔ اسے تو اچھی چیز کی پہچان ہی نہیں......'' بالے نے جوش میں کھڑے ہو کر کہا۔

''ارے بس بس...... بیگم صاحبہ آ گئیں......'' رمضانی نے گاڑی دیکھ کر دیکھا۔

بابو نے گاڑی مخصوص جگہ پر روک کر دروازہ کھولا۔ ڈرائنگ رُوم کی کھڑکی سے جواد بتیاں کا سراپا دیکھ رہا تھا...... وہ اس وقت چمکیلی باریک ساڑھی میں ملبوس تھی...... اور سیاہ بلاؤز...... پاؤں میں سیاہ باریک سٹیپ والی چپل...... جو سفید پیروں میں یوں نظر آ رہی تھی جیسے سفید اور سیاہ ریشم کو یکجا کر دیا گیا ہو۔

''بیگم صاحب جی...... بیگم صاحب جی......'' خان بابا پیچھے سے بولا۔

''کیا بات ہے بابا...... خیریت تو ہے......؟'' بتیاں نے زینہ چڑھ کر پوچھا۔

''صاحب آئے ہیں۔'' وہ سرگوشی کے عالم میں بولا۔

''کون صاحب......؟'' وہ ایک دم انجانے میں بولی۔

اُدھر کھڑکی سے جواد سب کچھ دیکھ رہا تھا۔

''بیگم صاحب جی...... جواد صاحب!'' خان بابا نے کہا۔

''ہوں...... کس لئے......؟'' بتیاں نے پوچھا۔

''وہ ڈرائنگ رُوم میں بیٹھے ہیں جی...... معلوم نہیں کیوں آئے ہیں۔''

''خیر......'' وہ لاپرواہی سے اپنے کمرے میں چلی گئی۔

''صابراں......!'' وہ اندر آتے ہی صابراں سے بولی۔ ''یٰسین کہاں ہے؟'' بتیاں کو ایک دم یاد آیا۔

''اپنے کوارٹر میں ہوگا جی...... ٹیپ لگا کے گانے سن رہا ہوگا۔'' صابراں نے کہا۔

''اُسے بلاؤ......'' وہ پرس رکھ کے آرام کرسی پر بیٹھ گئی۔

صابراں حسب عادت بھاگتی ہوئی یٰسین کے کوارٹر میں سے اُس کو بلا لائی۔

''جی بیگم صاحب......؟'' وہ قریب آ گیا۔

''صابراں! پانی لاؤ۔''

''ابھی لائی جی!'' صابراں نے کہا اور باہر نکل گئی۔

''بہت دن سے نظر نہیں آ رہے...... کہاں رہتے ہو؟'' بتیاں نے مسکرا کر پوچھا۔

''یہیں رہتا ہوں بیگم صاحب جی...... کہاں جاؤں...... فارغ بیٹھ کر روٹیاں توڑتا رہتا ہوں۔'' وہ شرمندہ شرمندہ سا بولا۔

''روٹیاں تمہارے مقدر کی ہیں...... جتنا جی چاہے کھاؤ...... رزق پر کھانے والے کی مہر ہوتی ہے۔'' بتیاں نے بالے کو آتے دیکھا۔

''اب ٹھیک ہو نا......؟'' بالے کو اُس کی صحت کی تشویش رہتی تھی۔

''ٹھیک ہوں...... آؤ بیٹھو!'' بتیاں نے اُسے اپنے ساتھ والی کرسی کی طرف اشارہ کیا۔ بالا چھڑی ٹکا کر بیٹھ گیا۔

''مجھے بلایا تھا آپ نے......؟'' یٰسین نے کہا۔

''ہاں...... یٰسین...... تمہارا مالک ڈرائنگ رُوم میں آیا ہے...... اگر تم اُس کے ساتھ جانا چاہتے ہو تو چلے جاؤ...... مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔'' وہ فراخ دلی سے بولی۔

''نہیں بیگم صاحبہ! میں اُن کے پاس نہیں رہ سکتا...... آپ مجھے کہیں کام دے دیں۔'' یٰسین کے انداز میں التجا تھی۔

''میں تمہیں یہاں کیا کام دے سکتی ہوں...... ملازم تو میرے پاس پورے ہیں۔ اور تم تو جواد صاحب کے ذاتی ملازم تھے۔'' بتیاں نے اپنے الفاظ میں غیریت برتی۔

''نہیں بیگم صاحبہ...... بڑی دُور سے آیا ہوں...... چھوٹے بچے ہیں...... مشکل ہو جائے گی۔'' وہ انتہائی پریشانی کے عالم میں بولا۔

''اچھا...... میں کہیں اور تمہیں رکھوانے کی کوشش کروں گی...... گاڑی چلا لیتے ہو؟'' بتیاں کو بچے سنتے ہی رحم سا آ گیا۔

''سب کچھ کر لیتا ہوں...... صرف باورچی خانے کا کام نہیں آتا۔''

''اچھا...... تم اتنی دیر یہیں رہو...... جب کام مل جائے تو چلے جانا۔''

''مہربانی ہے جی آپ کی۔'' وہ احسان مندی کے بوجھ تلے دب سا گیا۔

''جاؤ اپنے کوارٹر میں...... اور ہاں! ملنا چاہتے ہو تو مل لو...... تمہارا صاحب ڈرائنگ

روم میں بیٹھا ہے۔'' بتیاں ہنس کر بولی۔

''اب کیا ملنا جی......'' وہ اپنے کوارٹر کی طرف چل دیا۔

''بیگم صاحبہ...... صاحب بلا رہے ہیں۔'' بابو نے آ کر کہا۔

''اُن سے بولو...... میں اس وقت نہیں مل سکتی...... پھر کبھی سہی۔'' وہ اپنے کمرے میں چلی گئی...... بابو نے جا کر یوں ہی کہہ دیا۔

''کیا...... وہ اِس وقت ملنا نہیں چاہتی...... یہی کہا اُس نے......؟'' جواد سیخ پا ہو گیا۔

بابو خاموش رہا۔

چند لمحے جواد نے ڈرائنگ روم کی آرائش و زیبائش پر نظر ڈالی...... اُس کی قد آدم تصویر کی جگہ خوبصورت خیام کا آرٹ نصب کر دیا گیا تھا...... بلکہ اُس کی جتنی بھی تصاویر تھیں اُن کی جگہ اور تصویر لگا دی گئی تھیں۔

بابو کھڑا رہا۔

''ٹھیک ہے...... اس وقت میں جا رہا ہوں...... پھر آؤں گا......'' وہ اپنی دانست میں قالین کو روندتا ہوا باہر نکل گیا۔

گاڑی کی تیز رفتاری اس امر کی غماز تھی کہ اُس کے اندر انتقام کی آگ بھڑک اُٹھی تھی...... وہ چاہتا تھا کہ وہ بتیاں کو گولی کا نشانہ بنا دے...... اگر وہ اُس کے پاس نہیں رہنا چاہتی تو کسی اور کے پاس کیوں جائے......؟ ایک چیخ کے ساتھ گاڑی گیٹ کے اندر داخل ہوئی...... گاڑی کا دروازہ کھول کر وہ اندر آ گیا۔

''کیا بات ہے...... بہت پریشان نظر آ رہے ہیں......'' دوسری بیوی حمیرا نے قریب جا کر کہا۔

''کچھ نہیں......'' وہ عالم پریشانی میں صوفے پر بیٹھ گیا۔

''کچھ تو ہے...... آپ کا چہرہ بتا رہا ہے کہ آپ ٹھیک نہیں ہیں۔''

''کیا بتاؤں...... یہ تو ہمیشہ کا مسئلہ بن چکا ہے۔'' وہ صوفے پر ٹیک لگا کر بولا۔

''اس مسئلے کو ختم کر دیجیے۔'' وہ جھلا کر بولی۔

''کیسے ختم کر دوں...... صرف کہنے کی بات نہیں ہے۔''

''ایسی کون سی بندش ہے جو آپ کو روکے ہوئے ہے؟'' حمیرا نے بال کی کھال اُتارنا چاہی۔

''اپنے کام سے کام رکھو...... زیادہ بحث میں نہ پڑا کرو......'' وہ ناگوار انداز میں سامنے میز پر پاؤں رکھتے بولا۔

''میں بیوی ہوں، لونڈی نہیں جو کام سے کام رکھوں......'' وہ تنک کر کھڑی ہو گئی۔

''اچھا...... جاؤ بابا...... تنگ نہ کرو......!'' وہ زچ ہوتے ہاتھ جوڑ کر بولا۔

''ہنہ......'' حمیرا جھنجھناتی ہوئی باہر نکل گئی۔

عین اُس وقت حمیرا کی ماں داخل ہوئی۔

''کیا بات ہے...... بتیاں کا غصہ حمیرا پر کیوں اُتارتے ہو؟'' حمیرا کی ماں بیٹی کی طرف داری میں بولی۔

''آنٹی! میں غصہ تو نہیں اُتار رہا۔'' وہ سیدھا ہو کر اپنی بے گناہی ثابت کرنے لگا۔

''پھر کیا بات ہے......؟'' وہ سامنے صوفے پر دراز ہو گئی۔

''آپ کو معلوم ہے کہ باہر سو طرح کی پریشانیاں مجھے گھیرے ہوئے ہیں۔ اب میں کیا کیا اس کو بتاؤں......؟'' وہ آتی حمیرا کے ہاتھ سے چائے کا کپ پکڑ کر بولا۔ حمیرا خاموش ماں کے پاس بیٹھ گئی۔

وہ خاموش سوچوں کی انتہائیوں میں اُترتا چائے کے ایک ایک گھونٹ کے ساتھ ماضی سے کھیلتا رہا...... اُسے ہر لمحے بتیاں کی ہٹ دھرمی ہی نظر آتی۔ بچپن سے لے کر وہ رقاصہ اور گلوکارہ رہی ہے۔ اور میرے ساتھ اُس نے یہ کیوں کیا...... وہ کیوں اب یہ سب کچھ کرنے سے گریز کرتی ہے؟ میں نے اُس سے محبت کی...... اُس کو چاہا...... اُس کو عزت دی۔

''صاحب جی...... قدرت اللہ صاحب آئے ہیں۔'' ملازمہ نے آ کر کہا۔

''ڈرائنگ روم میں بٹھاؤ!'' وہ کپ رکھتے ہی کھڑا ہو گیا۔

دونوں ماں بیٹیاں خاموش اُسے دیکھتی رہیں...... لیکن خاموش رہیں۔ حمیرا کی ماں مُنی بائی جو ایک پیدائشی طوائف تھی ابھی تک تو بیٹی کو یہی کہہ رہی تھی کہ جواد شریف آدمی ہے اس سے نباہ کرنا ہو گا...... عورت کا شوہر اُس کا گھر بار ہی اُس کی دولت ہے۔

''اماں...... وہ سیدھے منہ بات ہی نہیں کرتا۔'' حمیرا نے کہا۔

''ٹھیک ہو جائے گا...... وہ بتیاں اور ہندو فلم ساز کی وجہ سے بہت پریشان ہے۔'' ماں نے کہا۔

''بتیاں کی پریشانی تو میں دُور نہیں کر سکتی...... البتہ میں مسٹر آچاری کا مطالبہ پورا کر

بکتی ہوں۔'' حمیرا کی آنکھیں دولت کی چمک سے چندھیا گئیں۔

''کیا کہنا چاہتی ہو تم......؟'' مُنی بائی چونک گئی۔

''اماں...... اماں...... کیا میں گنگا جل میں اجے کے ساتھ کام نہیں کر سکتی......؟'' وہ مسرت بھرے انداز میں مُنی بائی کے گلے میں بانہیں ڈال کر بولی۔

''تم تو پاگل ہو گئی ہو...... جواد تم سے ایسے سارے کام چھڑوا چکا ہے...... اور رہا بتیاں کا معاملہ...... تو میں نے سنا ہے اجے صرف بتیاں کے ساتھ ہی کام کرے گا۔''

''میں تو حیران ہوں کہ کیا خوبی ہے بتیاں میں...... صرف وہ بہت سفید ہے...... اور قد ذرا مجھ سے بڑا ہو گا...... جسم تو میرا بھی کافی ڈبلا ہے۔'' وہ قدِ آدم آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر اپنے سراپا کو دیکھنے لگی۔

''بیٹی...... پسند کی بات ہے۔ اجے کو بتیاں پسند ہے۔'' مُنی بیگم اُٹھتے ہوئے بولی۔

''دیکھ لینا ماں...... جب طلاق کا مسئلہ حل ہوا تو بتیاں ضرور کسی امیر کبیر شخص سے شادی کر لے گی۔''

وہ کیا جانے کہ بتیاں کیا کرے گی...... بالا اُس کی متاعِ حیات تھا...... وہ اب اُس کو کھونا نہیں چاہتی تھی۔ محبت کے لئے خاص دل مخصوص ہوتے ہیں...... یہ نغمہ ہر ساز پر تو نہیں گایا جاتا...... وہ چاہتی بھی یہی تھی کہ جونہی جواد اُسے اس بندھن سے آزاد کرے، وہ بالے کی ہو جائے۔ لیکن بالے نے کبھی اُسے اِس بات کا احساس نہیں دلایا تھا کہ وہ کب اُس سے شادی کرے گی۔ اُس کا کام تو صرف بتیاں سے محبت کرنا تھا...... وہ اُسے جب بھی اُداس پریشان دیکھتا، تڑپ جاتا...... اُس کی رُوح یوں لگتا جیسے پرواز کرنے لگی ہو......

آج بھی جب وہ باہر سے آیا تو گھر کا ماحول اُداس نظر آیا۔ ملازمین اپنے اپنے کاموں میں مشغول تھے...... شام چھ کا عمل ہو گا۔ مغرب سے آنے والی تیز اور سرد ہواؤں نے خنکی میں اضافہ کر دیا تھا۔ وہ لاٹھی ٹیکتا ہوا بتیاں کے کمرے میں داخل ہوا۔

''بتیاں......!''

سرمئی موسم کی وجہ سے کمرے میں ملگجی سی روشنی تھی...... کوئی چیز واضح نظر نہیں آتی تھی۔ اُس نے پھر پکارا۔ وہ واپس پلٹا اور حسبِ معمول فوارے کی طرف چل دیا...... وہ حوض کے قریب سفید سنگِ مرمر کے تخت پر بیٹھی تھی۔

''بتیاں......!'' وہ پاس چلا گیا۔

''آ گئے...... کیوں اتنی دیر لگاتے ہو باہر......؟'' وہ شکوہ کرنے لگی جیسے بالے کی دُوری اب برداشت نہ ہوتی ہو......

''بس! یوں ہی چلا گیا تھا...... آئندہ جلدی لوٹ آیا کروں گا۔'' بالے نے محبت سے جھک کر اُس کو دیکھا۔

''تمہاری آنکھوں میں آنسو......؟'' وہ تڑپ اُٹھا۔

''بالے...... کیا کروں...... وہ شخص مجھے دھمکیاں دیتا ہے...... مار دینے کی۔'' اور بتیاں بری طرح سسک اُٹھی۔

''آج یہاں آیا تھا......؟'' بالے کو غصہ آ گیا۔

''ہاں...... اُسی چکر میں...... آچاری سے چار کروڑ روپیہ جو لے چکا ہے۔'' بتیاں نے آنکھیں صاف کیں۔

''پہلے اپنے موڈ کو ٹھیک کرو...... تمہارے آنسو دیکھ کر میں کچھ نہیں کر سکتا۔'' بالے نے اپنے رُومال کو اُس کی طرف بڑھایا۔ بتیاں نے رُومال پکڑ کر بڑی محبت سے اپنا چہرہ صاف کیا۔

''ہنسو...... ورنہ میں پھر......'' بالے نے کہا۔

''ایسا نہ کہو بالے...... کہیں جانے کا سوچنا بھی نہ...... میری زندگی کا محور صرف تمہی ہو۔'' بڑی اضطرابیت سے بتیاں نے بالے کے شانے پر ہاتھ رکھ دیا۔

''کیسی باتیں کرتی ہو...... تمہاری تلاش میں کہاں کہاں مارا مارا پھرا ہوں...... میں تمہیں چھوڑ کر کہیں اور چلا جاؤں گا...... یہ تو میں تصور بھی نہیں کر سکتا۔'' بالے نے اپنا ہاتھ بتیاں کے نازک ہاتھ پر رکھ دیا۔

''بالے! میں تمہاری ہونا چاہتی ہوں...... ہمیشہ کے لئے......'' وہ چاہت بھری نظر بالے کے خوبصورت تاج محل جیسے مردانہ جسم پر ڈال کر بولی۔

''تم میری تو ہو...... پہلے بھی تھی اور اب بھی......'' وہ بے قرار بتیاں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولا۔

''میں قانونی طور پر تمہاری ہونا چاہتی ہوں۔'' بتیاں نے بے تابی سے کہا۔

''ارے پاگل لڑکی...... محبت کے قانون کے مطابق تو تم میری ہو...... اب آگے کب تک...... جب دنیا اجازت دے......'' وہ ہنس دیا۔

''وہ شخص مجھے آزاد کرے تو ہم باقاعدہ شادی کر لیں گے۔'' وہ زبردست چاہت کے ساتھ بالے کو دیکھ کر بولی۔

''بندہ ہر وقت حاضر ہے...... غلام کا کیا نخرہ؟'' وہ سر کو جھکا کر مؤدب ہو گیا۔

اُس کی اس قدر دلکش حرکت پر بتیاں کھلکھلا کر ہنس دی......

''میں تمہیں اسی طرح ہنستے ہوئے دیکھنا چاہتا ہوں...... خدا کرے تیری شب کبھی تاریک نہ ہو۔'' وہ والہانہ انداز میں بتیاں کی محوِ خواب نشیلی آنکھوں میں جھانکنے لگا۔

''اور وہ جواد جو آسیب کی طرح میری ہستی کے ساتھ چمٹا ہوا ہے؟'' بتیاں خوفزدہ سی ہو گئی۔

''جواد...... اُس کی فکر نہ کرو...... جانِ اقبال...... وہ میری لاش سے گزر کر ہی تم تک پہنچے گا۔'' بالے نے شدید محبت کا احساس دلاتے وارفتہ نظریں بتیاں پر ڈالیں۔

''بالے...... تمہیں قسم ہے اللہ کی...... اپنی موت کا ذکر مت کیا کرو...... مجھے بڑا دکھ ہوتا ہے...... تم...... تم تو......'' وہ چہرہ ہاتھ پر رکھے سسک سسک کر رو دی...... جیسے بچے کو اپنی عزیز ترین شے کھو جانے کا اندیشہ ہو۔

''بتیاں...... بھئی رونا نہیں...... وہ دیکھو! کونجوں کا جوڑا تمہیں حیرت سے دیکھ رہا ہے کہ ہماری مالکن کے آنسو......'' بالے نے زبردستی کہتے ہوئے بتیاں کے ہاتھوں کو چہرے سے ہٹایا...... آنسوؤں سے تر چہرہ...... لاتعداد آنسو اُس کے نرم و گداز ریشمی رُخساروں پر ٹکے ہوئے تھے۔

''اُدھر دیکھو......!'' بالے نے بڑی چاہت کے ساتھ اپنے دونوں ہاتھوں سے اُس کے آنسوؤں کو رُخساروں سے صاف کیا۔

''معاف کر دو بتیاں...... آئندہ ایسی بات نہیں کہوں گا جس سے تمہیں تکلیف ہو۔'' وہ ہاتھ جوڑ کر کھڑا ہو گیا...... جیسے کسی دیوی کے حضور پجاری......''

''بالے...... میں تم سے زندہ ہوں...... تمہاری جدائی کا میں اب تصور بھی نہیں کر سکتی۔'' بتیاں نے بالے کے ہاتھوں کو اپنے ہونٹوں سے لگا کر چوم لیا...... اور بالے نے محبت و اپنائیت کے زبردست احساس سے دیوانہ وار اپنے ہاتھوں کو اُس جگہ سے چوم لیا جہاں بتیاں نے وارفتہ وار پیار کیا تھا۔

''میں کتنی خوش نصیب ہوں کہ تم جیسے شخص کی محبت مجھے ملی......'' وہ مسکرا دی۔

''اور میں تم سے بھی زیادہ خوش نصیب......''

''بیگم صاحب جی! سردی زیادہ ہو گئی...... کمرے میں چلی جائیں۔'' کہیں سے اں کی آواز آئی۔

''ہاں بتیاں! چلو کمرے میں چلتے ہیں...... سردی بڑھ رہی ہے۔'' وہ بالے کے ہ اپنے کمرے میں آ گئی۔

☆☆☆

''بولو...... کیا ضروری بات ہے......؟'' جواد صوفے پر بیٹھتے جھنجھلا کر بولا۔

''مسٹر آچاری نے چار کروڑ کا مطالبہ کر دیا ہے۔'' قدرت اللہ نے ایک لفافہ نکال کر اُس کے سامنے میز پر رکھا۔

''کیا کروں...... بتاؤ......!'' جواد نے لفافہ پکڑ کر پھر میز پر پھینک دیا۔

''تمہیں اُس سے رقم لینی ہی نہیں چاہئے تھی۔'' قدرت اللہ نے کہا۔

''یہ بکواس اُس وقت کرتے۔'' وہ طیش میں آ گیا۔

''میں نے کہا تھا۔'' قدرت اللہ بچنا چاہتا تھا۔

''نہیں...... جو کچھ بھی ہوا، تمہارے ساتھ تمہاری مرضی سے ہوا ہے۔'' جواد نے جوش سے کہا۔

''ریلیکس...... یہ وقت جوش میں آنے کا نہیں...... ہوش میں آؤ!'' قدرت اللہ حسبِ عادت نرمی سے بولا۔

''تو بتاؤ...... کیا کروں؟ مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہا۔'' جواد نے اُسی لہجے میں کہا۔

''اُس کے ہاتھ بہت لمبے ہیں...... اُس کے چار کروڑ واپس کر دو......'' قدرت اللہ نے کہا۔

''میرا کیا بنے گا......؟'' جواد نے آہستہ سے کہا۔

''کچھ بھی بنے...... وہ چار کروڑ لے کر رہے گا۔'' قدرت اللہ نے اُسے خبردار کیا۔

''اس طرح تو میں تہی دست ہو جاؤں گا۔'' جواد نے کہا۔

''جواد......'' قدرت اللہ ایک دم چونک کر بولا۔ ''ایک ترکیب میرے ذہن میں آئی ہے۔ اگر آچاری کے لئے کسی اور ہیروئن کا بندوبست کیا جائے؟'' قدرت اللہ نے آنکھیں پھاڑیں جیسے کامیابی کے دروازے کھل گئے ہوں......

''ایسی کون سی ہیروئن ہے جو بتیاں کا مقابلہ کر سکے......؟'' جواد سوچ سے اُبھرا۔

''اِدھر اُدھر نظر گھماؤ...... کافی خوبصورت لڑکیاں ہوں گی۔'' قدرت اللہ بولا۔

''خیر لڑکی تلاش کر لیں گے...... پہلے آچاری سے پوچھنا ہوگا۔'' جواد بولا۔

''جاپان اور ٹوکیو میں فلم کی تکمیل ہے اُس کی...... خیال ہے سیدھا پاکستان آئے قدرت اللہ نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

''میرا خیال ہے تمہارے دل میں کوئی خیال گردش کر رہا ہے۔'' جواد نے دیکھا بات تے ہوئے قدرت اللہ بہت گہری سوچوں میں اُتر گیا تھا۔

''ہاں یار...... بہت دیر پہلے بھی میرے ذہن میں یہ خیال آیا تھا کہ فیروزہ کیسی رہے ''قدرت اللہ نے پُرمسرت انداز میں میز پر ہاتھ رکھا۔

''اوہ یس...... بڑی دُور کی کوڑی لائے ہو۔'' جواد خوش ہوتے بولا۔

''فیروزہ بڑی منجھی ہوئی اداکارہ ہے...... خوبصورت بھی اور دُبلی بھی......'' قدرت کے چہرے پر بھی رونق لوٹ آئی۔

''اُس کے خدوخال بھی بتیاں کی طرح دلکش ہیں۔'' جواد نے دل ہی دل میں دونوں ازنہ کیا۔

''ہاں...... لیکن رنگ اتنا سفید نہیں...... جتنا بتیاں کا......'' قدرت اللہ بولا۔

''وہ تو میک اَپ سے بدل جائے گا...... تم فیروزہ سے رابطہ کرو......'' ایک دم جواد ت کاٹ کر اپنی بات کو مکمل کیا۔ اُسے کچھ تسلی ہو گئی۔

''میرا خیال ہے غوری سے بات نہ کر لیں...... اُس نے ایک فلم میں اُسے کاسٹ کیا قدرت اللہ نے کہا۔

''نہیں یار...... تم اُس کی کوٹھی جا کر خود بات کرو...... روبرو بات ہو جائے تو اچھا جواد نے چائے بنا کر قدرت اللہ کے سامنے رکھی۔

''میں کل ہی شام کے بعد اُس سے ملوں گا۔'' قدرت اللہ نے گرم گرم چائے کی لی۔

اور دوسرے دن قدرت اللہ اپنی مرسڈیز میں ڈرائیور کے فیروزہ کی عالیشان کوٹھی پر پہنچا...... گاڑی پورچ میں کھڑی ہوئی اور ملازم نے بھاگ ازہ کھول دیا......

''مس فیروزہ سے ملنا ہے مجھے......'' وہ باہر نکلتے ہوئے ملازم سے بولا۔

"وہ تو ابھی سٹوڈیو سے واپس نہیں آئیں۔" ملازم نے کہا۔

"مجھے ضروری ملنا ہے۔" وہ ملازم کے ساتھ آہستہ آہستہ چلتا ہوا بولا۔

"آپ تشریف رکھئے صاحب..... آنے ہی والی ہیں مِس صاحبہ....." ملازم نے ڈرائنگ رُوم کا پردہ اُٹھایا۔

"آپ تشریف رکھئے..... میں آپ کے لئے بڑی اچھی سی چائے لاتا ہوں۔" ملازم بے تکلف بولا۔

"نہیں نہیں بھائی..... چائے کی ضرورت نہیں ہے۔" وہ انکار کرتے بولا۔

عین اُسی وقت فیروزہ گاڑی سے اُتری..... ملازم کے کہنے پر سیدھی ڈرائنگ رُوم میں داخل ہوگئی۔

"آداب.....!" قدرت اللہ کھڑے کھڑے ہی مسکرا کر بولا۔

"آداب..... قدرت اللہ صاحب! آج کیسے راستہ بھول پڑے آپ۔" فیروزہ ہنستی ہوئی سامنے صوفے پر دراز ہوگئی۔ قدرت اللہ اُسے بیٹھتا دیکھ کر خود بھی بیٹھ گیا۔

"ارے نہیں..... راستہ نہیں بھولا..... آپ تو ہمہ وقت ہمارے دلوں پر راج کرتی ہیں۔" قدرت اللہ نے حسب عادت بڑے شستہ الفاظ کے ساتھ فیروزہ کی پذیرائی کی۔

"کوئی خاص بات ہے جو آپ نے اِس غریب خانہ پر قدم رنجہ فرمایا؟" فیروزہ بہت ادراک رکھنے والی ایکٹریس تھی۔ وہ جانتی تھی کہ جب تک بتیاں کام کرتی رہی ہے، ان لوگوں نے کبھی بھول کر بھی اِس طرف کا رُخ نہیں کیا۔ بلکہ کسی اور کو بھی لفٹ نہیں کروائی۔

"ارے نہیں..... ایسی بات نہیں ہے..... آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ دراصل کام کی مصروفیات میں وقت نہیں ملا۔" وہ ہنس دیا۔

"خیر..... اب فرمایئے..... آج کس لئے تشریف لائے؟" وہ ہنس دی۔

"فیروزہ صاحبہ! ہم لوگوں کا متفقہ فیصلہ ہے کہ گنگا جل میں آپ کو اجے کے مقابل میں ہیروئن لیا جائے۔" قدرت اللہ نے بڑے غور سے فیروزہ کی طرف دیکھا۔

"مجھے.....؟ یہ کیا کہہ رہے ہیں آپ..... میں سمجھی نہیں۔" فیروزہ حیرت و استعجاب کے عالم میں قدرت اللہ کے چہرے کو دیکھتی رہی۔

"ہم لوگ بلکہ آچاری سمیت سب آپ کو ہیروئن لینا چاہتے ہیں۔" قدرت اللہ نے پھر اپنے الفاظ پر زور دیا۔

"آپ شاید بھول رہے ہیں..... گنگا جل میں آپ نے بتیاں کو کاسٹ کیا تھا۔" اُسے یاد آیا۔

"آپ بھول رہی ہیں۔ کاسٹ نہیں کیا تھا..... کسی پرابلم کی وجہ سے بات ٹل گئی تھی..... یاد پڑتا ہے مسٹر آچاری جاپان چلے گئے تھے۔"

"وہ واپس آگئے.....؟" فیروزہ نے کسی خیال کے تحت کہا۔

"بس! آنے ہی والے ہیں..... اُنہوں نے ہیروئن کی تلاش کی ذمہ داری جواد پر ڈال رکھی ہے..... کیونکہ وہ گنگا جل کے لئے کسی غیر ملکی اداکارہ کو ہی لینا چاہتے ہیں۔"

"مسٹر آچاری کسی جاپانی کو منتخب کرلیں..... اچھی لڑکیاں ہیں جاپان میں۔" فیروزہ نے کہا۔

"اچھی تو ہیں..... لیکن اُردو روانی سے کہاں بولنی آتی ہے؟" قدرت اللہ نے کہا۔

"اُردو تو میری بھی بڑی کمزوری ہے۔"

"خیر..... اِس بات کو چھوڑیں..... آپ گنگا جل میں کام کریں۔" قدرت اللہ نے اپنے الفاظ میں اصرار پیدا کیا۔

"کتنا معاوضہ ہوگا.....؟" وہ فوراً بولی۔

"جتنے لاکھ آپ کہیں گی۔" قدرت اللہ کے اندازے کے مطابق فیروزہ چار پانچ لاکھ پر مان جائے گی۔

"آپ لاکھ کی بات کر رہے ہیں..... بتیاں کے لئے آپ اور جواد صاحب نے چار کروڑ وصول کیا۔" فیروزہ کو جیسے آگ سی لگ گئی۔

"وہ تو کسی وجہ سے بات ختم ہوگئی۔ اب نئے سرے سے سب کچھ ہو رہا ہے۔" قدرت اللہ کو موقع پر کوئی بات نہ آئی۔

"میں سب جانتی ہوں..... بتیاں نے مسٹر آچاری کی فلم میں کام کرنے سے کیوں انکار کیا..... آپ کو شاید علم نہیں، جواد اور بتیاں کی کہانیاں گھر گھر فلمی حلقوں میں دُہرائی جا رہی ہیں۔ اور جو جواد نے اُس بیچاری کے ساتھ کیا..... وہ بھی میں جانتی ہوں....."

"اب آپ کی کیا مرضی ہے..... وہ جواد اور بتیاں کا گھریلو معاملہ ہے۔" قدرت اللہ کو فیروزہ کی تقریر ناگوار گزری۔

"میں چند لاکھ میں سمجھوتہ نہیں کرسکتی..... آپ جانتے ہیں ایک ہندو کی فلم میں کام

کرنا کس قدر رسک کی بات ہے۔'' فیروزہ نے کہا۔

''رسک تو تب ہوتا کہ فلم ہندوستان میں بنے...... جب کہ گنگا جل جاپان میں بن رہی ہے۔'' قدرت اللہ نے کوشش کی کہ وہ کسی طریقے سے مان جائے۔

''جاپان میں تو چلے گی...... کیا آچاری ہندوستان میں ریلیز نہ کرے گا؟'' فیروزہ نے کہا۔

''اپنے ملک میں وہ ریلیز تو کرے گا۔'' قدرت اللہ نے کہا۔

''تو پھر قدرت اللہ صاحب...... رسک والی بات ہے نا......'' فیروزہ معاوضے پر آنا چاہتی تھی۔

''آپ معاوضے کی بات کریں...... رسک والی بات بعد میں دیکھی جائے گی۔'' قدرت اللہ کچھ کوفت محسوس کرنے لگا تھا۔

''ٹھیک ہے...... ایک کروڑ سے کم نہیں لوں گی۔'' فیروزہ نے کہا۔

''ایک کروڑ...... کہاں پہنچ گئیں آپ...... ایک کروڑ بڑی رقم ہے۔'' قدرت اللہ کو حیرت ہوئی۔

''یہ میں نے صحیح بتایا ہے...... میں ایک کروڑ سے کم نہیں لوں گی۔'' فیروزہ نے جیسے اٹل فیصلہ کیا ہو۔

''ٹھیک ہے...... میں مسٹر آچاری سے بات کرلوں گا...... اگر اُن کو منظور ہوا تو مزید بات ہو جائے گی۔'' قدرت اللہ کہتے ہوئے کھڑا ہو گیا۔

''ارے بیٹھیے نا...... باتوں باتوں میں خیال ہی نہ رہا کہ کھانے کا ٹائم ہے۔'' وہ ازراہ ندامت ہنس دی۔

''نہیں نہیں...... کھانے کی ضرورت نہیں ہے...... میں اب چلتا ہوں۔'' وہ باہر نکلتا ہوا بولا۔

''اگر ملنا ہو تو کس وقت گھر پر موجود ہوں گی آپ؟'' قدرت اللہ اپنی گاڑی میں بیٹھتا ہوا بولا۔

''میں نو بجے کے بعد گھر پر ہی موجود ہوتی ہوں۔'' فیروزہ نے کہا۔

''او کے......'' قدرت اللہ نے کہا اور ڈرائیور نے گاڑی سٹارٹ کر دی۔

دوسرے دن قدرت اللہ سیدھا جواد کے دوسرے گھر حمیرا کی

کوٹھی پہنچا...... وہاں سے معلوم ہوا کہ وہ ابھی گھر نہیں لوٹا۔ چنانچہ گاڑی کا رُخ دفتر کی طرف موڑ دیا۔

اندر جا کر قدرت اللہ نے آہستہ سے دروازے پر دستک دی......

''آؤ یار...... مجھے تمہارا شدت سے انتظار ہے۔ معلوم ہوا ہے کہ آچاری جاپان سے پاکستان آچکا ہے۔'' جواد بری طرح چونک کر بولا۔

''پہلے چائے...... پھر بات ہوگی۔'' حسب عادت قدرت اللہ بیٹھتے ہوئے بولا۔

''اوہو...... بڑے کمینے ہو۔'' زچ ہو کر جواد نے ریسیور کان سے لگایا۔ ''دو چائے اچھی سی......''

ساتھ کھانے کے لئے بھی۔'' قدرت اللہ فوراً بولا۔

''ارے بھئی کچھ کھانے کے لئے بھی...... صدیوں کا بھوکا شخص موجود ہے۔'' جواد نے ٹھک سے ریسیور رکھا۔

''ہاں بتاؤ...... کام بنا......؟'' جواد نے بڑی اُمید سے کہا۔

''کام تو بن گیا...... لیکن معاوضہ بڑا مانگ رہی ہے۔'' قدرت اللہ نے کرسی سے ٹیک لگا لی۔

''کتنا......؟'' جواد نے پوچھا۔

''ایک کروڑ۔'' قدرت اللہ فوراً بولا۔

''ایک کروڑ...... اس قدر زیادہ...... لیکن اُس کا معاوضہ تو اس قدر زیادہ نہیں ہے۔'' جواد حیران رہ گیا۔

''وہ بتیاں کی وجہ سے فائدہ اُٹھانا چاہتی ہے۔'' قدرت اللہ نے کہا۔

''فلم انڈسٹری میں جو کچھ ہوتا ہے...... ہر شخص کو علم تو ہوتا ہے نا۔'' جواد بولا۔

''بالکل...... وہ سب جانتی ہے...... تمہارے اور بتیاں کے بارے میں...... جو کچھ ہوا یا جو ہو رہا ہے...... اُسے سب علم ہے۔''

''سارا معاملہ بتیاں کی وجہ سے چوپٹ ہو گیا۔ اچھا بھلا کام چل رہا تھا۔'' جواد بولا۔

''تم نے بھی اچھا نہیں کیا بتیاں کے ساتھ۔'' ایک دم قدرت اللہ کے منہ سے نکل گیا۔

''کیا کہا تم نے...... ذرا دوبارہ بولو......'' جواد کو غصہ آ گیا۔

''ارے یار ناراض مت ہو...... میرا مطلب ہے حکیم زرداری سے زہریلی دوائی

پلانے کی کیا ضرورت تھی؟ شادی کے بعد عورت کی خواہش اولاد ہے۔'' قدرت اللہ بولا۔

''میں بتیاں سے اولاد نہیں چاہتا تھا۔'' جواد ڈھٹائی سے بولا۔

''اس بارے میں بھی تمہیں بتیاں سے معاہدہ کرنا چاہئے تھا۔'' قدرت اللہ ہنس دیا۔

''تم بکواس بند کرو...... اور کام کی بات کرو۔'' جواد بولا۔

''بولو...... کیا سننا چاہتے ہو...... تمہارے نزدیک کون سی کام کی بات ہے؟'' قدرت اللہ نے اندر آتے ملازم کو دیکھا جو چائے لا رہا تھا۔

''بات یہ ہے کہ آخر تم فیروزہ سے کیا معاہدہ کر کے آئے ہو...... کیا وہ ایک کروڑ ہی لے گی؟'' جواد نے ٹرے اپنے سامنے رکھی۔

''تم جاؤ...... میں خود بنا لوں گا۔'' قدرت اللہ نے اُس کے ہاتھ سے ٹرے پکڑلی۔

''وہ ایک کروڑ سے کم نہیں لے گی۔ اُس کی بات پکی ہے......'' قدرت اللہ نے چائے بنا کر جواد کے سامنے رکھی۔

''اتنا فخر ہے اُسے اپنے آپ پر......؟ جواد نے کہا۔

''بھی اُس کی مانگ بڑھ رہی ہے...... بتیاں کی غیر موجودگی فیروزہ کے لئے بہتر ثابت ہوئی ہے۔'' قدرت اللہ نے کہا۔

''تم نے اُس سے کم کی بات نہیں کی؟'' جواد ایک دم بولا۔

''ایک بات تو بتاؤ یار!'' قدرت اللہ بولا۔

''پوچھو...... لیکن کام کی بات پوچھنا...... فضول باتوں میں پہلے ہی بہت برباد ہوا ہوں۔'' جواد نے کہا۔

''بات یہ ہے کہ فیروزہ کے معاوضے میں کمی یا زیادتی سے تمہیں کیا فائدہ پہنچے گا؟'' قدرت اللہ نے پوچھا۔

''مجھے...... تو سنو! چار کروڑ میں معاوضہ دے کر باقی رقم آچاری کے ساتھ اُس کی فلم میں لگاؤں گا۔ بزنس بزنس رہے گا......'' جواد بڑا مطمئن بولا۔

''یہ تمہاری بھول ہے...... وہ ہندو بنیا ہے۔ کبھی دھوکہ نہیں کھا سکتا۔'' قدرت اللہ نے زور لگا کر بات کی۔

''اچھا...... دیکھیں گے۔'' جواد نے کہا۔

جواد کے لئے اتنی رقم لوٹا دینا معمولی بات نہ تھی...... وہ چار کروڑ کے آٹھ کمانا چاہتا

تھا...... بتیاں کی وجہ سے اُسے روپیہ وصول کرنے کی عادت سی پڑ گئی تھی۔ کام وہ کرتی اور رقم وہ بٹورتا رہا...... وہ بتیاں ہی کی وجہ سے کروڑوں کے سودے کرتا رہا۔ بلکہ بتیاں نے بحیثیت شوہر اُسے اتنی اجازت دے دی تھی کہ اکثر فلموں کے معاوضے کی بات وہ خود کرتا۔ بتیاں اُس کے لئے ایسا پتھر ثابت ہوئی جسے پارس کہنا بہتر ہوگا...... بتیاں نے بھی جس کو ہاتھ لگایا وہ چیز سونا ہی بن گئی...... گھر سے نکالا ہوا رئیس زادہ پائی پائی کا محتاج جب اس قدر دولت کی چھنک دیکھنے لگا تو اُس کے ہوش اُڑ گئے۔ پھر وہ بتیاں کا استحصال کرنے لگا...... اُس کی ممتا کو بھی دولت کے ترازو میں تولنے لگا...... وہ بتیاں کو صرف نوٹ چھاپنے کی مشین سمجھنے لگا...... جب خود غرضی اس حد تک بڑھی تو بتیاں کو ایسے شوہر سے نفرت ہونے لگی...... پہلے پہلے اُس نے اپنی نفرت کا اظہار اس قدر جلد نہ کیا۔ لیکن جب اُس نے سب کچھ دیکھ لیا تو اُسے جواد سے گھن آنے لگی...... ایسا شخص جسے خود اپنے وجود کا احساس نہ ہو...... وہ اپنا گلا گھونٹ کر دنیاوی راحت خریدنا چاہتا ہو...... یہی بات بتیاں کو اذیت پہنچاتی رہی کہ جواد! تم کیسے انسان ہو...... تمہیں بیوی سے زیادہ دولت کی اور دولت سے زیادہ تمہیں کسی کی ضرورت نہیں...... حتیٰ کہ اپنے بچے کو مار دیا تم نے...... تم نے دولت کے عوض اپنی نسل کو تباہ کر دیا...... کیا یہ دولت روزِ محشر تمہیں سکون دے گی...... تمہارے گناہوں میں تخفیف کرا دے گی؟ نہیں...... تم سے خدا پوچھے گا...... تم نے ایسا کیوں کیا...... جواد! تمہیں کتنی دولت چاہئے تھی...... مجھ سے کہا ہوتا......

''بیگم صاحب جی...... بیڈ روم میں صاحب بیٹھے ہیں۔'' حراساں صورت بنائے صابراں نے لان کا زینہ اُترتے بتیاں سے کہا۔

''کون......؟'' وہ ساکن سی ہو گئی...... صابراں کے الفاظ اُس کی ساعت سے ٹکرائے لیکن گڈ مڈ سے ہو کر......

''صابراں! کون آیا ہے؟'' وہ کھڑے ہوتے ہوئے اپنی فیروزی باریک ساڑھی کا پلو سینے پر پھیلاتے بولی۔

''بیگم صاحب جی...... صاحب بیٹھے ہیں۔'' صابراں نے پھر کہا۔

''جواد کی بات کرتی ہو......؟'' بتیاں کے دماغ کی نسیں جیسے جھنجنا اُٹھیں۔

''ہاں جی...... وہی۔'' صابراں نے بتیاں کو بڑے حیران کن انداز سے دیکھا۔

''بالا کہاں ہے......؟'' وہ گھبراہٹ محسوس کرنے لگی۔

''وہ باہر گیٹ پر خان بابا کے ساتھ گپ شپ لڑا رہا ہے۔'' صابراں نے جواب دیا۔

''خان بابا نے جواد کو اندر کیوں آنے دیا؟'' وہ پژمردہ سی بولی۔

''بیگم صاحب جی...... کیسے روکتا جی...... ابھی تو آپ کے خاوند ہیں نا......'' صابراں نے حقیقت بیان کر دی۔

''وہ خاوند میرا اگلا دبا کر چلا جائے گا اور تم سب بیٹھے رہنا۔'' وہ ناگواری سے بولی۔

''اللہ نہ کرے...... کسی کی جرات ہے کہ آپ کا بال بھی بیکا کرے...... ہم تو جی اپنی جان پر کھیل جائیں گے۔'' صابراں نے سینے پر ہاتھ مارا۔ اور بتیاں ہنس دی۔

''ہاں بیگم صاحب جی...... ہم نمک حرام نہیں...... نمک حلال ہیں...... آزما کے دیکھ لیں بیگم صاحب جی!''

''اچھا اچھا...... تم بالے کو کہو بیڈ روم سے باہر لان میں بیٹھے۔'' وہ کمرے کی طرف جاتے ہوئے بولی۔

''ٹھیک ہے جی!'' صابراں نے کہا۔

بتیاں آہستہ سے کمرے کے ریشمی دبیز پردے اُٹھا کر اندر داخل ہوئی۔ ''کیسے آئے ہو...... اور کیوں......؟'' وہ اندر جاتے جواد کو کھڑے دیکھ کر بولی۔

''ایسے سوال کرنے کی ابھی تم مجاز نہیں ہو۔'' وہ بڑے سکون سے بولا۔

''کیا مطلب......؟'' وہ ساڑھی کا پلو اپنے گرد لپیٹتے صوفے پر بیٹھ گئی۔

چند لمحے جواد نے بتیاں کے سراپا کو دیکھا...... اُس کی صحت میں کوئی فرق نہیں آیا تھا...... وہ ہمیشہ کی طرح تر و تازہ اور فصل بہاراں کے رنگین پھولوں کی طرح نظر آ رہی تھی۔

''مطلب یہ ہے کہ میں تمہارا شوہر ہوں۔ اس طرح یہ میرا گھر ہے۔'' وہ جیسے منوانا چاہتا تھا۔

''میں تمہیں ہرگز تسلیم نہیں کرتی...... اور نہ ہی یہ تمہارا گھر ہے۔'' وہ تلخ ہو گئی۔

''تمہارے تسلیم کرنے یا نہ کرنے سے کیا ہوتا ہے...... قانونی طور پر میں تمہارا شوہر کہلاتا ہوں۔'' وہ ہوں پر زور لگا کر سامنے بیٹھ گیا۔

''رشتے ماننے سے بنتے ہیں...... کہلوانے سے نہیں۔'' وہ برجستہ بولی۔

وہ اس قدر رنڈر ہو جائے گی...... جواد نے اس کا تو تصور بھی نہ کیا تھا۔

''تو تم مجھے اپنا شوہر نہیں مانتی؟'' وہ چونکا۔

''نہیں۔ میرا تمہارا کوئی رشتہ نہیں ہے۔ تم یہاں مت آیا کرو۔'' وہ جوش سے بولی۔

''رشتہ اُس وقت ٹوٹے گا جب میں توڑوں گا۔'' وہ طنزاً مسکرا کر بولا۔

''اس بھول میں مت رہو...... عنقریب تمہارا غرور خاک میں مل جائے گا۔'' وہ جوش سے کھڑی ہو گئی۔

''خیر! یہ تو وقت ہی بتائے گا۔ میں تم سے اکاؤنٹ علیحدہ کرنا چاہتا ہوں۔'' وہ بولا۔

''کون سا اکاؤنٹ......؟'' وہ حیران سی رہ گئی۔ وہ بھول ہی گئی تھی کہ کبھی دونوں میاں بیوی کا جوائنٹ اکاؤنٹ تھا۔

''میں تمہارے کسی اکاؤنٹ کی بات نہیں کر رہا...... صرف وہ اکاؤنٹ جو تمہارا اور میرا جوائنٹ ہے۔''

''اوہ...... میں سمجھ گئی...... ہاں! کسی زمانے میں تمہارا اور میرا اکٹھا اکاؤنٹ تھا......'' بتیاں کو ایک دم یاد آ گیا۔

''تمہاری اُس میں کتنی رقم ہے......؟'' وہ ظالمانہ انداز میں بولی۔

''بہت رقم ہے...... اکٹھے جمع کرواتا تھا۔'' وہ گھگھیاتے ہوئے بولا۔

''تمہارے صرف چند لاکھ روپے ہیں...... اور باقی تمام رقم میری ہے۔'' وہ بے باک انداز میں بولی۔

''کیا کہہ رہی ہو تم......؟'' جواد سیخ پا ہو گیا۔ ''میرے چند لاکھ......'' وہ غرایا۔

''سوچ لو......'' وہ ظلم کی تلوار تانے کھڑی تھی۔ ''تم سوچو...... جو کچھ تم نے کمایا...... کس کی وساطت سے کمایا......؟'' وہ اکڑ گئی۔

''زہریلی ناگن...... معاشرے کی گھٹیا قوم...... آ گئی نا اپنی اوقات پر...... دولت کی پجارن......'' وہ اُس کی طرف بڑھا...... اس قدر روپے کھو جانے پر وہ آگ بگولا ہو گیا...... اُس کے تن بدن میں آگ سی لگ گئی۔

''تمہاری اِس گالی پر میں شرمسار نہیں ہوں...... کیونکہ معاشرے کی یہ قوم تم مردوں نے بنائی ہے...... تم لوگوں نے لوٹا ہے اس ایکٹریس کو...... بچپن سے اب تک تم مرد آستین کے سانپ میرے احساسات میرے جذبات کو دولت کی ہوس میں ڈستے رہے...... بڑے ناگ تو تم تھے...... جس نے ڈسنے کے نئے طریقے ایجاد کیے......''

''بکواس بند کرو...... میں تمہیں۔'' وہ اپنا بھرپور تھپڑ اُسے مارنے کے لئے بڑھا......

''خبردار...... بتیاں کو ہاتھ نہ لگانا......'' اسی اثناء میں بالا کھٹاک سے اندر آیا اور بتیاں کے آگے کھڑا ہو گیا۔

جواد کا جوشیلا ہاتھ نیچے گر گیا۔ ''اچھا...... تم ہو...... جو سائے کی طرح اِس کے ساتھ رہتے ہو...... نمک حرام...... ایک ملازم کی یہ جرات......'' وہ طنزاً مسکرایا۔

''ہاں...... میں بتیاں کا سایہ ہوں......'' بالے نے جوش سے کہا۔

''تمہیں میاں بیوی کے درمیان آنے کی ضرورت نہیں۔'' جواد ذرا نرم لہجے میں بولا۔

''مت اِس پاکیزہ رشتے کا نام لو...... اور تم کیسے شوہر ہو جب آتے ہو اسے رُلا کر چلے جاتے ہو...... کیا یہی رشتہ ہے تمہارا کہ تم اسے ذہنی اذیت دیتے رہو......؟'' بالا بری طرح گرجا۔ بتیاں اُس کی اوٹ میں چھپی سسکتی رہی۔

''بائی دی وے...... تمہاری حیثیت کیا ہے......؟'' وہ ایک ابرو چڑھا کر طنزیہ انداز میں بڑے رکیک لہجے میں بولا۔

''تمہیں ابھی تک علم نہیں ہوا...... میں بتیاں کا سایہ ہوں...... اور بتیاں تک پہنچنے کے لئے تمہیں سائے پر پاؤں تو رکھنا ہی پڑے گا نا......'' بالا اس طرح مسکرایا جیسے جواد کا مذاق اُڑا رہا ہو۔

''ہوں...... میں اس فضول بحث میں نہیں پڑنا چاہتا...... میں جس کام کے لئے آیا ہوں...... وہ ہونا چاہئے۔'' وہ اپنی طرف سے بارعب انداز میں بولا۔

''دھمکی نہیں چلے گی...... کون سے کام آئے ہیں جواد صاحب......؟'' بالے نے کہا۔

''جوائنٹ اکاؤنٹ علیحدہ کروانا چاہتا ہے۔'' بتیاں نے بالے کی طرف دیکھ کر کہا۔

''تو کس نے روکا ہے...... بتیاں! اِس کا کوئی طریقہ کار تو ہوگا۔'' بالے نے کہا اور جواد نے دانت کچکچاتے بالے کی اوٹ میں چھپی بتیاں کو دیکھا۔

''یہ نصف رقم لینا چاہتا ہے۔'' بتیاں نے کہا۔

''تو دے دو...... تمہارے پاس کس چیز کی کمی ہے......؟'' بالے نے پلٹ کر اپنائیت سے کہا۔

''نہیں دُوں گی...... اس نے بہت لوٹا ہے مجھے...... یہ ایک کوڑی کا بھی حق دار نہیں ہے۔'' بتیاں نے جواد کو نفرت سے دیکھا۔

''جواد صاحب! آپ اس وقت جائیں...... میں سمجھا لوں گا...... اُمید ہے کہ آپ

نصف رقم لینے میں کامیاب ہو جائیں گے۔'' بالے نے نرمی سے کہا۔

''ہنہ......'' اور جواد باہر نکل گیا۔

''بالے! میں ایک پائی بھی اُسے نہیں دُوں گی...... وہ بطور شوہر بڑی رقم کھا چکا ہے...... میں اب اور رقم نہیں دُوں گی۔'' بتیاں نے کہا۔

''یہاں بیٹھو...... شاباش...... سکون سے...... گھبرانے کی ضرورت نہیں...... میں جو ہوں...... تمہاری ساری پریشانیاں میں لے لوں گا۔'' بالے نے نہایت اپنائیت اور محبت سے بتیاں کو دونوں شانوں سے تھام کر اپنے قریب خوبصورت آرائشی کرسی پر بٹھا دیا۔

جب ضبط کا بندھن ٹوٹ جائے تو بڑے بڑے قلزم بھی طوفان اُگلنے لگتے ہیں...... بتیاں نے بھیگی پلکیں اُوپر اُٹھائیں...... اور بالے کے ہاتھ پکڑ کر اپنے چہرے سے لگائے اور پھوٹ پھوٹ کر رو دی......

وہ خاموش کھڑا رہا...... کہ بادل کھل کے برس جائے تو غبار ڈھل جائے گا...... وہ نہ جانے کب سے بھری ہوئی تھی...... جب سسکیاں مدھم ہوئیں تو بالے نے جھک کر اُس کے چہرے کو اپنے رُومال سے صاف کیا۔

''بالے...... مجھے ایسی جگہ لے چلو...... جہاں یہ شخص نہ ہو...... اس کا وجود نہ ہو...... مجھے نفرت ہے اس سے۔'' وہ بے کل اضطراریت کی ملی جلی کیفیت کے ساتھ بالے سے لپٹ گئی۔

''میری جان...... تمہیں دل گرفتہ ہونے کی ضرورت نہیں...... پانی پیو!'' بالے نے لپک کر قریبی میز پر رکھے جگ سے پانی شیشے کے گلاس میں اُنڈیلا اور بڑی محبت سے اُس کے ہونٹوں سے لگایا...... وہ ایک ہی سانس میں پورا گلاس خالی کر گئی۔

''بالے...... کاش اس سے پہلے تم مل جاتے تو تقدیر رنگوں ہو جاتی۔'' وہ بڑی ویران نظروں سے بالے کو دیکھ کر بولی۔ بالے کو حاصل کرنے کی کتنی آس...... کتنی اُمید تھی۔

''تقدیر کا شکوہ نہ کرو بتیاں...... قدرت کو جو منظور ہوا بہتر ہی ہوا......'' وہ ایک ہاتھ سے بتیاں کے ریشمی بال سلجھاتے ہوئے بولا...... جیسے بچے کو پچکار رہا ہو......

''بالے...... اب میں کیا کروں......؟'' وہ بے بس سی بولی۔

''اس موضوع پر اب بلکہ اس وقت کوئی بات نہیں ہوگی۔'' بالے نے کہا۔

''آنٹی صابراں......'' وہ خود دوسری کرسی پر بیٹھتے صابراں کو پکارنے لگا۔

''ہائے...... خیریت ہے نا...... اللہ معافی...... چلا گیا......'' صابراں نے کھڑکی سے جھانک کر دیکھا۔

''صابراں...... تمہارا شوہر بھی ایسا تھا؟'' بتیاں نے پوچھا۔

''دفعہ کرو بیگم صاحب جی...... سارے شوہر ایک جیسے ہی ہوتے ہیں...... فرق یہ ہے کہ آپ پیسے والی ہیں...... دھکے دے کر نہیں نکال سکتا...... میں غریبنی مورکھ ناری...... اُس نے مجھے دھکے دے کر گھر سے نکال دیا......'' اس کے ساتھ ہی صابراں آنچل منہ پر رکھے خالص جاہلانہ انداز میں رونے لگی...... بتیاں کی بے ساختہ ہنسی نکل آئی۔

''اوہو...... ایک گھنٹہ بتیاں کو چپ کروانے میں لگا...... اب آنٹی صابراں! تم بھی رونے لگی...... میں بیچارہ تو مارا گیا نا۔'' وہ کھڑا ہو کر صابراں کے چہرے سے ہاتھ ہٹا کر بولا۔

''ہائے اللہ بالے! مجھے اُس کا ظلم یاد آتا ہے۔'' وہ آنچل سے چہرہ صاف کرتے بولی۔

''صابراں......'' بتیاں نے کہا۔

''جی بیگم صاحب جی......؟''

''تم نے اُسے چھوڑ دیا ہے نا؟'' بتیاں نے سوال کیا۔

''دُور کر دیا بیگم صاحب جی...... اب تو اُس کا نام بھی نہ لوں۔'' صابراں بڑے مضبوط الفاظ ادا کرتے بولی۔

''تو پھر اُس کے ظلم بھی یاد نہ کیا کرو۔'' بتیاں نے اُس کو مطمئن کرنا چاہا۔

''ٹھیک ہے بیگم صاحب جی...... یاد تو مجھے کبھی نہیں آیا...... آج آپ کو اُداس دیکھ کر وہ نگوڑا بھی یاد آ گیا۔''

''بس بس آنٹی صابراں...... سب دُکھ درد والی باتیں چھوڑو اور رمضانی بابا کو کہو اچھی سی چائے بنائے...... کیوں بتیاں...... پیو گی......؟'' وہ اُس سے جیسے مشورہ لینے لگا۔

''ضرور پیوں گی...... اِس خلوص اور محبت کو میں رد نہیں کر سکتی۔'' وہ ہنس دی۔

''ٹھیک ہے بیگم صاحب جی...... میں گئی......'' صابراں پلو جھٹک کر باہر نکل گئی۔

اُدھر جواد آنکھوں میں خون بھرے طیش میں اپنے آفس پہنچا......

''کیا ہوا......؟'' قدرت اللہ چونک کر کھڑا ہو گیا۔

''میں اُسے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔'' وہ دانت کچکچا کر سامنے کرسی پر بیٹھ گیا۔

''جھگڑا ہو گیا کسی سے...... کس سے......؟'' قدرت اللہ بیٹھتے ہوئے بولا۔

''میں بتیاں کے پاس گیا تھا۔'' جواد نے بالوں کو پیشانی سے ہٹایا۔

''پھر...... کوئی معاملہ طے پایا......؟'' قدرت اللہ کو اُمید نظر آئی۔

''نہیں...... وہ پہلے سے بھی زیادہ کافر ہو گئی ہے...... عورت کا اتنا بھیانک رُوپ میں نے آج دیکھا ہے...... وہ فرعون بن چکی ہے......'' جواد نے کرسی کی پشت سے تھکے تھکے انداز میں ٹیک لگا لی۔

''بتیاں سے ایسی اُمید تو نہیں کی جا سکتی۔'' قدرت اللہ کو حیرت ہوئی۔

''ایک وہ...... اُس کا ہمدرد اقبال...... نہ جانے کہاں سے ٹپک پڑا ہے۔'' جواد کو پھر غصہ آ گیا۔

''بتیاں کا عزیز ہو گا۔'' قدرت اللہ نے کہا۔

''عزیز تو بہت دیکھے ہیں، لیکن ایسا چاہنے والا نہیں دیکھا......'' جواد نے دانت پیسے۔

''چاہنے والا...... کیا بکواس کر رہے ہو؟'' قدرت اللہ ہنس دیا۔

''ارے یار! سمجھا کرو...... وہ اُس کا ایک مدت سے عاشق ہے۔'' جواد بولا۔

''تمہیں کیسے معلوم......؟'' قدرت اللہ نے فائلیں ایک طرف رکھیں۔

''مجھے سب معلوم ہے...... اِرد گرد کے حلقوں میں یہ بات پھیل چکی ہے کہ بتیاں مجھ سے طلاق لے کر اُس لنگڑے سے شادی کرے گی۔'' جواد کا اندازہ چھوٹا سا تھا۔

''لنگڑا تو ہے...... لیکن بہت ہی خوبصورت نوجوان ہے...... بتیاں کے پاس رہنے سے اُس کی صحت پر خاطر خواہ اثر پڑا ہے۔'' قدرت اللہ نے کہا۔

''کچھ بھی ہے...... میں ایسا نہیں ہونے دُوں گا...... اگر ہو گیا تو...... میں......'' جواد خاموش ہو گیا۔

''جب تم بتیاں کو آزاد نہیں کرو گے تو وہ اُس سے شادی نہیں کر سکتی۔'' قدرت اللہ نے جواد کو اطمینان دلایا۔

جواد خاموش دیکھتا رہا...... وہ ایسے دوراہے پر کھڑا تھا...... جہاں سے کوئی بھی راستہ اس کے لئے سود مند ثابت نہیں ہو سکتا تھا...... وہ خاموش...... کھنچا ہوا بیٹھا رہا......

☆☆☆

''مجھے فیروزہ نہیں چاہیے۔'' مسٹر آچاری نے صوفے پر پیچ و تاب کھاتے ہوئے کہا۔

''آچاری صاحب! فیروزہ اچھی اداکارہ ہے...... آپ اُس سے مل کے تو دیکھیں۔''

جواد نے کہا۔

''مجھے نہیں ضرورت...... آپ ابھی اسی وقت چار کروڑ میرے حوالے کیجئے۔'' مسٹر آچاری سیخ پا ہو گیا۔

''آپ کمال کرتے ہیں...... اس وقت کس طرح چار کروڑ مل سکتا ہے......؟'' جواد جھلا کر بولا۔

''کیوں نہیں مل سکتا...... میں نے ہیروئن کا معاوضہ دیا تھا...... کاروبار میں لگانے کے لئے نہیں۔'' مسٹر آچاری تیز ہو گیا۔

''ضروری ہے کہ آپ بتیاں سے ہی کام کروانے پر تلے ہوئے ہیں...... اور بھی حسین سے حسین لڑکیاں موجود ہیں۔'' جواد نے کوشش کی کہ آچاری مان جائے۔

''میرے اپنے ملک میں بہت لڑکیاں ہیں...... مسئلہ صرف غیر ملکی لڑکی کا ہے......سو حل ہو گیا ہے۔'' مسٹر آچاری کو جاپانی نازک کومل پنگ سام یاد آ گئی۔

''جاپانی لڑکی......؟'' جواد کو اُمید ٹوٹتی نظر آئی۔

''جی ہاں...... وہ بہت اچھی اُردو بول اور لکھ سکتی ہے۔'' مسٹر آچاری تفاخر سے بولا۔

''لیکن بتیاں کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔'' جواد نے احساس دلایا۔

''ٹھیک کہتے ہیں آپ...... لیکن جب بتیاں آپ کے اختیار میں ہی نہیں تو فائدہ؟''

مسٹر آچاری نے جیسے لعنت کا طوق جواد کے گلے میں ڈال دیا ہو۔

''کیا مطلب...... میں سمجھا نہیں۔'' وہ ندامت آمیز انداز میں مسکرا کر بولا۔

''آپ جانتے ہیں کہ بتیاں سے آپ کا جھگڑا چل رہا ہے...... مجھے یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ وہ میری فلم میں کام کرنا ہی نہیں چاہتی۔'' آچاری جوش سے بولا۔

''یہ کس نے کہا......؟'' جواد چونکا۔

''کس نے کہنا ہے...... اداکارہ کی زندگی تو کھلی کتاب ہوتی ہے...... معلوم ہو جاتا ہے......بس! مجھے رقم چاہئے۔'' مسٹر آچاری بڑے وثوق سے بولا۔

''آپ چند دن کی مہلت دیں...... میں دراصل رقم کاروبار میں لگا چکا ہوں...... لوٹا دوں گا آپ کو۔'' وہ کچھ کاغذات اور فائلیں نکال کر سامنے رکھتے ہوئے بولا۔

''آپ نے دھوکہ کیا...... جب بتیاں نے انکار کر دیا تو آپ کو اسی وقت پیسے واپس کر دینے چاہئے تھے۔'' آچاری بولا...... اُس کا چہرہ غصے سے تمتما رہا تھا۔

''آچاری صاحب...... آپ کو اپنا سمجھا...... اور آپ کی اجازت کے بغیر کام پر لگا لئے......سوچا جلد لوٹا دوں گا۔'' جواد نے سوچا کہ گرمی سے کام نہیں چلے گا...... نیچا ہو کر کام بن جائے گا۔

''آپ نے میرے ساتھ بہت زیادتی کی ہے...... معلوم ہے آپ کو میں ٹوکیو میں چار فلموں میں پھنسا ہوا ہوں...... ہیروئن پہلے رقم لیتی ہے، پھر سائن کرتی ہے۔'' آچاری نے ٹیک لگا لی۔

''دراصل آچاری صاحب! میری فیکٹری ڈوب چلی تھی...... آپ کی رقم نے بڑا سہارا دیا...... میں بہت جلد واپس کر دوں گا۔'' وہ خوشامد سے کام چلانے لگا۔

''خیر...... اب بتایئے! آپ کب رقم واپس کریں گے...... میں ایک اور فلم شروع کرنے والا ہوں۔'' مسٹر آچاری نے کہا۔

''کیا میں آپ کی فلم میں پارٹنر بن سکتا ہوں......؟'' جواد نے ایک اور چال چلی۔

''کیوں نہیں...... پارٹنر کوئی بھی ہو سکتا ہے۔'' مسٹر آچاری نے کہا۔

''مجھے کتنی رقم کی شراکت کرنا ہو گی......؟''

''یہ اب فلم پر منحصر ہے۔ کاغذی کارروائی مکمل ہونے کے بعد میں بتا سکتا ہوں کہ اداکار اور ہیرو ہیروئن کو کتنا معاوضہ دینا ہے......'' مسٹر آچاری نے اپنی نکٹائی درست کرتے ہوئے کہا۔

''ٹھیک ہے...... میں آپ کی اس فلم میں پارٹنر ہوں۔'' جواد نے کہا۔

''پہلے آپ چند ماہ میں رقم لوٹا دیجئے...... باقی سکرپٹ ملنے پر سب معاملات طے ہو جائیں گے۔ بائی دی وے...... کتنے ماہ لگ جائیں گے......؟'' مسٹر آچاری کو خیال آیا کہ قرض کی بات پوری نہیں ہوئی۔

''یہی کوئی چار پانچ ماہ...... اور کتنے آچاری صاحب......؟'' وہ مسکرا دیا۔

''ٹھیک ہے پھر...... میرا منشی کسی دن آپ کے پاس آئے گا...... کیونکہ رقم ملنے پر ہی میں فلم شروع کر سکوں گا۔'' مسٹر آچاری نے باہر کی جانب دیکھا۔

''ضرور...... رقم وقت پر مل جائے گی۔ ویسے کب تک قیام ہے یہاں؟'' جواد نے پوچھا۔

''میں دو دن بعد جاپان چلا جاؤں گا...... وہاں کام بہت ہے۔'' وہ دروازے کی طرف بڑھا۔

دونوں ساتھ ساتھ چلتے پورچ تک گئے...... آچاری اپنی گاڑی میں بیٹھ گیا۔ جواد نے ہاتھ لہرا کر خدا حافظ کہا...... اور جواباً آچاری نے بھی ہاتھ اُٹھایا۔ گاڑی نے سپیڈ پکڑ لی۔

جواد واپس ڈرائنگ روم میں آ گیا۔

''تم کہاں تھے......؟'' وہ قدرت اللہ کو دیکھ کر حیران ہو گیا۔

''میں آنٹی کے پاس بیٹھا تھا۔ سوچا آچاری چلا جائے تو تم سے ملوں۔'' وہ ہنس کر بولا۔

''خدا کا شکر ہے کہ آچاری چند ماہ کے لئے مان گیا ہے۔'' جواد نے مطمئن انداز میں کہا۔

''وہ تو ٹھیک ہے...... لیکن ان چند ماہ میں ساڑھے تین کروڑ کی رقم کا بندوبست کر لینا۔'' قدرت اللہ نے خبردار کیا۔

''اور باقی......؟'' جواد حیرت سے بولا۔

''باقی پچاس لاکھ میں تمہیں دے دوں گا۔'' قدرت اللہ بولا۔

''تم دے دو گے...... کہاں سے دو گے پیارے......؟'' جواد ہنس کر بولا۔

''جہاں سے بھی دوں...... بہر حال! یہ جو آچاری کی تلوار سر پر لٹکی ہوئی ہے نا...... میں اس سے بڑی ٹینشن لے رہا ہوں۔'' قدرت اللہ بڑی بیزاری سے بولا۔

''میں بھی یہی چاہتا ہوں کہ وہ میرا اکاؤنٹ علیحدہ کر دے...... پوری رقم کے ساتھ...... پھر تو میں بھی دے کر اپنے آپ کو ہلکا کر لوں۔'' وہ سوچنے لگا۔

''کیا سوچنے لگے ہو؟'' قدرت اللہ نے دیکھا اُس کا چہرہ تفکرات میں بدل رہا تھا۔

''یار...... بتیاں نے اچھا نہیں کیا۔'' وہ بڑے دُکھ سے بولا۔

''وہ کہتی ہے تم نے اچھا نہیں کیا۔'' قدرت اللہ نے کہا۔

''تمہیں ملی تھی......؟'' جواد چونک گیا۔

''ہاں...... شیزان ریسٹورنٹ کے پاس دونوں گاڑی سے اُتر رہے تھے۔ قدرت اللہ بتیاں کے لاجواب حسن سے تصور ہی تصور میں کھو سا گیا۔

''وہ لنگڑا......؟'' جواد نفرت سے ہونٹ سکوڑ کر بولا۔

''وہ اب لنگڑا نہیں ہے...... میرا خیال ہے اُس کا مصنوعی پیر لگ چکا ہے۔ وہ بہترین سیاہ ڈنر سوٹ میں ملبوس تھا...... اُس کی پرسنیلٹی...... وہ کوئی اپالو کا مجسمہ لگ رہا تھا۔'' قدرت اللہ پوری طرح اقبال کی شخصیت سے متاثر تھا۔

''آئندہ اُس کی تعریف کرنے سے گریز کرنا...... سمجھے؟'' نفرت کا لاوا اُبھرا اور اُس

کے تن کو راکھ کر گیا۔

''سمجھ گیا یار...... اچھی چیز اچھی ہے...... اور بری......'' قدرت اللہ نے پہلو بدلا۔

''کیا مطلب......؟'' وہ چونکا۔

''ارے یار...... پھول پھول ہے اور کانٹے کو تو کانٹا ہی کہا جائے گا۔'' قدرت اللہ نڈر ہو گیا...... وہ جانتا تھا کہ اب جواد اُس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا......

چند لمحے ماحول پُرسکون حد تک خاموش رہا......

''تم نے ملاقات کی اُن دونوں سے؟'' جواد نے پوچھا۔

''نہیں...... میں نے تو صرف اُن کو ہوٹل کے اندر جاتے اور گاڑی سے اُترتے دیکھا تھا۔

''ٹھیک ہے...... کوشش کرنا کہ وہ اکاؤنٹ کے بارے میں کیا کہتی ہے؟ ذرا راضی کرنے کی کوشش کرنا۔'' جواد کو معلوم تھا کہ اب اُس کا جانا بیکار ہے...... اور نہ ہی بتیاں ب اُس سے ملاقات کرے گی۔

''اگر تم کہو تو میں چلا جاؤں گا۔'' قدرت اللہ جانے کو تو خود بھی چلا جاتا...... لیکن اس رے میں جواد کی رضا ضروری تھی...... کیونکہ وہ ابھی تک اُس کی بیوی تھی...... ہاں اگر ملسلہ منقطع ہو جاتا تو اور بات تھی۔ قدرت اللہ سوچنے لگا......

ناشتے کی میز پر بڑے ہی خوبصورت ماحول میں ناشتہ ختم ہوا۔ ازم برتن اُٹھا کر لے گیا تھا۔

''بتیاں...... آؤ! حوض کے پاس بیٹھتے ہیں۔'' بالے نے کہا۔ ''چلو...... موسم بہت بصورت ہو رہا ہے...... بادل آ رہے ہیں...... اور ان بادلوں کا رنگ تیرے لباس کی طرح گیا...... تو اب موسم کا حصہ لگ رہی ہے۔'' بالے نے والہانہ نظریں بتیاں کے خوبصورت رے پر ڈالیں...... وہ پہلے سے کہیں زیادہ اچھی لگنے لگی تھی...... اُس کی صحت بھی ٹھیک نے لگی تھی۔

''بالے...... تجھے تو شاعری بھی آنے لگی...... کتنی پیاری باتیں کرتا ہے تو......'' بتیاں نے بڑی چاہت سے بالے کی طرف دیکھا۔

''یہ سب تیری وجہ سے ہے...... دیکھ...... میں جٹ بوٹ بندہ تھا...... اور اب اس ٹنگ ٹیبل پر کھانا لگا کر کھاتا ہوں...... جس پر کتنی قسم کی نعمتیں پڑی ہوتی ہیں۔'' وہ میز کی

طرف دیکھ کر بولا۔

''میں نے نہیں...... تیری قسمت کا ہے۔'' وہ بھی ہنس دی۔

''اور ہاں بتیاں...... تو نے اب آگے کی کیا سوچ سوچی؟'' بالے نے پوچھا۔

''کیسی سوچ......؟'' وہ چونکی۔

''ارے وہی...... جوائنٹ اکاؤنٹ والی۔'' بالے نے اُسے یاد دلایا۔

''ہاں بالے! مجھے یاد آیا...... [illegible]ن تیرا ساتھ ہے نا...... تو مجھے کچھ یاد نہیں رہتا۔'' وہ محبت بھری مسکراہٹ ہونٹوں پر بکھیر کر بولی۔

''مجھے یاد رکھنا...... باقی سب کچھ بھول جانا۔'' وہ ہنس دیا۔

''تمہیں تو میں کبھی بھول نہیں سکتی...... تم میری رگوں میں گردش کرتے خون کی طرح ہو......'' بتیاں نے کہا۔

''ایک بات کہوں؟'' بالے نے کہا۔

''کہو......!'' بتیاں فوراً بولی۔

''تمہیں اپنی زندگی گزارنے کا پورا پورا حق ہے...... اگر تم جواد سے سمجھوتہ کرنا چاہتی ہو تو کر لو...... میں تمہیں اپنی وجہ سے اُلجھا ہوا نہیں دیکھنا چاہتا...... کیونکہ تم مجھے چاہو یا نہ چاہو...... میری محبت میں فرق نہیں آ سکتا...... میں تو تمہیں چاہتا رہوں گا...... میری زندگی کا یہی مقصد ہے۔'' بالے نے میز پر رکھی نمک دانی کو اِردگرد رول کرتے کہا۔

''میں تمہارا مطلب جانتی ہوں...... مجھے علم ہے کہ تمہاری محبت کسی لالچ کی محتاج نہیں ہے...... میں اُس شخص سے رابطہ رکھنا ہی نہیں چاہتی...... وہ مجھے نوٹ چھاپنے والی مشین کی طرح استعمال کرنا چاہتا ہے...... مشین جب ناکارہ ہو گئی تو ورکشاپ میں پھینک دی...... سمجھتے ہو نا......؟'' بتیاں نے کہا۔

''سمجھتا ہوں...... وہ بڑا بدنصیب ہے جس نے ہیرے کی قدر نہیں کی۔'' بالے کو جواد کی بدنصیبی پر دُکھ ہوا...... بتیاں نے کچھ دیر اُس کی طرف دیکھا۔

''میں نے ٹھیک کہا نا......؟ اگر وہ ہیرا شناس ہوتا...... میرا مطلب ہے کہ جوہری ہی جوہر کو پہچان سکتا ہے...... وہ کیا جانے لوہے کے سکوں میں کھیلنے والا۔'' بالے نے کہا۔

وہ ہنس دی۔

''ہنسو...... ہمیشہ خوش رہو...... میری محبت کے آسمان کا تم روشن ستارہ ہو...... خدا

کرے تیری شب کبھی بے چراغ نہ ہو......'' وہ دل سے دُعا دینے لگا۔

''تم سلامت رہو...... میری زندگی کا دائرۂ حیات تو اب تیرے خیال کے ساتھ گھومتا ہے...... مجھے اس دور میں تیری رفاقت کی بہت ضرورت ہے۔'' بتیاں نے محبت پاش اپنی بڑی بڑی نگاہیں بالے کے مردانہ پیکر پر ڈالیں...... بالے میں وہ سب کچھ تھا جو ایک توانا اور خوبصورت مرد میں ہوتا ہے...... ٹانگ کی درستی کے بعد تو وہ اور بھی وجیہہ ہو گیا تھا۔

''میرے بارے میں کسی قسم کی پریشانی کو اپنے دل میں جگہ مت دینا...... میں ہر حال میں تمہارے ساتھ ہوں...... تیری تمام پریشانیاں اور دُکھ میرے ہیں...... تو میری زندگی کا حاصل ہے......'' بالے نے رمضانی بابا کو اندر آتے دیکھا۔

''رمضانی بابا......!'' بالے نے کہا۔

''ہاں بالے پتر......؟''

''دو کپ چائے...... باتوں باتوں میں طلب بڑھ گئی ہے۔'' بالے نے بتیاں کی طرف دیکھا۔

''ہاں بابا...... بنا لیں!'' بتیاں نے کہا۔

''ابھی لایا بیگم صاحب جی!'' رمضانی بابا برتن اُٹھا کر جاتے بولا۔

راستہ صاف دیکھ کر بالے نے پھر بات شروع کی۔ ''ایک بات مانو گی......؟'' اُس نے پوچھا۔

''کیا...... تمہاری کبھی کوئی بات ٹالی بھی ہے میں نے؟'' بتیاں نے چونک کر بالے کو دیکھا۔

''اپنے جوائنٹ اکاؤنٹ کے بارے میں تم نے کیا سوچا......؟'' بالے نے پوچھا۔

''نہیں دُوں گی ایک پائی بھی اُس کو...... تمہیں معلوم ہے اس دولت کی خاطر اُس نے میری ممتا کا خون کیا...... اُس نے میرے بچے کو مار دیا...... نہیں دُوں گی اُس کو روپیہ......'' وہ ایک دم سسک اُٹھی۔

''اوہو...... میری جان...... میرا مقصد اس وقت تمہیں دُکھ پہنچانا تو نہیں...... میں تو چاہتا ہوں تیرے راستے کے تمام کانٹے صاف ہو جائیں...... تو ہر غم سے آزاد زندگی بسر کرے......'' بالا اپنی جگہ سے اُٹھ کر اُس کے ساتھ والی سیٹ پر آ گیا اور اُس کے ملائم بالوں پر محبت و شفقت بھرا ہاتھ پھیرا۔

'' کیا کروں......؟'' وہ آنسوؤں سے لبریز مانند پیمانہ آنکھیں اُٹھا کر بولی۔ اُس کی آنکھیں جیسے چھلکتے جام...... وہ لرز گیا......

'' میں چاہتا ہوں وہ جو چاہتا ہے اُسے دے دو......!'' بالے نے کہا۔

'' اکاؤنٹ نصف کر دُوں؟'' وہ بالے کی طرف دیکھ کر بولی۔

'' ہاں...... اس سے تمہاری پریشانی دُور ہو جائے گی...... خدا کا دیا تمہارے پاس بہت کچھ ہے۔'' بالے نے کہا۔

'' اچھا بالے! تم جو کہو گے، وہی ہوگا۔'' وہ چمکتی آنکھوں سے بالے کو دیکھ کر بولی۔

'' شاباش...... کتنی اچھی ہے میری بتیاں......'' وہ اُس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر بولا...... جیسے وہی چھوٹی سی بتیاں ہو۔

'' بیگم صاحب جی...... ڈرائنگ رُوم میں قدرت اللہ صاحب آئے ہیں۔'' صابراں نے ٹرے رکھ کر کہا۔

'' وہ کس لئے آ گیا......؟'' بتیاں نے بالے کی طرف دیکھا۔

'' کسی کام سے آیا ہوگا۔ تم مل لو...... ہو سکتا ہے جواد نے بھیجا ہو۔'' بالے نے کہا۔

'' ٹھیک ہے...... ذرا ٹھہر کر آ جانا!'' وہ اُٹھتے ہوئے بولی۔

'' گھبراؤ نہیں...... میں تمہارے پاس ہی ہوں۔'' وہ مسکرا دیا۔ اور بتیاں ڈرائنگ رُوم کی طرف چل دی۔

'' السلام علیکم......'' قدرت اللہ بتیاں کو اندر آتے دیکھ کر کھڑا ہو گیا...... وہ اس وقت سرمئی ساڑھی میں ملبوس تھی...... قدرت اللہ کو افسوس ہوا کہ اس قدر جاذبِ نظر حسین ترین عورت جو جواد کی بیوی تھی...... چھوڑ کر حمیرا سے شادی کر لی...... بے شک اچھی قبول صورت لڑکی ہے...... لیکن حسن میں وہ بتیاں کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔

'' وعلیکم السلام...... تشریف رکھئے قدرت اللہ صاحب!'' بتیاں نے کہا۔

'' جی......'' وہ ایک دم چونک گیا جیسے گہری نیند سے بیدار ہوا ہو۔ وہ بھی سامنے صوفے پر شاہانہ انداز میں بیٹھ گئی۔

'' بڑی مدت کے بعد غریب خانے پر تشریف لائے آپ۔'' بتیاں نے اخلاقاً کہا۔

'' جب حالات سازگار تھے تو آنا جانا رہتا تھا، اب کیا فائدہ؟'' وہ افسردگی سے بولا۔

'' آپ سے تو میرا کوئی جھگڑا نہیں...... بات تو جواد کی چل رہی ہے۔'' وہ بولی۔

'' میں بھی تو جواد کے ساتھ منسلک ہوں۔'' قدرت اللہ بولا۔

'' کیسے تشریف لائے آپ...... یا بھیجا گیا ہے؟'' وہ بوجھ گئی تھی۔

'' جی ہاں...... بھیجا گیا ہوں...... وجہ بھی آپ جانتی ہوں گی۔'' وہ بولا۔

'' سب جانتی ہوں......'' بتیاں نے کہا۔ اسی وقت بالا داخل ہوا۔

ایک دم اُٹھ کر قدرت اللہ نے احتراماً بالے سے مصافحہ کیا۔

'' تشریف رکھئے......!'' بالے نے کہا اور خود بتیاں کے ایک طرف بیٹھ گیا۔ بالا اس وقت کیمل کلر کے خوبصورت شلوار سوٹ میں ملبوس تھا۔ قدرت اللہ اس وقت بالے کی شخصیت سے بھی بہت متاثر تھا۔

'' بالے! قدرت اللہ صاحب اُسی سلسلے میں آئے ہیں۔'' بتیاں نے کہا۔

'' ٹھیک ہے...... مان لو اِن کی بات......'' بالے نے کہا۔

'' پھر بینک کو درخواست دے دیں؟'' قدرت اللہ نے پوچھا۔

'' آپ درخواست دے دیں...... جو کاغذی کارروائی ہو گی، ہم بنک سے پتہ کروا لیں گے۔'' بالے نے کہا۔

'' بہت بہت شکریہ اقبال صاحب...... مجھے اندازہ نہیں تھا کہ میرے آنے سے یہ معاملہ اس قدر جلد حل ہو جائے گا۔'' قدرت اللہ کو اپنے آپ پر رشک آنے لگا۔

'' میرا نہیں...... شکریہ تو آپ کو بتیاں کا کرنا چاہئے جس نے مجھ ناچیز کی بات مان لی...... ورنہ جواد صاحب یوں ہی پڑے رہتے......'' بالا ہنس کر بولا۔

'' میں بتیاں صاحبہ کا بھی شکریہ ادا کر رہا ہوں۔'' قدرت اللہ بولا۔

دوسرے لمحے رمضانی بابا چائے انواع و اقسام کے لوازمات کے ساتھ بہترین چائے لئے اندر آ گیا۔ بتیاں نے ٹرالی گھسیٹ کر اپنے سامنے کر لی......

'' یہ کیا تکلف کیا آپ نے......؟'' قدرت اللہ کو پرانا وقت یاد آ گیا۔

'' تکلف نہیں قدرت اللہ صاحب...... مہمان کو ہم رحمت تصور کرتے ہیں۔'' بالے نے مسکرا کر ٹیک لگائی۔

'' اقبال صاحب! اس دور میں مہمان تو زحمت ہے۔'' قدرت اللہ نے کہا۔ اور اس کے ساتھ ہی قدرت اللہ اور بالے کا قہقہہ بلند ہوا...... بتیاں بھی ہنس دی۔

'' آپ بڑے خوش مزاج ہیں قدرت اللہ صاحب!'' بالے نے کہا۔

قدرت اللہ نے ہنس کر سر کو خم کیا......

بتیاں نے چائے بنا کر قدرت اللہ کے سامنے رکھی اور مختلف چیزوں کی طرف اشارہ کیا۔

''یہ شامی آپ کو پسند ہیں...... لیجیے......'' بتیاں نے پلیٹ قدرت اللہ کے سامنے رکھی۔

''تھینک یو......'' قدرت اللہ نے اپنی پلیٹ میں کبابوں کے ساتھ دوسری مختلف چیزیں رکھ لیں۔ بڑے خوشگوار ماحول میں چائے کا دور چلتا رہا...... بہت دیر بیٹھنے کے بعد قدرت اللہ اجازت لے کر چل دیا۔

☆☆☆

''اوئی اللہ...... میں مری...... توبہ توبہ...... اے بہو...... صنوبر بیٹا...... تم نے کچھ سنا؟'' بالی کی ماں صحن میں آتے ہی چلا چلا کر کانوں کو ہاتھ لگاتے بولی۔

''خالہ...... کیا ہو گیا...... انہونی ہو گئی؟'' صنوبر ہنستی ہوئی اُس کے پاس چلی گئی۔

''چارپائی بچھا...... ٹانگ دُکھتی ہے...... کھڑا نہیں ہوا جاتا...... ہائے......'' وہ گھٹنے پر ہاتھ رکھتے بولی۔

''پوری گلی کو پار کر کے خالہ تو یہاں آ گئی۔'' صنوبر کو صاف بات کرنے سے کون روک سکتا تھا۔ اُس نے کھڑی چارپائی کو صحن میں بچھا دیا۔

چارپائی بچھاتے ہی بالی کی ماں دھم سے بیٹھ گئی۔ ''یہ دیکھ...... یہ کون ہے......'' بالی کی ماں ایک تصویر کی طرف اشارہ کرتے بولی۔

''کون ہے یہ......؟'' صنوبر نے اخبار چارپائی پر پھیلا دیا۔

''ذرا پہچان...... بتیاں نہیں ہے یہ......؟'' بالی کی ماں نے کہا۔

''معلوم نہیں خالہ...... میں تو بتیاں کی صورت بھول گئی ہوں۔'' صنوبر نے جان بوجھ کے جھوٹ بولا۔

''توبہ توبہ...... ہمارے تو ہاتھوں میں پلی تھی...... ہم کو اس کا ایک ایک نقش یاد ہے...... یہ بتیاں ہے...... دیکھ غور سے...... ہائے! پیدا ہوتے ہی کیوں نہ مر گئی...... اب طوائف بن گئی۔'' بالی کی ماں نے دوبارہ کانوں کو ہاتھ لگایا۔

بڑا دروازہ کھٹاک سے کھلا...... اور شیری بیل لے کر اندر داخل ہوا......

''شیری پتر......'' آتے دیکھ کر بالی کی ماں فوراً بولی۔

''ٹھہر جا...... بیل باندھ آئے......'' صنوبر نے کہا۔

''آتا ہوں خالہ......'' وہ جاتے جاتے اُونچی آواز میں بولا۔

دوسرے ہی لمحے وہ اُن کے پاس آ گیا...... دوسری چارپائی بچھا کر رُومال سے چہرہ

صاف کیا...... صنوبر خاموش رہی۔

''یہ اخبار کیوں پھیلایا ہوا ہے...... کسی کو پڑھنا بھی آتا ہے کہ نہیں؟'' شیری نے ہنس کر کہا۔

''پڑھنے کی کیا ضرورت ہے شیری پتر...... میں تو تمہیں...... ہاں ہاں...... دکھا ذرا...... زمانہ اُلٹ گیا......'' صنوبر کو اخبار اُٹھاتے دیکھ کر بالی کی ماں نے کہا۔

''کیا ہے اس میں......؟'' شیری نے اخبار کی فلمی تصاویر پر نگاہیں دوڑائیں۔

''دیکھ...... اپنی بہن کی فوٹو بھی...... بتیاں اب فلموں میں کام کرنے لگ گئی ہے۔''

ایک دم شیری کو یوں لگا جیسے بالی کی ماں نے بم پھینک دیا ہو...... ''تم یہ دکھانے کو لائی ہو؟'' شیری نے پوری طاقت سے اخبار کو ریزہ ریزہ کر دیا...... اور تیز ہوا اُس کے پرزے اُڑا کر دُور لے گئی۔

صنوبر تو شیری کی عادت سے واقف تھی...... وہ تو خاموش ہوگئی۔ البتہ بالی کی ماں نے اب بھی بات ختم نہ کی......

''میں تو تمہیں دکھانے کے لئے آئی تھی کہ بتیاں مری نہیں زندہ ہے۔'' بالی کی ماں کھڑی ہوگئی۔

''وہ زندہ نہیں ہے۔ تمہیں اُس جیسی سب صورتیں نظر آتی ہیں۔'' شیری چلا کر بولا۔

''لو بھلا...... بالی کی سکھی تھی...... ہر وقت آنا جانا تھا...... ہمارے سامنے پلی تھی...... اُس کی صورت کی اچھی بھلی پہچان ہے۔'' بالی کی ماں نے پھر کہا۔

''اپنی آنکھیں چیک کراؤ مائی جا کر......!'' شیری غصے سے بولا۔

''کیوں کراؤں...... تو نے تو اچھی طرح دیکھا ہی نہیں...... تجھے معلوم ہو جاتا...... وہ بتیاں ہی ہے...... فلموں میں کام کرنے لگ گئی ہے۔'' وہ عورت پھر بھی نہ ٹلی۔

''پھر میں کیا کروں خالہ...... تو ہم سے کیا چاہتی ہے......؟'' شیری سر پیٹ کر بولا۔

''لو اور سنو...... میں نے کیا چاہنا ہے...... تمہیں بتایا ہے کہ وہ بتیاں ہی ہے۔'' وہ آخر میں زور دے کر بولی۔

''وہ ہماری بتیاں نہیں ہے...... مرگئی ہے وہ...... یہ کوئی اور ہے...... بتیاں زندہ نہیں ہے...... نہیں ہے وہ زندہ......'' وہ چیخ کر بری طرح چہرہ ہاتھوں میں چھپا کر بولا۔

''خالہ...... جا چلی جا...... خدا کے لئے ہماری زندگی اجیرن نہ کر!'' صنوبر نے شیری

کی حالت دیکھ کر بالی کی ماں کے سامنے ہاتھ جوڑ دیئے۔

''جا رہی ہوں بابا...... ایک تو تمہیں تمہاری بہن کا پتہ بتایا اُوپر سے بے عزتی کراؤ...... ہائے ہائے......'' وہ بلند آواز میں بولی۔

''یہ دنیا کیوں پیچھا نہیں چھوڑتی ہمارا...... جب ہم نے اُس کی موت کا یقین کر لیا ہے تو یہ لوگ......'' شیری بری طرح اُلجھا ہوا اور پریشان دکھائی دے رہا تھا۔ آخری الفاظ اُس کے حلق میں اٹک گئے۔

''تم کیوں اتنا اثر لیتے ہو...... بس! خاموش سنتے جایا کرو۔'' صنوبر نے کہا۔

''میری ماں کا حال دیکھا...... وہ اِن لوگوں کی باتیں خاموش سن سن کر پاگل ہوگئی، پھر قبر میں چلی گئی...... میرا باپ اِن لوگوں کے طعنے سن کر ٹی بی کا مریض ہوگیا...... اور ایک دن خاموش اِس دنیا سے چلا گیا...... اب یہ کس کو مارنا چاہتے ہیں...... مجھے یا میرے بچوں کو......؟'' وہ جذباتی انداز میں اپنی مٹھیاں بھینچ کر بولا۔

''لو...... پانی پیو! میں تمہارے لئے کھانا لاتی ہوں۔'' صنوبر گلاس میں پانی لے آئی۔

''چائے بناؤ...... تیز...... جو میرا سب کچھ جلا کر بھسم کر دے......'' شیری کا غصہ ابھی تک قائم تھا۔

''اللہ نہ کرے...... کیسی باتیں کرتے ہو؟'' صنوبر نے کہا۔

''امی جان......'' شیری کی پانچ سالہ بچی ثمرین ہاتھ میں اپنا قاعدہ لئے صحن میں آگئی۔

''جی چاہتا ہے میں اِس کا گلا گھونٹ دُوں...... نہ یہ زندہ رہے اور نہ بڑی ہو......'' وہ جنونی کیفیت سے جھنجھلا اُٹھا۔

''پاگل ہوگئے ہو...... اپنے کلیجے پر ہاتھ ڈال رہے ہو...... کسی کا کیا جائے گا...... معصوم بچی...... بیٹی ہے تمہاری۔'' صنوبر ایک دم بولی جیسے شیری نے اُس کو تیز مشین میں ڈال کر مسل ڈالا ہو۔

''یہ بیٹی ہے...... اور وہ بہن تھی...... دُکھ تو ایک ہی ہے نا......'' وہ بے بس سا نظر آنے لگا جیسے جان نہ رہی ہو۔

''ایک بات پوچھوں......؟'' صنوبر نے کہا۔ ''دل میں دُکھ ہے تو مجھے کیوں نہیں بتاتے؟'' وہ پاس بیٹھ کر بولی۔

''تم میرے دُکھ کا مداوا نہیں کر سکتی...... میرے اندر لوگوں کے لگائے ہوئے اتنے

زخم ہیں کہ میں شمار نہیں کر سکتا۔'' وہ بے حد اضطرابیت کے ساتھ اپنے ہاتھوں کو مروڑتا رہا۔

''تم لوگوں کی باتوں کا اثر کیوں لیتے ہو؟'' صنوبر نے ثمرین کو دوسری چارپائی پر بٹھا دیا۔

ثمرین کو بغور دیکھ کر شیری نے اپنی آنکھیں بند کر لیں...... وہ ابھی سے بتیاں کی طرح خوبصورت تھی...... بتیاں سے اُس کی صورت کس قدر ملتی تھی......

''تم نے کیا کہا......؟'' وہ بولا۔

''میں نے کہا کہ تم لوگوں کی باتوں کا اثر نہ لیا کرو......'' صنوبر نے کہا۔

''کیسے لوں...... انسان ہوں پتھر نہیں...... جس پر اثر نہ ہو...... جس کرب سے میں گزر رہا ہوں اس طرح تو پتھر میں بھی سوراخ ہو جاتا ہے۔'' وہ بڑے دُکھ سے بولا۔

''اب ہمارے پاس کوئی نہیں...... بتیاں واقعی زندہ ہے نا......؟'' صنوبر نے بڑی ہمت سے کام لیا۔

''میں بھی جانتا ہوں...... پچھلے دنوں بالا بھی آیا تھا...... اُس نے سب کچھ بتا دیا ہے...... وہ زندہ ہے...... وہ اغواء ہوئی تھی...... گھر سے نہیں بھاگی تھی۔'' شیری نے کہا۔

''وہ بے غیرت تو اب اُس کے پاس رہ رہا ہے...... عشق کا مارا۔'' صنوبر کو بالے کی بات یاد آ گئی۔

''یہ اُس کا معاملہ ہے...... بتیاں کی تلاش میں وہ پاگل ہو گیا۔ آخر اُس کا جذبہ کام آ گیا...... اُس نے بتیاں کا سراغ پا لیا......'' شیری بولا۔ ''بہت عرصہ ہو گیا اُس کو گئے...... گاؤں والے اُس کو بھی نہیں چھوڑتے...... جب بھی آیا نئی بات اُسے سنا دی۔'' چند لمحے کی خاموشی کے بعد شیری نے پھر کہا۔

''وہ تو جب بھی آیا...... لوگوں سے جھگڑ کے گیا ہے...... ایک کی سو سو سناتا ہے۔'' صنوبر نے کہا۔

''وہ ابھی بچہ ہے...... ستم سہنے کا حوصلہ رکھتا ہے۔'' شیری نے کہا۔

''وہ بچہ ہے......؟ پچیس چھبیس سال کا تو ہو گا۔'' صنوبر نے تنک کر جواب دیا۔

''بتیاں کے پاس رہ کر وہ تو اور نکھر گیا ہے......'' شیری نے کہا۔

''واقعی...... اب تو وہ بالا لگتا ہی نہیں...... صاحب لگتا ہے......'' صنوبر حسرت سے بولی۔ لیکن دل کی بات دل میں ہی رہی۔

''کاش! جب بتیاں خود یہاں آ گئی تھی تو اُسے نہ نکالتے۔'' صنوبر نے کہا۔

''کیسے نہ نکالتا...... اتنی رُسوائی ہونے کے بعد بھی...... تمہیں کیا معلوم میں نے کس دل سے اُسے نکالا تھا...... اُس کا رونا، بلکنا اور تڑپنا اب بھی تڑپاتا ہے مجھے...... اب وقت گزر چکا ہے...... میں وقت کو قابو نہیں کر سکتا۔'' شیری بہت افسردہ سا لگنے لگا تھا...... بتیاں کی یاد نے اُس کے دل کو جیسے پگھلا دیا ہو۔

''تم بتیاں کے لئے اتنے اُداس اور افسردہ ہو...... بالے کو کہو! لے آئے اُس کو......'' صنوبر نے اپنے غیرت مند شوہر کا دل ٹٹولا۔

''وہ میری بہن ہے...... اب نہیں آئے گی وہ...... اور اب میں بھی نہیں چاہتا...... لوگ تو پہلے ہی جینا حرام کر رہے ہیں میرا......'' شیری نے اپنی بیٹی کو پیار سے دیکھا جو قاعدہ کھول کر بار بار پڑھنے کی مشق کر رہی تھی۔

''لوگوں کو چھوڑو......'' صنوبر نے کہا۔

''لوگوں کو میں نہیں چھوڑ سکتا...... یہ معاشرہ اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ اغوا شدہ بہن کو دوبارہ گھر میں لے آؤں...... میں اُسے قتل تو کر سکتا ہوں...... گھر میں نہیں لا سکتا۔'' ...... اس کے ساتھ ہی شیری نے ثمرین کے ہاتھ سے قاعدہ چھین کر پرے اُپلوں کے ڈھیر پر پھینک دیا......

''یہ کیا، کیا......؟ بچی ہے......'' صنوبر نے تڑپ کر ثمرین کو ساتھ لگا لیا۔

''میں نے پڑھانا نہیں تو قاعدے کا فائدہ......؟ جب باہر ہی نہیں جانے دینا...... رین دروازے سے باہر گلی کی صورت بھی نہیں دیکھے گی۔''

''شیری...... بتیاں کا بدلہ تم اپنی اولاد سے لو گے؟'' صنوبر نے روتی ہوئی ثمرین کے نسو صاف کیے۔

''ہاں...... میں سارا دن چھپا رہتا ہوں...... اور رات ہوتے ہی گھر لوٹتا ہوں...... کہ لوگ مجھے بتیاں کا طعنہ نہ دیں...... آج ہی جلد لوٹ آیا تو اس عورت نے زندگی کا ن تار تار کر دیا......'' وہ چارپائی پر لیٹ گیا...... صنوبر اُٹھنے لگی۔

''کہاں چلی......؟'' شیری نے کہا۔

''چائے کا پانی رکھا تھا...... معلوم نہیں بچا بھی ہو گا کہ نہیں۔'' وہ اُٹھتے ہوئے بولی۔

''تمہیں معلوم تو ہے...... آگ تو کھا جاتی ہے...... سوکھ گیا ہو گا۔ اور ڈال لے......'' جاتی دیکھ کر صنوبر سے بولا۔

چند دن اسی طرح گزر گئے...... کوئی عورت نہ آئی...... شیری بھی سکون محسوس کرنے لگا تھا کہ بات کوئی نہیں ہوئی...... دس سال ہو گئے تھے...... وہ مسلسل اسی اذیت کا شکار تھا...... باہر اگر کوئی بات کرتا بھی تو وہ سنی ان سنی کر کے لوٹ آتا...... لیکن جو عورتیں گھر میں آتیں اور اس انداز سے بات شروع کرتیں کہ سناؤ شیری! بتیاں کا پتہ چلا......؟

وہ جل کر کہتا۔ ''دس بارہ سال ہو گئے ہیں...... وہ مر کھپ گئی ہے...... کہاں پتہ چلے گا اب......؟''

بالی کی ماں نے ایک چنگاری اور سلگا دی...... جو وقت کی راکھ کو شعلے بنانے میں کامیاب ہو گئی...... دوسرے دن اُس نے چاندنی کی ماں سے بات کی۔

''اے بہن...... کچھ سنا تم نے؟''

''کیا......؟'' چاندنی کی ماں اُس کے پاس ہی بیٹھ گئی۔

''بتیاں کا پتہ چل گیا ہے۔'' وہ پراسرار انداز میں بولی۔

''کیا...... پتہ چل گیا...... کس کے ساتھ گئی تھی......؟'' جاہل گنوار عورتوں نے بغیر دیکھے اندازہ لگا لیا کہ بتیاں جس کی عمر بارہ سال تھی، وہ کسی کے ساتھ بھاگ گئی تھی......

''یہ تو پتہ نہیں البتہ...... بالی کا خاوند اخبار لایا تھا......'' وہ بولی۔

''اُس میں کیا تھا......؟''

''بتیاں کی تصویر...... وہ اب فلموں میں کام کرنے لگی ہے...... اچھی صورت تو تھی ہی...... فلموں میں آ گئی۔'' بالی کی ماں نے خوب نمک مرچ لگا کر چاندنی کی ماں کو کہا۔

''ہائے توبہ...... فلموں میں شریف عورتیں تھوڑی آتی ہیں......'' چاندنی کی ماں نے نفرت کا اظہار کیا۔

''وہ طوائف ہی ہوئی......'' بالی کی ماں نے کہا۔

''خدا ایسی بیٹیوں کو پیدا ہوتے ہی مار دے جو جوان ہو کر والدین کی عزت سے کھیلیں۔'' چاندنی کی ماں نے کہا۔

''اتنی جوان بھی نہیں تھی...... یہی کوئی بارہ تیرہ برس کی تھی۔'' بالی کی ماں نے کہا۔

''اے بہن! بیٹی تو پیدا ہوتے ہی جوان ہووے...... تین کپڑے تو اُس وقت بھی درکار ہوں اُس کو......'' چاندنی کی ماں نے ہاتھ نچا کر حسب عادت کہا۔

''میں نے ایک دن شیری سے بات کی تھی۔'' بالی کی ماں بولی۔

''کیا کہا اُس نے...... شیری تو بڑے غصے والا ہے۔'' چاندنی کی ماں چونک کر بولی۔

''غصے والا ہوگا تو اپنے گھر میں ہوگا......'' بالی کی ماں بولی۔

''میں تو اب بڑی دیر ہو گئی ہے، گئی ہی نہیں۔'' چاندنی کی ماں نے کہا۔

''دیوار سے دیوار سانجھی ہے...... تمہیں جانا چاہئے تھا...... ذرا ادھر اُدھر کی باتوں کا پتہ چل جاتا ہے۔'' بالی کی ماں نے اپنی عادت کے مطابق کہا۔

''ایک تو جب سے چاندنی کی شادی کی ہے...... گھر سے فرصت ہی نہیں ملتی۔''

''چاندنی کام جو کرتی تھی گھر کا...... اُس کے بعد بہو تو آئی ہے۔'' بالی کی ماں نے جیسے یاد دلایا۔

''توبہ کر...... جو کام کو ہاتھ لگائے...... میرے لڑکے نے اُس کو سر پر چڑھا دیا ہے۔'' چاندنی کی ماں نے ناک سکیڑ کر کہا۔

''شروع سے کھینچ کر رکھے گا تو گزارہ ہوگا۔'' بالی کی ماں بولی۔

چند منٹ دونوں خاموش رہیں......

''اچھا...... اب چلوں۔'' بالی کی ماں بولی۔

''بیٹھو گی نہیں......؟'' چاندنی کی ماں بولی۔

''نہیں...... اب جاؤں گی...... صبح سے نکلی ہوئی ہوں۔'' بالی کی ماں نے کہا۔ چاندنی کی ماں دروازے تک ساتھ آئی۔

''ہاں سنو بہن...... جانا ضرور...... میرے ساتھ تو اُس نے اچھی طرح بات نہیں کی...... تمہیں شاید بتائے۔'' وہ جاتے جاتے بولی۔

بھلا چاندنی کی ماں رُک جاتی...... ابھی دو دن بھی نہ گزرے تھے کہ سفید چادر لئے باہر نکل کر شیری کا دروازہ کھٹکھٹا دیا...... گھر میں اس وقت صرف صنوبر تھی...... شیری کام پر جا چکا تھا۔

''کون ہے......؟'' صنوبر نے حسب عادت پوچھا۔

''تمہاری خالہ...... چاندنی کی اماں...... دروازہ کھولو بیٹی!'' وہ باہر سے بولی۔

''اچھا......'' اس کے ساتھ ہی دروازہ کھل گیا...... ''آؤ خالہ...... بڑے دنوں کے بعد بھول پڑی ہو۔'' صنوبر نے مسکرا کر کہا۔

''بس بیٹی! کیا بتاؤں...... مجھ سے تو اس گھر کی ویرانی نہیں دیکھی جاتی۔'' چاندنی کی

ماں صنوبر کے ساتھ چلتے چلتے صحن میں آ گئی۔

''بیٹھو خالہ......'' صنوبر نے اُسے چارپائی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

''کیا بیٹھنا بیٹی...... جن کے ساتھ بیٹھنا تھا وہ تو زندہ نہ رہے...... اللہ بخشے خدیجہ...... جب سے بتیاں گھر سے گئی ہے...... کوئی پندرہ مرتبہ وہ میرے ہاں آئی......''

صنوبر نے بڑے غور سے چاندنی کی ماں کے چہرے کو دیکھا۔

''تمہیں کیا بتاؤں صنوبر بیٹی...... کتنا وہ تڑپی...... روئی چلائی...... پر بتیاں نہ ملی...... نہ جانے کہاں گئی...... اے سن...... کوئی پتہ چلا؟'' چاندنی کی ماں نے ایک دم صنوبر کو ہلایا۔

''نہیں خالہ...... کیا پتہ چلنا تھا...... اتنا عرصہ تو ہو گیا۔''

''میں نے تو کچھ اور ہی سنا ہے۔'' چاندنی کی ماں کو ابھی صبر نہیں آیا تھا۔

''تم نے کیا سنا خالہ......؟'' صنوبر کو شاید بالی کی ماں کی ملاقات بھول گئی تھی۔

''شیری تو نہیں گھر میں......؟'' وہ چہرے کو اِدھر اُدھر پھرا کے گھر کے کمروں میں دیکھنے لگی۔

''نہیں خالہ...... شیری تو شام کو آتا ہے کھیت سے...... اب تو ویسے بھی چنائی ہو رہی ہے۔'' وہ بولی۔

''تم چنائی پر نہیں جاتیں؟'' چاندنی کی ماں بولی۔

''نہیں...... شیری میرا باہر جانا پسند نہیں کرتا۔'' صنوبر نے دوسری چارپائی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

''اوہو...... شیری بھی بیچارہ دُکھ کا مارا...... بہن کے غم نے آدھا کر دیا...... تمہیں کیا باہر جانے دے......'' چاندنی کی ماں بڑے افسوس ناک انداز میں بولی۔

''کیا کریں اب...... اگر بتیاں بھول گئی ہے تو دنیا بھولنے نہیں دیتی......'' بے شک صنوبر نے چھپی چوٹ تو کی...... لیکن اُس عورت کو اثر نہیں ہوا۔

''دنیا کہاں بھولنے دیتی ہے...... میں نے تو سنا ہے بتیاں زندہ ہے۔'' وہ چونک کر صنوبر کے شانے پر ہاتھ رکھ کر بولی۔

''آپ نے غلط سنا ہے...... بتیاں مر چکی ہے۔'' صنوبر جل کر بولی۔

''ارے نہیں بیٹی...... بتیاں زندہ ہے...... وہ اب فلموں میں کام کرتی ہے۔'' چاندنی کی ماں زور دے کر بولی۔

''یہ بکواس ہے...... بتیاں زندہ نہیں ہے...... اور فلموں میں وہ کام نہیں کرتی۔'' صنوبر تلخ انداز میں بولی۔

''ہیں...... تمہیں بالی کی ماں نے نہیں بتایا...... بلکہ اُس کی تصویر اخبار میں آئی ہے۔'' چاندنی کی ماں نے حیرت کے اظہار کے ساتھ کہا۔

''کسی اور کی ہو گی۔'' صنوبر کو اب ان عورتوں پر غصہ آنے لگا تھا۔

''ارے نہیں بہو...... بتیاں کی تصویر...... لو بھلا ہمیں پہچان نہیں......؟'' چاندنی کی ماں نے وثوق سے کہا۔

''ایک عرصہ ہو گیا بتیاں کو اغواء ہوئے...... اگر زندہ ہوتی تو اُس کا کچھ تو پتہ چلتا۔'' صنوبر نے کہا۔

''ہاں یاد آیا...... پچھلے دنوں بالا آیا تھا نا...... وہ رات کو تمہیں کیا کہہ رہا تھا کہ بھابھی...... بتیاں مل گئی ہے۔'' چاندنی کی ماں کی بات سن کر صنوبر لرز سی گئی۔

''تم نے کب سنا؟'' اُس نے پوچھا۔

''لو بھلا...... ساتھ تو دیوار ہے...... سب سنا جاتا ہے......'' چاندنی کی ماں نے کہا۔

''اچھا...... تو آپ دیوار کے ساتھ کان لگا کر سنتی رہتی ہیں۔'' صنوبر صاف بات کرنے میں خاصی تیز تھی۔

''اوہو...... یہ بات نہیں بیٹی...... جب اس طرف آؤ تو سنا جاتا ہے۔'' چاندنی کی ماں ندامت سی محسوس کرتے ہنس دی۔

''خالہ! ایک بات کہوں؟'' صنوبر نے کہا۔

''ہاں کہو...... کیا کہنا چاہتی ہو......؟'' چاندنی کی ماں کھڑے ہوتے ہوئے بولی۔

''آپ بتیاں کی کوئی بات شیری کے سامنے نہ کیجئے گا۔'' صنوبر نے اُسے خبردار کیا۔

''میں کیا کروں گی...... وہ تو لوگ کرتے ہیں تو تمہارے پاس آ گئی۔'' چاندنی کی ماں بولی۔

''لوگوں نے نہیں کی...... بالی کی ماں آئی تھی...... اُسے کہیں سے پھر بھنک پڑ گئی ہے...... وہ اب گھر گھر بستی میں پھونکتی پھر رہی ہے۔'' صنوبر کو غصہ آ گیا۔

''ہاں...... اُس نے بھی مجھے بتایا تھا...... خیر...... اب میں چلی......'' وہ دروازے تک جاتے جاتے بولی۔ وہ باہر نکل گئی تو صنوبر کنڈی لگا کر واپس لوٹ آئی۔

☆☆☆

گاڑی پورچ میں کھڑی کر کے وہ سیدھی اندر ہی آ گئی......

''کہاں ہے بتیاں......؟'' فیروزہ نے ملازم سے پوچھا۔

''وہ...... سامنے فوارے کے پاس......'' ملازم نے ہاتھ سے اشارہ کیا۔

فیروزہ تیز تیز قدم بڑھاتی اُس طرف ہی چل دی......

''بتیاں......!''

''ارے فیروزہ! تم......؟ تمہیں میری یاد کیسے آ گئی؟'' بتیاں نے فیروزہ کو ساتھ لگا لیا۔

''یاد تو اُس کی آتی ہے جو بھول جائے...... ہم تمہیں بھولے کب تھے......؟'' فیروزہ اُس کے ساتھ چلتی چلتی سفید خوبصورت تخت کے پاس آ گئی۔

''چلو فیروزہ...... ڈرائنگ روم میں چلتے ہیں۔'' بتیاں نے اُسے مور پنکھ تخت پر بیٹھتے دیکھ کر کہا۔

''نہیں بتیاں...... بہت ہی پیارا موسم ہے...... اچھا لگتا ہے۔ وہ دیکھو! دُور...... بادل آ رہے ہیں۔'' فیروزہ نے دُور آسمان پر سیاہ بادلوں کو دیکھ کر کہا۔

''ہاں...... برسات کی آمد تو ہے۔'' بتیاں کو شاید مہینوں کا بھی خیال نہ رہا تھا۔

''ارے نہیں...... سرما کی بارشیں ہوں گی۔'' فیروزہ ہنس دی۔

''اچھا...... ایسا ہی ہوگا......'' بتیاں سنجیدہ سی ہو گئی۔

''سناؤ! کیسی ہو......؟ شب و روز کیسے گزر رہے ہیں؟'' فیروزہ نے پوچھا۔

''بہت اچھے گزر رہے ہیں...... اللہ کا کرم ہے مجھ پر۔'' بتیاں مسکرا کر بولی۔

''بتیاں! ایک بات پوچھوں...... مائنڈ نہ کرنا پلیز!'' فیروزہ نے بھرپور اخلاق کا مظاہرہ کیا۔

''کہو...... برا ماننے کی کون سی بات ہے؟'' بتیاں نے کہا۔ وہ جان چکی تھی کہ فیروزہ ضرور جواد کے بارے میں بات کرے گی۔

''میں کچھ عرصے سے تمہارے اور جواد کے بارے میں بڑا کچھ سن رہی ہوں۔'' فیروزہ نے کہا۔

''تم نے جو کچھ سنا، ٹھیک ہی سنا ہے۔'' بتیاں نے کہا۔

''تم دونوں نے واقعی ایک دوسرے سے علیحدہ ہونے کا فیصلہ کر لیا ہے؟'' وہ بولی۔

''بالکل...... میں نے تو اپنی طرف سے وکیل کو اجازت نامہ بھی دے دیا ہے کہ جواد مجھے طلاق دے دے۔'' بتیاں نے کہا۔

''اوہو...... Very Sad...... کیا مصالحت کی کوئی راہ نہیں نکل سکتی؟'' فیروزہ نے دیکھا بتیاں کے چہرے پر کرخت تاثرات کھنڈ سے گئے تھے۔

''نہیں فیروزہ...... وہ اِس قابل ہی نہیں کہ اُس سے کسی قسم کی مصالحت کی جائے۔''

''حمیرا کے ساتھ وہ اچھی بھلی زندگی گزار رہا ہے......'' فیروزہ نے ایک دم بغیر سوچے سمجھے کہہ دیا۔

''حمیرا...... حمیرا کون ہے......؟'' بتیاں کے سراپا میں برقی رو دوڑ گئی...... جس سے اُس کے ہر عضو میں ایک زلزلہ سا آ گیا۔

''تمہیں نہیں معلوم......؟'' فیروزہ چونک سی گئی۔

''کوئی گرل فرینڈ...... لیکن زندگی تو صرف بیوی کے ساتھ گزاری جاتی ہے۔'' بتیاں نے قیاس آرائی کی۔

''تو...... حمیرا اُس کی بیوی ہے...... وہ رقاصہ جو ہوٹلوں میں بھی رقص کرتی تھی...... بلکہ بڑے بڑے رئیسوں کے ہاں بھی جاتی تھی......''

''اچھا...... تو اُس نے شادی کر لی...... کیا وہ کام کرتی ہے؟'' بتیاں نے پوچھا۔

''اب تو...... میرا خیال ہے کام نہیں کرتی...... میں نے سنا ہے وہ کروانا ہی نہیں چاہتا۔'' فیروزہ نے کہا۔

''کام ملتا نہیں ہوگا...... ورنہ وہ دولت پرست شخص کبھی اُسے فارغ بیٹھنے نہ دے۔''

''اچھا......؟'' فیروزہ نے بتیاں کے اُداس چہرے کی طرف دیکھا۔

''خیر...... چھوڑو...... تم کن چکروں میں پڑ گئی ہو...... کہو! کیسے آئے ہو؟'' بتیاں نے مسکرا کر سامنے سے آتے ہوئے ملازم کو اشارہ کیا۔

''جی بیگم صاحب جی......؟''

''لٹیین...... رمضانی بابا کو چائے کا کہو...... یہیں لے آئے۔''

''ابھی جاتا ہوں بیگم صاحب جی......'' لٹیین اپنی کیپ پکڑ کر واپس پلٹ گیا۔

''تمہارا ڈرائیور ہے......؟'' فیروزہ نے پوچھا۔

''نہیں...... یہ بدقسمت جواد کا ذاتی ملازم تھا...... جو جاتے ہوئے اسے چھوڑ گیا۔''

بتیاں ہنس دی۔

''تو یہ چلا جاتا۔'' فیروزہ نے کہا۔

''میں نے تو اسے کہا تھا کہ جانا چاہتا ہے تو چلا جائے...... میری طرف سے کوئی روک ٹوک نہیں ہے۔'' بتیاں بولی۔

''پھر...... ہائے بیچارہ......!'' فیروزہ حسب عادت مسکرادی۔

''یسین نے جانے سے انکار کر دیا...... میں نے اِسے غوری صاحب کے ہاں رکھوا دیا...... اب اُن کی ویگن چلاتا ہے...... بچے لے جاتا ہے اور سکول اور کالج چھوڑ آتا ہے۔ بڑے سکون میں ہے۔'' بتیاں نے کہا۔

''خوب...... بڑے مزے میں ہے پھر تو...... رہائش اور خوراک کا مسئلہ حل۔'' فیروزہ نے کہا۔

''ہاں...... رہنے کے لئے بہت جگہ ہے...... اور کھانا اس کا مقدر......''

''آ گیا بیگم صاحب جی...... بڑے مزے کی چائے لایا ہوں۔'' رمضانی بابا خوش و خرم انداز میں ٹرے اُٹھاتا چلا آ رہا تھا۔ اُس کے سامان رکھتے ہی صابراں ایک ٹرے میں لوازمات لے آئی......

''ارے صابراں...... اتنا کچھ بنالیا؟'' بتیاں حیرت سے بولی۔

''بیگم صاحب جی! آپ کی سہیلی آئی ہیں...... خاطر مدارت تو کرنا ہے جی......''

صابراں نے تخت کے درمیان چائے کا سامان رکھ دیا......

''صابراں اور رمضانی بابا! تم لوگ جاؤ...... چائے ہم بنالیں گے۔'' بتیاں نے کہا۔

''ٹھیک ہے جی......'' صابراں رمضانی بابا کے ساتھ کچن میں چلی گئی۔

''بڑے اچھے مؤدب ملازم ہے تمہارے۔'' فیروزہ نے کہا۔

''یہاں آقا غلام جیسا ماحول نہیں ہے...... ہم سب ایک خاندان کی طرح رہتے ہیں...... ان کو کسی بات کا پابند نہیں کیا میں نے۔'' بتیاں چائے بناتے بولی۔

''یہ تو بہت اچھی بات ہے۔''

''خدا کا شکر ہے فیروزہ......''

''بتیاں...... تم نے فلمی لائن چھوڑ دی ہے...... تو آمدنی کا ذریعہ......؟'' فیروزہ نے جب ٹھاٹھ باٹھ دیکھا تو کہا۔

''رزق تو خدا دینے والا ہے...... میں سوچتی ہوں کہ اگر میرا رزق جواد کے کنٹرول میں ہوتا تو میں آج کیا کرتی...... یہ بھی اللہ نے بہت اچھا کیا کہ رزق اپنے ہاتھ میں رکھا۔ میں نے اپنی رقم کاروبار میں لگا دی ہے...... سب کام وکیل صاحب کی وساطت سے ہوتا ہے...... مجھے تو ماہوار منافع چاہئے۔'' بتیاں مطمئن انداز میں بولی۔

''بہت اچھا...... واقعی بتیاں! تم بہت عقل مند ہو...... تم نے اتنی رقم جمع کیسے کی؟'' فیروزہ کو حیرت ہوئی۔

''پہلے پہل تو میں نے کوئی نوٹس نہ لیا...... لیکن جب یہ احساس ہوا کہ جواد دولت پرست ہے...... وہ تمام روپیہ اپنے قبضے میں رکھنا چاہتا ہے تو خیال آیا میں اپنی سیف سائیڈ کے لئے کچھ تو رکھوں......''

''اچھا کیا تم نے...... مرد ہوتے ہی ایسے ہیں...... عورتوں کے پیسے پر سانپ بن کر بیٹھ جاتے ہیں۔'' فیروزہ نے کہا۔

دونوں ایک ساتھ چائے پیتی رہیں اور اردگرد کے فلمی ماحول کی باتیں کرتی رہیں۔ باتوں باتوں میں یہ بات بھی کھل گئی کہ جواد گنگا جل کے لئے فیروزہ کے پاس آیا تھا......

''تم نے کیا کہا......؟'' بتیاں نے پوچھا۔

''میں نے ایک کروڑ پر ہاں تو کر لی...... کیونکہ یہ رسکی گیم تھی...... بعد میں معاملہ چوپٹ ہو گیا۔'' فیروزہ نے نمکین بسکٹ منہ میں رکھا۔

''معاملہ چوپٹ ہو گیا...... وہ کیسے......؟'' بتیاں پھر حیران ہوئی۔

''مسٹر آچاری نے جاپانی لڑکی پسند کر لی تھی...... وہ ویسے بھی جواد سے شراکت رکھنا نہیں چاہتا تھا...... یا اُس کے ذریعے سے کوئی لڑکی نہیں چاہتا تھا...... میں نے خیال چھوڑ دیا۔'' فیروزہ نے صاف بات کہہ دی۔

''تم نے بہت اچھا کیا جو بات چھوڑ دی...... یہ ہندو مسلم قوم کے سجن نہیں...... میں تو ویسے بھی ہندو کی فلم میں کام کرنا نہیں چاہتی تھی۔'' بتیاں بولی۔

''وہ صرف تمہیں اجے کے مقابلے میں کاسٹ کرنا چاہتا تھا...... تمہارے سوا تو اُسے کوئی لڑکی ہی پسند نہیں آئی تھی۔'' فیروزہ نے کہا اور بتیاں ہنس دی۔

''بتیاں...... تم نے گانا بھی چھوڑ دیا......؟'' فیروزہ نے پوچھا۔

''نہیں...... کیسٹ عنقریب آ رہی ہے...... انشاء اللہ ایک چھوٹا سا میوزک سنٹر گھر

میں کھولوں گی۔'' بتیاں خاصی مطمئن لگ رہی تھی۔

''گڈ...... بہت لوگ سیکھے آئیں گے...... اتنی اچھی گلوکارہ......'' فیروزہ نے مسکرا کر کپ رکھ دیا۔

بہت دیر دونوں اِردگرد کی باتیں کرتی رہیں...... شام کے دھند لکے پھیلتے ہی فیروزہ نے جانے کے لئے اپنے بیگ کو شانے پر ڈالا۔

''آؤ...... اندر چلتے ہیں۔'' بتیاں نے کھڑی ہو کر کہا۔

''اب جانے دو بتیاں...... بہت دیر ہو گئی ہے...... باتوں باتوں میں تو وقت کا احساس ہی نہ رہا۔'' فیروزہ نے بتیاں کے ساتھ چلتے چلتے کہا۔

''رات کو کھانا کھا کر جانا......'' بتیاں نے اصرار کیا۔

''بتیاں...... دیر ہو جائے گی۔ تمہیں معلوم ہے نا میری سوتیلی ماں کا......'' فیروزہ ہنستی ہوئی بتیاں کے ساتھ ڈرائنگ رُوم میں داخل ہوئی۔

''صابراں......!''

''جی بیگم صاحب جی......؟''

''کھانا جلدی تیار کر لینا...... فیروزہ اس طرح کھانے کے بغیر نہیں جائے گی۔''

بتیاں نے فیروزہ کی جانب دیکھا...... فیروزہ کھلکھلا کر ہنس دی۔

''ٹھیک ہے بیگم صاحب جی......'' وہ واپس چل دی۔

''سنو...... رمضانی بابا سے کہنا بریانی ضرور بنائے...... فیروزہ کو بریانی پسند ہے۔'' وہ فیروزہ کو مسکراتی آنکھوں سے دیکھ کر بولی۔

''تمہیں کیسے پتہ......؟'' فیروزہ ہنس کر بال درست کرتے بولی۔

''معلوم ہے...... شوٹنگ سے واپسی پر دینو کے ہوٹل سے ہم بریانی ہی تو کھاتے تھے...... وہ دو بجے ہمیشہ منتظر رہتا۔'' اس کے ساتھ ہی دونوں خوب کھل کر ہنس دیں۔

''واہ بتیاں...... تمہاری یادداشت بڑی تیز ہے۔'' فیروزہ نے کہا۔

''بیگم صاحب جی...... بالا آ گیا ہے۔ بلکہ اُس نے کہا ہے کہ میں آ گیا ہوں۔'' ملازم نے ہو بہو اُسی طرح کہہ دیا جس طرح بالے نے پیغام دیا تھا۔

''یہ کون ہے اتنا تابعدار......؟'' فیروزہ شریر ہو گئی۔

''ملو گی......؟'' بتیاں نے کہا۔

''ضرور...... اگر تم پسند کرو تو......'' فیروزہ نے کہا۔

''ملواتی ہوں تمہیں۔ لیکن ڈورے نہیں ڈالنا'' بتیاں کے ساتھ ہی فیروزہ بھی ہنس دی۔

''اچھا یہ بات ہے...... نہیں تم فکر نہ کرو...... میں دوسروں کے حق پر ڈاکہ نہیں ڈالتی۔'' فیروزہ پھر ہنس دی۔

''اقبال کو یہاں بلا لاؤ!'' بتیاں نے ہنستے ہوئے ملازم سے کہا۔

''اچھا جی......!'' ملازم واپس لوٹ گیا۔

''بتیاں......!'' بالا پردے کی اوٹ سے بولا۔

''بالے آ جاؤ...... یہاں تم سے پردہ کرنے والا کوئی نہیں۔'' بتیاں نے مسکرا کر کہا۔

فیروزہ نے دیکھا اور اُس کی حیرت عروج پر پہنچ گئی کہ اس قدر خوش شکل وجیہ نوجوان......

''آداب......'' بالے نے اندر آتے فیروزہ کو پیشانی تک ہاتھ لے جا کر سلام کیا۔

''آداب......'' فیروزہ نے جواب دیا۔

''آؤ بالے...... بیٹھو......!'' بتیاں کے کہنے پر بالا بتیاں کے ایک طرف سنجیدہ انداز میں بیٹھ گیا۔

''بالے! یہ فیروزہ ہے...... میری بہت ہی اچھی اور پیاری سہیلی......'' بتیاں نے کہا۔

''میرے لئے تو یہ بہت احترام کی جگہ ہیں بتیاں......'' بالے نے کہا۔

''وہ کیوں...... ویسے تو تم ہر ایک کا احترام کرتے ہو۔'' بتیاں نے کہا۔

''تم سے وابستہ کوئی بھی ہو، میرے لئے انتہائی قابل احترام ہے۔'' بالا بتیاں کو دیکھ کر بولا۔

''فیروزہ...... یہ اقبال ہے...... میرا تایا زاد...... دنیا میں بس یہی ہے جو اپنا ہے...... اور بے لوث ہے۔'' بتیاں نے بڑی احسان مندی سے بالے کو دیکھا۔

''ہزاروں بھی کسی کام کے نہیں اگر خود غرض ہیں...... خدا کا شکر کرو بتیاں! تمہارا اپنا تو ہے۔'' فیروزہ کو رشک ہوا کہ ایسا اچھا نوجوان بتیاں سے اس قدر بے لوث ہے۔

''بیگم صاحب جی...... کھانا تیار ہو گیا۔'' صابراں اندر آتے بولی۔

''اتنی جلدی......؟'' بتیاں اور فیروزہ کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

''اور کیا...... میں لگ گئی تھی رمضانی بابا کے ساتھ...... پھر چولہے بھی سارے کھول

دیے...... اس لئے جلدی ہو گیا۔'' صابراں نے اپنے دوپٹے کو اُنگلی پر مروڑتے ہوئے کہا۔

''بالے...... آجا! ذرا ٹیبل کو سجا دے۔'' صابراں نے بالے سے کہا۔

''چلو......!'' بالا کھڑا ہو گیا۔

''بالے کو ٹیبل سجانا آتا ہے......؟'' بتیاں حیرت سے بولی۔

''اور کیا جی...... یہ تو کمال کا ٹیبل سجاتا ہے...... اب تو سلاد کی پلیٹ بھی سجانے لگ گیا ہے۔'' صابراں نے بڑے فخر سے کہا جیسے یہ اعزاز اس کا ہو......

''آنٹی صابراں! کھانا نہیں پکاؤں گا۔'' بالا ہنستا ہوا صابراں کے ساتھ باہر نکل گیا۔

فیروزہ اور بتیاں دیر تک ہنستی رہیں۔

بھئی بڑے ہی اچھے لوگ ہیں تمہارے گھر میں...... میرا خیال ہے اُداس تو نہیں ہوتی ہو گی۔'' فیروزہ نے کہا۔

''خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے فیروزہ...... پریشانی ہے تو صرف جواد کی طرف سے...... اور کوئی دُکھ نہیں ہے۔'' وہ دل میں بالے کی محبت کو احساس کے دامن میں لپیٹ کر بولی۔

''بتیاں...... میں نے سنا ہے کہ جواد تمہیں طلاق نہیں دے گا۔'' فیروزہ نے جیسا سنا تھا کہہ دیا۔

''کیوں نہیں دے گا...... یہ تو میرا حق ہے...... جب میں اُس کے ساتھ نہیں رہنا چاہتی تو وہ کون ہوتا ہے مجھے غلام بنانے والا......؟'' بتیاں کو غصہ آ گیا۔

''وہ تمہیں غلام نہیں بنا سکتا...... اپنی مرضی سے زندگی گزارنا ہر عورت کا فرض ہے...... یہ سہولت تو خدا اور اُس کے رسولؐ نے دی ہے۔'' فیروزہ اور بتیاں دونوں ڈرائنگ رُوم کی طرف بڑھ گئیں۔

اُنہیں کیا علم کہ جواد بتیاں کو اپنے قبضے میں رکھنا چاہتا ہے......

اور اس وقت وہ آفس میں قدرت اللہ سے یہی بات کر رہا تھا......

''اگر وہ مان گئی ہے تو مجھ پر احسان نہیں کیا اُس نے...... وہ ویسے بھی اپنے آپ کو امریکن جوڈی کیفر سمجھتی ہے۔'' جواد نے کہا۔

''وہ جوڈی کیفر سے کم بھی نہیں۔'' قدرت اللہ نے کہا۔

''کچھ زیادہ ہی اُس کی حمایت میں بولنے لگے ہو۔'' جواد نے کہا۔

''وہ میرے لئے قابلِ احترام ہے...... اس لئے کہ ابھی تک تمہاری بیوی ہے۔''

قدرت اللہ ہنس دیا۔

''وہ بیوی تو ہمیشہ رہے گی...... لیکن یاد رکھنا! میں سکون کا ایک سانس بھی اُسے نہیں لینے دُوں گا۔'' جواد نے بے حد غصیلے انداز میں کہا۔

''ایسا نہ کہو یار...... کیا ہی اچھا ہو کہ تم دونوں سمجھوتہ کر لو......'' قدرت اللہ نے کہا۔

''وہ اب سمجھوتہ نہیں کرے گی......'' جواد کو یقین تھا۔

''کیوں......؟'' قدرت اللہ کو حیرت ہوئی۔

''وہ اقبال نامی شخص اُس کا جیون ساتھی بنے گا...... اسی لئے تو وہ ظلم کی تلوار تان کر بیٹھی ہے۔'' جواد نے دانت پیسے۔

''تمہیں کیسے معلوم ہے...... یا قیاس آرائی کر رہے ہو؟'' قدرت اللہ نے کہا۔

''خدا کسی نے آنکھوں سے نہیں دیکھا...... اُس کی قدرت سے پتہ چلتا ہے کہ خدا ہے۔'' جواد نے کھڑے ہو کر کہا۔

''جا رہے ہو......؟'' قدرت اللہ نے پوچھا۔

''حمیرا کو لیڈی ڈاکٹر کے پاس لے جانا ہے۔'' وہ بولا۔

''خیریت......؟'' قدرت اللہ چونکا۔

''ہاں...... اُسے بھی وہی بیماری لاحق ہو رہی ہے جو بتیاں کو تھی......'' جواد گہری سوچ میں ڈوب گیا۔

''اس کا مطلب ہے کہ تم باپ بننے والے ہو......'' قدرت اللہ ایک دم بولا۔

''تم نرے احمق ہو...... حمیرا کو فکر ہے کہ اتنے ماہ ہو گئے اُمید کیوں نہیں ہوئی......'' جواد نے کہا۔

''میرا خیال ہے تم اپنا علاج کراؤ......'' قدرت اللہ بولا۔

''بکواس نہ کرو......'' جواد نے ایک دم قدرت اللہ کو جھاڑ دیا۔

''ایسے ہی منہ سے نکل گیا یار!'' قدرت اللہ نے معذرت خواہی کے انداز میں کہا۔

''دراصل حمیرا کی ماں کو مصیبت پڑی ہوئی ہے کہ جتنی جلدی ہو میری بیٹی ماں بن جائے۔'' جواد کو دل میں غصہ آنے لگا۔

''ماں بننا تو ہر شادی شدہ عورت کا بنیادی حق ہے......'' قدرت اللہ نے کہا۔

''اچھا...... خیر...... تم ان فائلوں کو مکمل کرو...... کل ملاقات ہو گی...... او کے......''

جواد نے کہا۔

''او کے......'' قدرت اللہ اُٹھ کر اپنی سیٹ پر بیٹھ گیا۔

جواد اپنی گاڑی سٹارٹ کر کے گھر پہنچا...... حمیرا تیار کھڑی تھی۔

''آ گئے آپ......؟'' وہ ایک دم بولی۔

''کیا ہو گیا...... بڑی پریشان ہو۔'' جواد نے گاڑی کی چابی لہراتے ہوئے کہا۔

''میرا خیال تھا کہ ہمیشہ کی طرح آج بھی آپ نہیں آئیں گے۔'' حمیرا نے کہا۔

''میں فارغ تو ہوتا نہیں ہوں۔ جب بھی کوئی کام سوچتا ہوں کوئی نہ کوئی آ جاتا ہے۔''

''صاحب...... غوری صاحب آئے ہیں۔'' ملازم اندر آتے بولا۔

''انہیں ڈرائنگ رُوم میں بٹھاؤ...... کہو! انتظار کریں۔'' حمیرا نے پیشانی پر بل ڈال کر نوکر سے کہا۔

''جی......!''

''ٹھہرو......'' ایک دم اُچک کر جواد نے ملازم کو روکا۔

''تم آنٹی کو لے جاؤ...... میں پھر کبھی چلا جاؤں گا۔'' جواد کے من میں لڈو پھوٹنے لگے کہ جانا نہیں پڑا۔

''ٹھیک ہے...... آپ کی مراد بر آئی۔'' وہ روٹھی روٹھی ماں کے کمرے کی طرف چل دی۔ اور جواد ڈرائنگ رُوم کی طرف چل دیا۔

''اماں......'' وہ ماں کی پائنتی بیٹھ گئی۔

''کیا بات ہے...... تم گئی نہیں......؟'' مُنی بائی بیٹھتے ہوئے عینک لگاتے بولی۔

''نہیں...... جواد کہتے ہیں کہ میں آپ کے ساتھ چلی جاؤں......'' حمیرا رُوٹھے رُوٹھے انداز میں بولی۔

''مجھے پتہ تھا کہ وہ تمہارے ساتھ نہیں جائے گا...... ہر روز کی ٹال مٹول سے یہی نتیجہ نکلتا ہے۔'' مُنی بائی ترش لہجے میں بولی...... جواد کی یہ حرکت اُسے اچھی نہ لگی۔

''غوری آ گیا ہے......'' حمیرا نے کہا۔

''جو کوئی بھی ہو...... جو کام کرنا ہے اُس کو تو ٹالا نہیں جا سکتا۔'' مُنی بائی پھر بولی۔

''اُٹھو نا اماں...... دیر ہو رہی ہے...... کلینک بند ہو جائے گا۔''

''چلو......'' دونوں ماں بیٹی باہر نکل گئیں۔

غوری اُس کے تن بدن کو آگ لگا کر چلا گیا...... یہ عورت میرے اعصاب پر سوار ہو چکی ہے...... ایسی اعصاب شکن حرکات کرتی ہے...... میں اُسے زندہ نہیں چھوڑوں گا...... وہ دانت پیس کر زبردست طیش میں صوفے پر دراز ہو گیا۔

''ابھی وہ بیٹھا ہی تھا کہ دونوں ماں بیٹی اندر داخل ہوئیں...... ''کسی نوکر کو چائے کا کہو بیٹی! میں اپنے کمرے میں جا رہی ہوں۔'' مُنی بائی تھکی تھکی لوٹ گئی۔

''جواد......!'' وہ مسرت بھرے انداز میں جواد کے پاس ہی بیٹھ گئی۔

''کیا کہا ڈاکٹر نے......؟'' جواد نے پوچھا۔

''میں بالکل ٹھیک ہوں...... اب آپ کے ٹیسٹ ہوں گے۔'' حمیرا بولی۔

''میرے...... تمہارا دماغ تو نہیں خراب ہو گیا...... میرے ٹیسٹ کس لئے ہوں گے؟'' وہ جھنجھلا سا گیا۔

''ڈاکٹر نے کہا ہے کہ خرابی کسی میں بھی ہو سکتی ہے...... آپ کو کل میرے ساتھ چلنا ہو گا......'' حمیرا نے اصرار کیا۔

''ٹھیک ہے...... چلا جاؤں گا...... ہر وقت کوئی نہ کوئی ٹینشن ہی ذہن پر سوار رہتی ہے۔'' وہ خود سے بڑبڑانے لگا۔

دوسرے دن وہ ڈاکٹر کے پاس اکیلا ہی چلا گیا...... پورے ٹیسٹ کروانے کے بعد وہ باہر آ گیا......

''جواد صاحب! آپ کی رپورٹ ہم کراچی بھیجیں گے...... ایک ہفتے کے بعد آپ اپنی رپورٹ لے جائیے گا۔''

''ٹھیک ہے......'' وہ واپس آ گیا۔

اور آٹھ دن کے بعد وہ بغیر بتائے ہسپتال پہنچ گیا۔

''جواد صاحب! تشریف رکھیے۔'' ڈاکٹر وارثی نے سامنے کرسی کی طرف اشارہ کیا۔

''تھینک یو......!'' وہ بیٹھ گیا۔ لیکن ذہن پراگندہ خیالات میں اُلجھا ہوا تھا۔ وہ صحیح اور غلط کے اعراف میں ہچکولے کھا رہا تھا۔

''یہ لیجیے...... آپ کی رپورٹ......'' ڈاکٹر وارثی نے سنجیدہ انداز میں فائل اُس کے حوالے کی۔

بڑے ہی کمزور ہاتھوں سے اُس نے ڈاکٹر سے فائل پکڑی جیسے اس میں بم ہو......

جو اُس کی ہستی کو نابود کر دے گا۔

''جواد صاحب...... مجھے افسوس ہے کہ اس رپورٹ کے مطابق...... آپ کبھی باپ نہ بن سکیں گے......'' ڈاکٹر وارثی نے اُس کے چہرے کو گہری نظر سے دیکھ کر کہا۔

''جی......؟'' وہ صرف اتنا ہی کہہ سکا...... اُسے یوں محسوس ہوا جیسے اُس کو آسمان کی بلندیوں سے زمین پر پٹخ دیا گیا ہو...... اُس کا وجود کئی حصوں میں بٹ کر ریزہ ریزہ کائنات کے خاشاک پر بکھر گیا...... اُس نے دیکھا...... چھوٹے چھوٹے معصوم بچے اُس کی اس تذلیل پر قہقہے برسا رہے ہیں...... وہ جدھر جاتا ہے ایک احساسِ محرومی اُس کا تعاقب کئے ہوئے ہے......

وہ ندامت آمیز نظریں ڈاکٹر کے چہرے پر ڈالتے فائل لے کر ہسپتال سے باہر آ گیا۔ عالم پریشانی میں وہ اپنی گاڑی چھوڑ کر آگے بڑھ گیا...... آگے جا کر احساس ہوا کہ اُس نے اپنی گاڑی دوسری طرف پارک کی ہے...... وہ واپس پلٹا اور گاڑی میں سوار چل دیا۔

''چند دن تو وہ حمیرا سے چھپاتا رہا...... لیکن مُنی بائی کی امتحانی نظروں سے وہ بچ نہیں سکتا تھا...... مُنی بائی کئی مرتبہ پوچھ چکی تھی کہ جواد نے تم سے کوئی بات نہیں کی......؟

''نہیں...... ویسے رپورٹ تو مل گئی ہے۔'' حمیرا نے کہا۔

''اُس سے پوچھو...... کیا معاملہ ہے؟ مجھے شک پڑتا ہے کہ رپورٹ صحیح نہیں ہے۔''

مُنی بائی کی آنکھوں میں جواد کا ستا ہوا چہرہ گھومنے لگا۔

''مجھے تو کچھ نہیں بتایا......'' حمیرا بولی۔

''وہ ڈرائنگ رُوم میں کام کر رہا ہے...... ابھی پوچھو جا کر......'' مُنی بائی کے الفاظ میں حکم کا عنصر غالب تھا۔

''جاتی ہوں......'' وہ آنچل لہراتی ڈرائنگ رُوم میں داخل ہوئی۔

''جواد......!'' وہ مسکراتی ہوئی دروازے کا پردہ سرکا کر بولی۔

''آؤ......!'' جواد نے فائلیں ایک طرف رکھتے ہوئے کہا۔

''بہت دن ہو گئے...... آپ نے مجھے بتایا ہی نہیں......'' حمیرا اُس کے ساتھ بیٹھتے ہوئے بولی۔

''کیا......؟'' وہ جان بوجھ کر انجان بن گیا......

''ڈاکٹر نے رپورٹ مانگی ہے آپ کی۔ تاکہ دونوں کا علاج ہو سکے۔'' حمیرا نے کہا۔

''میری رپورٹ ٹھیک نہیں ہے۔'' جواد نے بڑے حوصلے سے کام لیا۔

''کیا مطلب......؟'' وہ چونک سی گئی۔

''مطلب یہ ہے کہ سنو...... تمہیں جھٹکا تو محسوس ہو گا...... اب خدا کو یہی منظور ہے تو میں کیا کر سکتا ہوں......'' وہ تفصیل میں پڑ گیا۔

''آپ کھل کر بات کریں...... مجھے آپ کی کسی بات کی سمجھ نہیں آ رہی۔'' حمیرا روہانسی سی بولی۔

''بات یہ ہے...... کہ میری رپورٹ کے مطابق...... میں زندگی میں کبھی باپ نہیں بن سکوں گا۔'' جواد نے حمیرا کا چہرہ دیکھتے فوراً جملہ ادا کر دیا۔

''جی...... جواد! آپ کیا کہہ رہے ہیں؟'' حمیرا کی جیسے چیخیں نکل گئیں۔

''میں ٹھیک کہہ رہا ہوں...... بتا تمہیں اس لئے رہا ہوں کہ میں تمہیں اندھیرے میں رکھنا نہیں چاہتا۔'' وہ بڑا صاف گو بن چکا تھا...... اور وہ خاموش جواد کا چہرہ تکتے جا رہی تھی۔

''حمیرا...... اب اگلا فیصلہ تم نے کرنا ہے۔'' وہ حمیرا کا افسردہ چہرہ دیکھ کر بولی۔

''کوئی علاج بھی ممکن نہیں؟'' حمیرا نے کہا۔

''نہیں...... علاج بھی ممکن نہیں...... میں ڈاکٹر وارثی سے سب پوچھ آیا ہوں۔'' جواد نے کہا۔

''ایسی مہلک بیماری ہے آپ کو...... حیرت ہے......'' اس کے ساتھ ہی وہ چہرے پر ہاتھ رکھے بری طرح رو دی...... وہ دیکھتا رہا......

جب ضبط کے تمام بندھن ٹوٹ گئے تو وہ اپنی ماں کے پاس بھاگ گئی۔

''اے لڑکی! کیا ہو گیا تمہیں...... جواد نے کچھ کہا......؟'' مُنی بائی تڑپ کر اُٹھ بیٹھی۔

وہ روتی سسکتی رہی......

''رو لے...... دِل ہلکا ہو جائے گا......'' ماں نے کہا۔

''اب میں کیا کروں اماں...... میرا تو کچھ بھی نہ رہا...... بغیر اولاد کے میں کس کام کی......؟'' وہ آنسوؤں کے درمیان بولی۔

''گھبرا نہ...... کوئی حل تلاش کر لیں گے...... اس شخص نے دھوکہ دیا ہے...... اگر یہ بیمار تھا تو اس نے تمہارے ساتھ شادی کیوں کی......؟'' مُنی بائی کو غصہ آ گیا۔

حمیرا نے اس بات کا جواب دینا مناسب نہ سمجھا۔

''ایسے مرد کے ساتھ تو رہنا بھی جائز نہیں......'' مُنی بائی نے کہا۔

''تو کیا...... مجھے جواد کو چھوڑنا ہوگا......؟'' حمیرا چونک کر بولی۔

''تو مٹی کا مادھو کیا کرنا ہے...... دفعان کر......'' مُنی بائی نے نفرت سے ہاتھ جھٹکا۔

''یہ تو بہت برا ہوا......'' حمیرا کو افسوس ہوا۔

''اب اُسے چاہئے کہ خود ہی تمہیں چھوڑ دے...... ایسے ساتھ کا کیا فائدہ......؟'' مُنی بائی نے کہا۔

''اماں...... جواد نے میرے ساتھ اچھا نہیں کیا۔'' حمیرا کو بھی جواد پر غصہ آنے لگا۔

''تم خود ہی سوچو...... اتنی اچھی، با اخلاق، خوبصورت لڑکی بتیاں...... اس کی اُس کے ساتھ نہ بن سکی تو تم کیا ہو۔'' مُنی بائی نے کہا۔

''اُس کا بھی شاید یہی جھگڑا ہے...... وہ تو اب عدالت کے ذریعے طلاق لے رہی ہے۔'' حمیرا نے کہا۔

''خیر! چند دن ذرا سوچو! میں کوئی تدبیر نکالوں گی۔ ویسے یہ اب کام کا نہیں ہے۔''

اُس شب حمیرا اپنے بیڈ پر سونے کی بجائے اپنی ماں کے پاس سوئی...... تمام شب دونوں ماں بیٹی باتیں ہی کرتی رہیں۔

جواد ساری حقیقت جان چکا تھا...... ماں بیٹی کا رویہ اُس کے ساتھ پہلے جیسا نہ تھا...... وہ گھر اُس کو عام قسم کی سرائے سے کم نظر نہ آتا تھا جہاں مسافر آ کر آرام کرے...... کھانا کھائے اور اپنی منزل کی طرف چل دے......

اُدھر جواد بھی مسلسل عجیب قسم کی مصیبتوں میں گھر چکا تھا...... اُسے حمیرا سے زیادہ غوری کی پریشانی تھی...... غوری کے ساتھ شراکت میں اُس کی طرف بہت روپیہ نکلتا تھا...... جس کا غوری نے فوری مطالبہ کر دیا تھا...... وہ حمیرا کو اُس کی مرضی پر زندگی گزارنے کا حق دینا چاہتا تھا اور نہ ہی اُسے حمیرا میں وفا کی وہ چمک نظر آتی تھی جو اکثر مشرقی عورت میں ہوتی ہے...... حمیرا اُس سے کھنچی کھنچی سی رہنے لگی تھی۔

چنانچہ ایک دن اُس کی ماں نے کہہ ہی دیا۔

''جواد بیٹا! تم سے ایک بات کرنا چاہتی ہوں...... غور سے سننا۔'' مُنی بائی نے کہا۔

''میں سب سمجھتا ہوں...... آپ بات کریں۔'' جواد نے کہا۔

''اگر تم سمجھتے ہو تو تمہیں اس کا فیصلہ پہلے کر لینا چاہئے تھا۔'' مُنی بائی کرخت لہجے

میں بولی۔

''آپ کیا چاہتی ہیں......؟'' جواد نے دونوں پاؤں سیدھے کر کے میز پر رکھے۔

''حمیرا کو تم آزاد کر دو......!'' مُنی بائی نے کہا۔

''یہاں کیا تکلیف ہے...... سب کچھ تو مل رہا ہے۔'' جواد نے کہا۔

''حمیرا تمہاری نوکرانی نہیں...... اُسے بیوی بن کر رہنے کا شوق تھا'' مُنی بائی نے اپنی بھاری آواز حلق سے نکالی۔

''آپ طلاق لینا چاہتی ہیں......؟'' وہ بولا۔

''اب اس کے سوا چارہ بھی نہیں......'' مُنی بائی نے کہا۔

جواد نے چند لمحے سوچا...... ہر طرف سے ناکامی کے سائے لہراتے نظر آئے...... حمیرا اُس کے اختیار میں نہیں رہ سکتی......

''ٹھیک ہے...... جس طرح آپ چاہیں گے، اُسی طرح ہوگا۔'' وہ بولا اور اُٹھ کر باہر چلا گیا۔

اس کے بعد حالات سنگین سے سنگین تر ہوتے گئے...... جواد مُنی بائی کے اصرار پر یہ مکان حمیرا کے نام لگا چکا تھا...... اُس نے یہ سوچا ہی نہ تھا کہ ایسے حالات بھی ہو جائیں گے۔ اُدھر مُنی بائی کا اصرار بڑھ رہا تھا...... وہ اپنی بیٹی کا گھر آباد دیکھنا چاہتی تھی۔ وہ عجیب قسم کی اُلجھنوں اور بندشوں میں جکڑا ہوا تھا...... اُدھر بتیاں کے دعویٰ دائر کرنے سے اُسے کئی مرتبہ عدالت کے چکر لگانے پڑے...... ابھی تک تو اُس کا وکیل ہی تمام پیشیاں بھگت رہا تھا...... وہ خود اُسے طلاق دینے کے لئے رضامند نہیں تھا...... فرار کا کوئی راستہ نہیں تھا۔

آچاری کی تاریخ قریب آتی جا رہی تھی......

وہ دن رات انہی گھمبیر سوچوں میں غلطاں رہتا...... قدرت اللہ بھی اُس کی کوئی مدد نہیں کر سکتا تھا......

☆☆☆

''بتیاں......'' برآمدے کا زینہ چڑھتے ہی بالے نے بتیاں کو پکارا۔

''کہاں سے آئے ہو...... دو گھنٹے سے میں تمہارا انتظار کر رہی ہوں۔'' بتیاں نے خفا سا انداز اپنا لیا۔

''میں اس قدر خوبصورت پیشانی پر سلوٹ نہیں دیکھنا چاہتا۔'' وہ قریب آ کر برآمدے میں بچھی ہوئی خوبصورت کرسی پر بیٹھ گیا۔

''تمہیں اس بات کا اندازہ نہیں ہے کہ تمہارے بعد میں کتنی اکیلی رہ جاتی ہوں۔'' وہ افسردہ سی دوسری کرسی پر بیٹھ گئی۔

''ابھی تو گیا تھا......'' وہ ہنس دیا۔

''ابھی گئے تھے...... دوپہر کا کھانا کھا کر نکلے ہوئے ہو...... اور اس وقت شام کے سات بج گئے ہیں۔'' وہ اپنی کلائی کی گھڑی دیکھ کر بولی۔

''ہاں بتیاں...... واقعی دیر ہو گئی۔'' وہ کرسی پر پرسکون پہلو بدل کر بولا۔

''تمہیں ایک بات بتاؤں...... حیران رہ جاؤ گی۔'' وہ ٹھہر کر پھر بولا۔

''بولو......!'' وہ صرف اتنا ہی کہہ سکی۔

جواد نے اپنی دوسری بیوی حمیرا کو طلاق دے دی۔''

''کیا......؟ حمیرا کو طلاق دے دی؟'' وہ جیسے چیخ اُٹھی۔

''ہاں...... قدرت اللہ ملا تھا...... وہ بتا رہا تھا۔'' بالے نے کہا۔

بتیاں چند لمحے خاموش جواد کے حالات زندگی کے بارے میں سوچتی رہی...... اُسے تو کب کا علم تھا کہ جواد نے دوسری شادی کر لی ہے...... لیکن اُسے برا نہیں لگا۔ کیونکہ جب اُس کا جواد کے ساتھ کوئی واسطہ ہی نہیں ہے تو وہ جتنی مرضی شادیاں کرے......

''بتیاں...... کیا بات ہے...... کیا سوچنے لگی ہو؟'' بالے نے گہری نظروں سے اُس کی طرف دیکھا۔

''میں سوچنے لگی ہوں کہ حمیرا کے ساتھ بھی اُس نے کوئی کھیل کھیلا ہو گا جو اُسے طلاق دینا پڑی۔'' بتیاں نے کہا۔

''طلاق حمیرا نے خود لی ہے......'' بالے نے کہا۔

''خود لی ہے......؟ یہ تو بڑی عجیب بات ہے...... بالے! یہ چکر اور ہی معلوم ہوتا ہے۔'' بتیاں نے دُور خلا میں دیکھا۔

''مجھے یہ سب معلوم نہیں...... خدا ہی بہتر جانتا ہے۔'' بالے نے کہا۔

''تمہیں سب کچھ معلوم کرنے کی ضرورت بھی نہیں...... اور آئندہ قدرت اللہ سے ملنے سے گریز کرنا۔'' وہ بولی۔

''کیوں...... اچھا آدمی ہے۔'' بالا مسکرا کر بولا۔

''وہ اچھا آدمی ضرور ہے...... میں اُسے برا نہیں کہتی...... میرا مطلب یہ ہے کہ وہ باتونی ہے...... کوئی بات اُس کے پیٹ میں نہیں رہتی......'' بتیاں سنجیدہ انداز میں بالے کو خبردار کرتے بولی۔

''وہی کہتا رہا۔ میں نے خود سے کوئی بات نہیں کی۔'' بالے نے اپنی سچائی بیان کی۔

''مجھے ڈر ہے کہ وہ ایسے ہی کہیں تمہارا نام نہ جواد کے سامنے لے دے...... اور وہ پہلے ہی دشمن بنا پھرتا ہے۔'' بتیاں سہم سی گئی۔

''دشمن ہے تو ہمارا کیا کر لے گا...... تمہیں خوامخواہ ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے۔'' بالا ایک دم چونک کر بولا۔

''اگر اُس نے تمہیں کوئی نقصان پہنچایا تو میرا کیا ہو گا؟'' بتیاں پھر خوفزدہ سی ہو گئی۔

''مجھے کیسے نقصان پہنچا سکتا ہے...... میں کبھی اُس سے ملا ہی نہیں۔'' بالا ہنس کر بولا۔

''بہرحال! پھر بھی باہر جاؤ تو اپنے آپ کو ارگرد سے محفوظ رکھنے کی کوشش کیا کرو۔''

بتیاں اس وقت بہت پریشان نظر آ رہی تھی۔

''خدا کی مدد چاہئے...... تم پریشان مت ہو۔'' وہ آگے کو جھک کر بولا۔

......تمہیں کیا بتاؤں...... کائنات میں ایک تم ہو جو خدا کے بعد میری زندگی اور زندہ رہنے کا وسیلہ ہو...... اگر تمہیں کچھ ہو گیا تو میں...... وہ گہری سوچوں میں اُتر گئی۔

بالا حیرت سے اُسے دیکھتا رہا۔

آج اتوار تھا...... قدرت اللہ تمام کاموں سے فارغ کچھ

وقت چھوٹے بہن بھائیوں کے ساتھ گزارنا چاہتا تھا...... بڑی دو بہنوں کی تو شادی کر دی تھی۔ اب ماں اُس کی شادی کرنا چاہتی تھی...... لیکن وہ مان ہی نہیں رہا تھا......

''بیٹا...... خدا کا شکر ہے کہ تمہاری دونوں بہنیں اپنے گھر کی ہو گئیں...... میں چاہتی ہوں کہ تمہارا سہرا ابھی دیکھ لوں۔'' ماں نے بڑی آس سے اُس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

''جانے دو ماں...... ابھی تو میں بچہ ہوں...... بیوی کی ذمہ داری نہیں اُٹھا سکتا۔'' اُس نے کہا اور سامنے بیٹھے ہوئے تینوں بہن بھائی کھلکھلا کر ہنس دیئے۔

''اماں...... بھائی کے سر میں کتنے ہی سفید بال ہے۔'' چھوٹی پوی نے کہا۔ ماں بھی ہنسنے لگی......

''ماشاء اللہ...... تیس بتیس سال کا ہونے لگا ہے...... اب تو تیری شادی کر کے رہوں گی۔'' ماں نے عہد کیا۔

''اماں...... پہلے لڑکی بھی تلاش کر لے...... تیرے مطابق کی ہو۔'' قدرت اللہ نے کرسی سے ٹیک لگا کر دوسری کرسی پر پاؤں رکھے۔

''تو باہر پھرتا ہے...... تجھے کوئی لڑکی پسند نہیں آئی؟'' ماں نے کہا۔

''اماں...... میں باہر لڑکیاں پسند نہیں کرتا۔ اِدھر اُدھر کے حساب کتاب میں فرصت کہاں کہ لڑکیاں تلاش کروں......؟''

ٹرن ٹرن......

''ٹینو اُٹھانا ذرا......'' قدرت اللہ نے یوں ہی کہا۔

ٹینو نے لپک کر ریسیور کان کو لگایا...... ''جی ہیں...... بھائی جان! آپ کا فون......'' ٹینو نے ریسیور ایک طرف رکھتے ہوئے کہا۔

''کون ہے...... جواد ہے؟'' وہ اُٹھتے ہوئے بولا۔

''نہیں...... کوئی عورت ہے۔'' ٹینو دوبارہ اپنی جگہ پر بیٹھ گیا۔

''ہیلو...... کون......؟'' وہ کان کو ریسیور لگاتے ہی بولا۔

''میں مُنی بیگم بول رہی ہوں بیٹا...... تم سے ملاقات کرنا چاہتی ہوں۔'' وہ بولی۔

''مجھ سے...... خیریت تو ہے......؟'' قدرت اللہ ایک دم چونکا۔

''ہاں...... خیریت ہی ہے...... تم آج اور اسی وقت مجھ سے ملو۔'' مُنی بیگم نے کہا۔

''مجھے آنے میں کوئی عار تو نہیں ہے...... لیکن جواد......'' وہ بولا۔

''جواد یہاں سے چلا گیا ہے...... اپنا سامان بھی لے گیا ہے۔'' وہ بولی۔

''کہاں چلا گیا ہے...... مجھے خبر نہیں کی...... آخر میں اُس کا حصہ دار ہوں، ملازم تو نہیں۔'' قدرت اللہ کو اچھا نہ لگا۔

''یہ میں نہیں جانتی...... ویسے معلوم ہوا ہے کہ وہ کراچی چلا گیا ہے......''

''اچھا...... میں اُس کے بارے میں سب معلوم کروا لوں گا۔'' قدرت اللہ ٹیلی فون پر بات طویل نہیں کرنا چاہتا تھا۔

''میں تمہارا انتظار کر رہی ہوں......''

''آ رہا ہوں......''

''خدا حافظ......''

''خدا حافظ......''

اور وہ تیار ہو کر حمیرا کے گھر کی طرف چل دیا۔ گاڑی کسی دوست کے ہاں کھڑی کر کے وہ وہاں سے پیدل ہی مُنی بیگم کے ہاں چل دیا۔ دروازے پر بیل دیتے ہی دروازہ کھل گیا...... قدرت اللہ نے سلام کیا اور حسبِ عادت مسکراتا ہوا صوفے پر بیٹھ گیا۔

''حمیرا...... اپنے ہاتھ سے اچھی سی کافی بنا کر لاؤ قدرت اللہ کے لئے۔'' ماں نے صوفے پر بیٹھتے ہی جیسے ہانک لگائی۔

''ارے نہیں آنٹی! کافی کی ضرورت نہیں ہے...... میں تو ناشتہ کر کے آیا ہوں۔'' قدرت اللہ نے صوفے پر پہلو بدلا۔

''ارے نہیں بیٹا...... ناشتے کو تو اب چار گھنٹے ہو چکے ہیں۔'' مُنی بیگم نے کلاک کو دیکھا جو دن کے گیارہ بجا چکا تھا۔

''اماں نے آج آلو کے پراٹھے کھلا دیئے...... میرا خیال ہے لنچ کی بھی ضرورت نہیں۔'' وہ ہنس دیا۔

''کوئی بات نہیں...... کافی تو تمہیں پینی پڑے گی...... ویسے میری حمیرا کافی بڑی اچھی بناتی ہے۔'' مُنی بیگم نے مسکرا کر بیٹی کی تعریف کی۔

''یہ تو مانی ہوئی حقیقت ہے...... اکثر جواد تعریف کیا کرتا تھا۔'' قدرت اللہ کو ایک دفعہ کا واقعہ یاد آ گیا۔

''اُسے تو راس نہیں آیا۔ زندگی برباد کر دی میری بچی کی۔'' مُنی بیگم افسردگی سے بولی۔

''اللہ نہ کرے...... کچھ بھی نہیں بگڑا۔'' قدرت اللہ نے بغور مُنی بائی کی طرف دیکھا۔

''بگڑا تو کچھ نہیں بیٹا...... اب اور پرابلم ہے نا......'' وہ بولی۔

''کیا...... مجھے بتایئے...... ہوسکتا ہے کوئی حل نکل آئے۔'' قدرت اللہ بولا۔

''تم سے کچھ کہنا تھا بیٹا......''

''جی......؟'' قدرت اللہ کی چھٹی حس بیدار ہوگئی...... ویسے وہ فہم و ادراک کا مالک تھا...... بڑھیا کی چھپی ہوئی باتوں سے جان چکا تھا کہ وہ کیا کہنا چاہتی ہے۔

''دیکھو بیٹا...... اگر ہمیں معلوم ہوتا کہ جواد اس قدر بیمار ہے تو میں اپنی بیٹی کی شادی کبھی اس سے نہ کرتی......'' وہ بات کو شروع کرتے بولی۔

''آپ جواد کو چھوڑیئے...... اصل موضوع کی طرف آیئے! کہ آپ نے مجھے کس لئے بلایا ہے؟''

''اصل موضوع کی طرف آ جاؤں...... تو میں چاہتی ہوں حمیرا کی کہیں شادی ہو جائے۔'' وہ ایک دم آنکھوں ہی آنکھوں میں قدرت اللہ کی شخصیت کو پرکھنے لگی۔

''کوئی لڑکا تلاش کیا آپ نے......؟'' وہ فوراً بولا۔

''ہاں...... میں نے تو تلاش کرلیا ہے۔'' مُنی بائی نے بڑی چاہت سے قدرت اللہ کو دیکھا...... جو اندر آتی حمیرا کو مسکرا کر دیکھ رہا تھا۔

''بنا دو بیٹی......'' مُنی بائی نے حمیرا کو کہا۔ حمیرا نے ایک کپ قدرت اللہ اور دوسرا ماں کو دیا۔

قدرت اللہ نے آج اچھی طرح حمیرا کے سراپا کا جائزہ لیا...... وہ مجموعی طور پر اچھی لڑکی تھی......

''تم جاؤ اب......'' مُنی بیگم نے کہا۔

''بیٹھی رہنے دیں...... اب زمانہ بدل گیا ہے...... آپ لیں......'' قدرت اللہ نے ہنس کر اپنا کپ حمیرا کو پیش کیا۔

''آپ پئیں...... میں بنا لوں گی۔'' وہ بولی۔

''نہیں...... آپ یہ لیں، اور میرے لئے اور بنائیں۔'' وہ مسکرا کر حمیرا کو دیکھ کر بولا۔

''ٹھیک ہے......'' وہ مسکراتی ہوئی قدرت اللہ کے لئے کافی بنانے لگی۔

''بیٹا...... میں چاہتی ہوں کہ تم حمیرا سے شادی کرلو...... مجھے ایک شریف داماد کی

ضرورت ہے۔'' مُنی بیگم نے فوراً اصل بات کہہ دی۔

''آپ کی عنایت ہے کہ آپ مجھے شریف سمجھتی ہیں۔'' قدرت اللہ ہنس دیا۔

''ہاں بیٹا...... تمہیں بہت عرصے سے تو جان رہی ہوں...... عادت کا تو ایک دن میں علم ہو جاتا ہے۔'' مُنی بیگم نے قدرت اللہ کو بڑی اپنائیت سے دیکھا۔

قدرت اللہ خاموش دیکھتا رہا......

''بیٹا...... تم نے میری بات کا جواب نہیں دیا؟'' وہ بولی۔

''آنٹی! میں اپنی والدہ سے مشورہ کر کے آپ کو اطلاع کروں گا۔''

''ٹھیک ہے بیٹے...... کب تک مجھے معلوم ہو سکے گا؟ کاش! تم خوشخبری ہی سناؤ......'' وہ ہنس دی۔

''آپ بے فکر رہیے...... اُمید ہے کہ خداوند تعالیٰ اچھا ہی کرے گا۔'' وہ کھڑا ہو گیا۔

''بس بیٹا...... میرا خیال رکھنا...... گرتوں کو سہارا دینا بڑی عظمت ہے۔'' وہ قدرت اللہ کے ساتھ ہی کھڑی ہوگئی۔

''اجازت......'' وہ باہر نکل گیا۔

اور والدہ سے مشورہ کرنے کے بعد قدرت اللہ نے حمیرا سے شادی کر لی...... وہ مکان جہاں حمیرا رہتی تھی کرائے پر دے دیا اور قدرت اللہ حمیرا اور اُس کی والدہ مُنی بیگم کو اپنے ہاں لے آیا...... مُنی بیگم بڑی مطمئن تھی...... حمیرا نے آتے ہی دل جیت لیا...... اُس کا اپنی ساس اور دیور نندوں سے بڑا مشفقانہ رویہ تھا...... دونوں گھرانے بہت خوش تھے......

اُدھر جواد ہر طرف چھٹنے کے بعد سیدھا کراچی پہنچا...... روپے پیسے کی بھی کمی آ چکی تھی۔ اُسے تو کئی کروڑوں کی ضرورت تھی...... حالات اِس قدر ابتر ہو چکے تھے کہ اب سوائے باپ کی دولت ہتھیانے کے اور کوئی چارہ نہ تھا...... ایک عرصے بعد جب اُس نے سیٹھ داؤد کے ہاں قدم رکھا تو ایک بات اُس کے لئے صدمے کا باعث بنی......

''اب کیا فائدہ...... تمہارا باپ تمہاری صورت دیکھنے کے لئے ترستا رہا......'' اُس کی ماں سلطانہ بیگم آنسو صاف کرتے بولیں۔

''اماں...... میں جب بھی ملا...... بابا نے مجھ سے اچھی طرح بات نہیں کی...... میں

نے دل برداشتہ ہو کر آنا چھوڑ دیا......'' جواد حد درجہ افسردگی سے بولا۔

''تمہیں معلوم تھا کہ وہ دل کے مریض تھے...... صدمے کی بات برداشت نہیں کر سکتے تھے۔'' ماں نے کہا...... وہ روتا رہا۔

''تم سے اتنا نہ ہو سکا کہ باپ کے قدموں میں گر کر معافی ہی مانگ لو...... لیکن تم پر تو اُس اداکارہ کا بھوت سوار تھا...... تم نے ہم سب کو چھوڑنا پسند کر لیا لیکن اُس سنہری ناگن کو نہ چھوڑا......'' سلطانہ بیگم دل کے پھپھولے پھوڑتی رہیں۔

''کتنا عرصہ ہو گیا بابا کو فوت ہوئے......؟''

''دو ماہ ہو گئے...... تمہیں کیوں نہیں پتہ چلا...... منشی جی نے اخبار میں نکلوا دیا تھا۔'' سلطانہ بیگم نے بھیگی آنکھوں سے اُسے دیکھا۔

''میری نظر میں تو یہ خبر نہیں پڑی۔'' وہ شرمندہ سا بولا۔

''کیسے پڑتی...... تم تو اپنے جھمیلوں میں اُلجھے ہوئے تھے...... تمہیں کیا معلوم کہ گھر میں کیا ہو رہا ہے...... اور ہم کس حال میں ہیں۔'' سلطانہ بیگم نے روتے ہوئے کہا۔

''اچھا اماں...... مجھ سے جو غلطیاں اور کوتاہیاں ہوئی ہیں اُن کی معافی چاہتا ہوں۔'' وہ ماں کے گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر بولا۔

''تو ہی تو اب آسرا ہے...... میں تو کہتی ہوں بیٹا...... سب کچھ چھوڑ کر آ جاؤ...... باپ کا کاروبار سنبھال لو!'' ماں نے جیسے التجا کی ہو۔

''ٹھیک ہے اماں...... میں واپس آ جاؤں گا...... ذرا لاہور میں مختلف کاموں میں اُلجھا ہوا ہوں...... وہ نمٹا لوں تو آ جاؤں گا۔'' وہ ماضی کی طرف دیکھ کر بولا۔

''لاہور میں کوئی بزنس کرتے ہو......؟'' سلطانہ بیگم نے سوچ کر کہا۔

''ہاں اماں...... پیٹ بھرنے کے لئے کچھ نہ کچھ تو کرنا ہی پڑتا ہے نا۔'' وہ بولا۔

''اچھا خیر...... میں تفصیل میں پڑنا نہیں چاہتی...... تم جلدی فارغ ہو کر آ جاؤ......''

''ٹھیک ہے اماں...... میں منشی جی کو سب سمجھا جاتا ہوں...... اور عنقریب پہلی فرصت میں آ جاؤں گا۔''

''ٹھیک ہے...... تمہارے آ جانے سے کتنا آسرا ملا ہے میرے بیٹے......'' سلطانہ بیگم نے محبت سے جواد کو دیکھا...... ماں ہونے کے ناطے وہ سب بھول کر اُسی طرح محبت کرنے لگی تھی۔

جواد چند دن رہا، پھر واپس لاہور آ گیا اور آتے ہی جب اُس کو یہ خبر ملی کہ قدرت اللہ نے حمیرا سے شادی کر لی ہے...... اور اپنا کاروبار علیحدہ کر کے آفس بھی دوسرا بنا لیا ہے تو اُس کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ سب سے پہلے اُس نے قدرت اللہ سے ملاقات کرنا زیادہ ضروری سمجھا......

گاڑی سے اُتر کر وہ سیدھا اُس کے آفس پہنچا۔ ''پلیز! قدرت اللہ سے ملنا ہے۔''

آفس سیکرٹری نے ریسیور کان کو لگاتے ہوئے ہاتھ کے اشارے سے جواد کو روک دیا۔ ''سر...... جواد صاحب ملنا چاہتے ہیں۔''

ریسیور اُتار کر آفس سیکرٹری نے جواد کی طرف دیکھا۔ ''پلیز جایئے......!'' جواد جھنجھناتا ہوا اندر داخل ہو گیا۔

''جواد...... تم آ گئے...... کہاں رہے اتنے دن...... بیٹھو!'' وہ اپنے سامنے والی کرسی پر اشارہ کرتے بولا۔

''تم ایک گھٹیا اور نیچ انسان ہو...... سانپ ہو...... خوب تم نے ڈسنے کے لئے اُس کو چنا جس نے برے وقت میں تمہاری مدد کی......'' جواد بغیر سوچے سمجھے چلا اُٹھا...... جوش سے اُس کی رگیں پھول گئیں۔

''بیٹھو تو سہی...... تسلی سے بات کرو!'' قدرت اللہ پُرسکون طریقے سے مسکرا دیا۔

''میں بیٹھنے نہیں آیا...... صرف تم سے پرانا حساب چکانے آیا ہوں۔'' جواد غرایا۔

''کیا مطلب......؟'' قدرت اللہ بولا۔

''میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا...... تم نے میری عدم موجودگی میں حمیرا سے شادی کر لی...... سنپولئے......'' جواد نے دانت پیسے۔

''تم نے اُسے طلاق دے دی تھی...... اور شادی وہ کسی سے بھی کر سکتی تھی۔'' قدرت اللہ نے دیکھا جواد کا ہاتھ بار بار پینٹ کی جیب میں گھس رہا تھا...... اُس کی چھٹی حس بیدار ہو چکی تھی کہ اُس کی جیب میں لازمی ریوالور ہو گا......

''تمہیں اس قدر طیش اُس وقت آنا چاہئے تھا اگر وہ تمہاری بیوی ہوتی تو......'' قدرت اللہ پھر بھی پُرسکون تھا۔

''وہ حرافہ ننگِ زمانہ ادنیٰ رقاصہ کچھ عرصہ پہلے میری......'' وہ رکیک انداز میں بولا۔

''جواد...... خبردار! حمیرا کے بارے میں ایک لفظ بھی مت کہنا...... وہ میری بیوی ہے

اور عزت ہے اس وقت میری......" قدرت اللہ کھڑا ہو گیا۔

"ویسے تم نے مجھے بڑا دھوکہ دیا ہے......تمہیں ایسا نہیں کرنا چاہتے تھا......" جواد بیٹھتے ہوئے ٹھنڈا ہو گیا۔

"یقین کرو جواد......مُنی بیگم نے خود مجھے حمیرا سے شادی کرنے کو کہا تھا......اور میں اُن بے سہارا عورتوں کا سہارا بن گیا۔ اگر قصور ہے تو اس ریوالور سے مجھے اُڑا دو......" قدرت اللہ نے اُس کی جیب کی طرف اشارہ کیا......لیکن جواد خاموش بیٹھا رہا۔

چند لمحے دونوں خاموش رہے......پھر جواد نے کچھ دیر ٹھہر کر نظریں اُٹھائیں......"میں نے سنا ہے کہ تم نے کاروبار بھی علیحدہ کر لیا ہے۔" جواد آفس کی شان و شوکت دیکھ کر بولا۔

"ہاں......میں نے سب کاروبار علیحدہ کر لیا ہے......تمہارا میری طرف کوئی پیسہ نہیں ہے......البتہ جو رقم ہم نے شراکت میں لگائی تھی اُس میں پچاس لاکھ تمہاری طرف نکلتا ہے۔" قدرت اللہ نے ایک فائل اُس کی طرف بڑھائی۔

"یہ کیا ہے......؟" جواد نے بغیر ہاتھ بڑھائے فائل کو دیکھا۔

"اس میں مکمل کوائف ہیں......جو روپیہ ہم اکٹھے لگاتے اور نکالتے رہے ہیں۔ بلکہ ہم دونوں کے دستخط بھی موجود ہیں۔" قدرت اللہ نے فائل کھول کر اُس کے سامنے کی۔

"رکھو اسے......ویسے بڑے چالاک ہو تم......اپنی سیف سائیڈ رکھتے رہے ہو......یہ آفس بتا رہا ہے کہ تم نے کچھ تو کیا ہے......" جواد کو صرف اب الزام تراشی کے علاوہ اور کوئی بات نہ سوجھی۔

"میں نے ایک روپیہ بھی تمہاری اجازت کے بغیر استعمال نہیں کیا......بات صرف اتنی ہے کہ تمنے عیاشی کی ہے اور میں شرافت میں رہا ہوں......اور روپے کو فضول کاموں میں ضائع نہیں کیا۔" قدرت اللہ صاف گوئی پر اُتر آیا۔

"میں نے عیاشی کی ہے......؟" جواد آنکھیں نکال کر بولا۔

"یہ تو تم خود جانتے ہو کہ کیا، کیا ہے۔" قدرت اللہ کچھ نہیں کہنا چاہتا تھا۔

"جو کچھ تم نے کرنا تھا کر لیا......اب تمہارے پاس کہنے کو کچھ نہیں ہے۔" جواد کو پھر طیش آ گیا۔

"تمہارا وہم ہے......میں نے تمہارے ساتھ برا نہیں کیا۔" قدرت اللہ بولا۔

"تم......وہ چور ہو جو دوست کے گھر میں نقب لگا کر دوستی کو برباد کرتا ہے......"

جواد نے میز پر مکہ مارا۔

"جواد......Hold your toungue (اپنی زبان کو لگام دو)" قدرت اللہ بھڑک اُٹھا......جیسے ٹھہرے ہوئے پانی میں طلاطم اُٹھے......اور خونخوار موجیں ساحل سے اُچھل کر اِردگرد کی تمام اشیاء کو لپیٹ میں لے لیں......

"سچ کڑوا ہوتا ہے جان......تکلیف ہوئی ہے نا......" جواد نے بھرپور طنز کے نشتر چبھوتے مسکرا کر کہا۔

"بہتر ہے کہ تم اب یہاں سے چلے جاؤ......میں تمہاری صورت دیکھنا بھی گوارہ نہیں کروں گا......چلے جاؤ......Get out" قدرت اللہ چیخ اُٹھا اور جواد دروازہ توڑ دینے کی حد تک کھول کر باہر نکلا......سیکرٹری نے نکلتے دیکھا۔

جواد کے جاتے ہی وہ پلیٹ میں پانی کا خوبصورت گلاس لئے داخل ہوئی۔ قدرت اللہ اب بھی ساکن کھڑا دانت پیس رہا تھا......

"سر......پانی......" وہ پیش کرتے بڑے مؤدب لہجے میں بولی۔

"تھینک یو......" ایک دم کہتے ہوئے قدرت اللہ نے گلاس ہونٹوں کو لگا لیا۔

"سر......کافی بناؤں آپ کے لئے......گرم گرم......طبیعت پُرسکون ہو جائے گی سر......" سیکرٹری نے کہا......لیکن وہ رُومال سے پسینے سے شرابور چہرہ صاف کرتا رہا۔ پھر ایک دم کرسی پر گرا اور کرسی کی پشت پر سر ٹکا دیا۔

"ریلیکس سر......ایسا تو ہوتا ہی رہتا ہے سر......کوئی گوشہ فردوس تو نہیں کہ دل شکنی کی بات ہی کوئی نہ ہو......چاہے آپ بے گناہ ہوں......" سیکرٹری قدرت اللہ کو بہت افسردہ دیکھ کر دلکش مسکراہٹ ہونٹوں پر بکھیر کر بولی۔

"نادرہ......تم بہت اچھی باتیں کرتی ہو......جاؤ! اچھی سی کافی......اپنے لئے بھی......" وہ مسکرا دیا۔

"تھینک یو سر......!"

گو نادرہ کی باتوں سے اُسے ڈھارس تو بندھ گئی تھی......وہ نرم خو نوجوان تھا......کسی کا دل دکھانا یا کسی کی دُکھتی رگ پر ہاتھ رکھنا اُس کی سرشت میں شامل نہیں تھا......اُس کو جواد کی باتوں کا بہت دُکھ ہوا تھا......جس کا وہ اہل نہیں تھا......آج کل ٹوٹے ہوئے کو جوڑنا اور بے سہارا کو سہارا دینا جرم ہے......وہ آفس سے فارغ ہو کر تقریباً تین بجے گھر

پہنچا...... طبیعت اب بھی بجھی ہوئی تھی...... گاڑی سے اُتر کر وہ بیڈ روم میں آ گیا......

حمیرا ایک دم کمرے میں داخل ہوئی...... قدرت اللہ کو پلنگ پر جوتوں سمیت بے ترتیب لیٹے دیکھ کر وہ سہم سی گئی۔

''کیا بات ہے...... کوئی پریشانی ہے؟'' وہ پاس ہی بیٹھ گئی۔

''تمہارے ہوتے ہوئے مجھے کیا پریشانی ہو سکتی ہے......؟'' وہ زبردستی ہونٹوں پر مسکراہٹ لاتے بولا۔

''چہرے پر بارہ بجے ہوئے ہیں۔'' حمیرا نے قدرت اللہ کو مسکراتے دیکھ کر کہا۔

''جواد آج میرے آفس آیا تھا۔'' وہ اُٹھ کر بیٹھ گیا۔

''پھر......؟'' حمیرا کا سانس اُوپر کا اُوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا۔

''وہ بہت دن تو کراچی رہ کر آیا تھا...... اور آتے ہی اطلاع ملی کہ میں نے اُس کے گھر ڈاکہ ڈال دیا ہے...... یعنی کہ میں نے اُس کو لوٹ لیا ہے......'' قدرت اللہ بذلہ سنج انداز میں ہنس دیا۔

''کیا...... اُس کے گھر...... کون سا گھر......؟'' حمیرا کو شاید سمجھ نہ آئی۔

''ارے پاگل لڑکی...... میں نے جو تم سے شادی کر لی ہے۔'' وہ ہنس دیا۔

''میں نے اُس کو چھوڑا ہے اور اپنی مرضی سے شادی کی ہے...... وہ کون ہوتا ہے اس آڑ میں آپ کو کچھ کہنے والا۔'' حمیرا نے بڑی چاہت سے قدرت اللہ کے دونوں ہاتھ تھام لئے۔

''تم نے میرے ہاتھوں کو تھام لیا ہے نا......'' قدرت اللہ ہنس کر بولا۔

''تھام لیا......'' حمیرا اپنی گرفت مضبوط کرتے بولی۔

''اب چھوڑو گی تو نہیں نا......؟'' وہ مذاق کے موڈ میں تھا۔

''خدا نہ کرے قدرت...... کہ میں یہ ہاتھ چھوڑوں...... اگر ایسا وقت آئے تو مجھے موت آ جائے۔'' وہ قدرت اللہ کے ہاتھوں کو آنکھوں سے لگا کر بولی۔

''ارے...... تم تو سنجیدہ ہو گئی...... بھلا کوئی مجھے تم سے چھین سکتا ہے......؟'' قدرت اللہ بھی اپنائیت سے بولا۔

''قدرت...... ان دو ماہ میں آپ نے مجھے اتنا پیار دیا ہے کہ میں سب دُکھ بھول گئی ہوں...... یہ گھر میرے لئے جنت سے کم نہیں...... شفیق ماں اور پیارے بہن بھائی......'' وہ مسرت بھرے انداز میں بولی۔

''یہ سب تمہارا کمال ہے...... تم اچھی ہو...... اگر تم اچھی نہ ہوتی تو میرے گھر والے بھی اچھے نہ ہوتے۔'' قدرت اللہ ہنس دیا۔

''میں کہتی ہوں...... گھر والے اچھے ہیں......'' وہ بھی ہنس کر بولی۔

''حمیرا بیٹی! کھانا تیار ہو گیا ہے...... قدرت کو لے آؤ......'' پردے کی اوٹ سے قدرت اللہ کی ماں نے کہا۔

''اچھا امی جان...... آپ جلدی سے کپڑے تبدیل کر لیں۔ میں اتنی دیر میں کھانا ٹیبل پر لگا دوں۔'' وہ باہر جاتے جاتے بولی۔

''ٹھیک ہے جناب!'' وہ الماری کی طرف بڑھ گیا...... حمیرا اچھی لڑکی ہے...... جواد کے نصیب میں اس کا پیار ہی نہ تھا...... ہماری تو زندگی سنور گئی جب سے شادی ہوئی ہے...... شکر ہے بیوی تو اچھی ملی...... وہ خود کلامی کرتے لباس تبدیل کرتا سیدھا ڈائننگ ٹیبل پر پہنچا اور کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گیا...... سب ہی موجود تھے...... صرف حمیرا کی کرسی خالی تھی......

''بیٹی آ بھی جاؤ......'' سکینہ بیگم نے آواز دی۔

''امی جان! آپ کھانا کھائیں نا...... میں گرم گرم چپاتیاں لا رہی ہوں۔'' وہ گرم گرم روٹیاں پکڑے اندر داخل ہوئی۔

مُنی بیگم بیٹی کے مقدر جاگتے دیکھ کر خوشی سے جھوم جھوم جا رہی تھی......

''نہ بیٹی...... یہ کام نہیں ہو گا...... بھاگ بھری کو کہو! روٹیاں پکائے...... تم آ جاؤ ادھر......'' سکینہ بیگم نے قدرت اللہ کے پاس والی کرسی پر اشارہ کیا۔

''ہاں حمیرا...... اماں ٹھیک کہتی ہیں نا...... میرے منہ میں نوالہ کون ڈالے گا...... اس طرح اُن کا بیٹا بھوکا رہ جائے گا......'' قدرت اللہ کی اس بات سے سب ہنس دیئے۔

''بھائی جان...... غضب کے کریلے گوشت پکائے ہیں بھابھی نے......'' ٹینو نے کہا۔

حمیرا ہنستی ہوئی قدرت اللہ کے ساتھ والی سیٹ پر بیٹھ گئی......

''واقعی...... غضب کا ہی سالن بنایا ہے تمہاری بھابھی نے......'' قدرت اللہ نے اپنی پلیٹ حمیرا کی طرف بڑھائی۔

''آپ کھائیں، میں دوسری پلیٹ لے لیتی ہوں۔'' وہ سامنے سے پلیٹ اُٹھانے لگی۔

''نہیں بھئی...... میرے ساتھ کھاؤ! تاکہ مجھے پتہ چلے تم کتنے لقمے کھاتی ہو......''

سب ہنسنے لگے...... حمیرا بھی کھلکھلا کر ہنس دی۔

''خبردار لڑکے...... جو میری بیٹی کی روٹی پر نظر رکھی۔'' سکینہ بیگم نے پانی کا گلاس میز پر رکھا۔

''اماں...... جب سے حمیرا آئی ہے...... آٹا زیادہ لگنے لگا ہے......'' وہ نوالہ نگل کر پھر شریر ہو گیا۔

''امی جان...... منع کر لیں قدرت کو...... مجھے نظر لگا دیں گے۔'' حمیرا بھی شریر ہو گئی۔

''توبہ...... تمہیں نظر لگے گی......؟'' قدرت اللہ کانوں کو ہاتھ لگا کر بولا۔

''چل ہٹ...... کھانا کھانے دے بچی کو...... جی بھر کے کھانا بیٹی...... اس کی باتوں کا خیال نہ کرنا......'' سکینہ بیگم نے محبت سے سالن کا ڈونگا حمیرا کے سامنے رکھا۔

''اماں...... میں تو جی بھر کے کھاؤں گی...... جلنے والے جلا کریں......'' وہ ڈونگے میں سالن ڈالتے ہوئے شریر لہجے میں بولی۔

''سن لو اماں...... اسے کوئی اثر نہیں۔'' قدرت اللہ ہنس دیا۔

''حمیرا بیٹی......'' سکینہ بیگم نے دیکھا بچے کھانا کھا کر جا چکے تھے۔

''جی امی جان......؟'' حمیرا کھاتے کھاتے بولی۔

''بیٹی...... آج ڈاکٹر کے پاس ضرور چلی جانا...... بہن جی! آج میری بیٹی کو لے جائیے گا۔'' سکینہ بیگم منی بیگم سے بولیں جو کھانے کے بعد دانتوں میں خلال کر رہی تھیں۔

''ہاں ہاں بہن...... آج تو ضرور جانا ہے...... حمیرا! شام کو تیار رہنا۔''

''کیا بات ہے...... ڈاکٹر کے پاس کیوں جانا ہے؟'' قدرت اللہ نے ساس اور ماں کی طرف دیکھا...... اور حمیرا شرم سے ایک دم باہر نکل گئی......

''اللہ نے بڑا کرم کیا ہے بیٹا...... حمیرا اُمید سے ہے...... اب میرے آنگن میں پوتے پوتیاں کھیلیں گے۔'' سکینہ بیگم نے ہاتھ اُٹھا دیئے۔

''خدا کا واسطہ اماں...... اس طرح میری تعداد نہ بڑھانا......'' وہ ہاتھ جوڑ کر ہنستا ہوا کمرے سے نکل گیا۔

چند دن بڑے خوشگوار گزر گئے...... لیکن جوں جوں پیشی کے دن قریب آ رہے تھے...... بتیاں پریشان رہنے لگی تھی...... نہ اُسے کھانے کا ہوش اور نہ اُسے کسی اور بات کا...... بالا اُس کی حالت دیکھ کر کڑھتا رہتا...... اور جب وہ اُس سے

پوچھتا کہ کیا بات ہے...... تمہاری بھوک کیوں ختم ہو گئی ہے تو وہ مسکرا کر کہتی......

''تمہیں وہم ہے...... میں تو اُسی طرح کھانا کھاتی ہوں جس طرح پہلے کھاتی تھی۔''

''نہیں...... تم کچھ نہیں کھا رہی۔'' وہ بغور اُس کے خوبصورت چہرے کو دیکھ کر بولا۔

ٹرن ٹرن...... ٹیلی فون کی گھنٹی بجی......

''تم بیٹھو...... میں دیکھتا ہوں۔'' بالا فون کی طرف لپکا۔ ایک لمحے کے بعد اُس نے ریسیور رکھ دیا۔

''کس کا تھا......؟'' وہ بولی۔

''وکیل صاحب کا تھا...... کہ صبح نو بجے عدالت جانا ہے۔'' بالے نے اُس کے پاس بیٹھتے ہوئے کہا۔

''نہ جانے کیوں دل بری طرح دھڑکتا ہے بالے...... جب بھی عدالت کا نام سنتی ہوں......'' بتیاں نے کہا۔

''پریشانی کی کوئی بات نہیں...... انشاء اللہ آخری پیشی ہے...... اچھا ہی فیصلہ ہو گا۔'' بالے نے کہا۔

''خدا تمہاری زبان مبارک کرے......''

دوسرے دن بالا اور بتیاں تیار ہو کر عدالت پہنچ گئے...... اُنہوں نے دیکھا عدالت میں قدرت اللہ بھی موجود تھا...... اور جواد، اُس کا وکیل اور دیگر لوگ بھی موجود تھے...... اُس کا ہمدرد تو صرف اقبال ہی تھا......

کارروائی شروع ہوئی...... دونوں فریقین کے وکیلوں نے کافی جرح کی...... لیکن فیصلہ بتیاں کے حق میں ہوا...... عدالت نے جواد کی طرف سے بتیاں کو طلاق دے دی...... فیصلہ ہوتے ہی جواد نے خونخوار نگاہیں اقبال بالے کے پہلو میں بیٹی حسین و جمیل بتیاں پر ڈالیں...... جس کی بڑی بڑی آنکھوں سے شرارے پھوٹ رہے تھے......

کارروائی ختم ہوئی...... جج کی کرسی خالی ہو گئی اور دونوں عدالت سے باہر آ گئے۔

''اقبال......'' قدرت اللہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا اُن کے پاس آ گیا۔

''ارے قدرت اللہ صاحب...... آئیے! کیسے ہیں آپ......؟'' بالے نے بڑی خوشی سے قدرت اللہ سے مصافحہ کیا۔

''بتیاں صاحبہ...... مبارک ہو آپ کو......'' قدرت اللہ نے کہا۔

''خدا کا شکر ہے قدرت اللہ صاحب...... ایسے ظالم شخص سے جان چھوٹ گئی۔'' وہ مسکرا کر بالے کو دیکھ کر بولی۔

''بس...... جو خدا کو منظور ہوتا ہے، وہی ہوتا ہے۔'' قدرت اللہ سنجیدہ ہو گیا۔

''بالے...... وہ...... وہ......'' بتیاں چیخ اٹھی...... لیکن اُسے موقع نہ ملا...... چند گز سے سنسناتی ہوئی گولی بتیاں کے کومل جگر کو پارہ پارہ کر گئی......

''بتیاں...... میری جان...... کس ظالم نے......'' بالے نے دیوانہ وار بتیاں کے کمزور بے جان جسم کو سینے سے لگا لیا...... ''بتیاں...... آنکھیں کھولو...... میری جان...... بتیاں......'' وہ چیخ اٹھا۔

''تم اس سے شادی کرنا چاہتے تھے نا......؟'' جواد لوگوں کے ہجوم کو چیر کر بالے کے پاس آیا...... بالے کا خون کھول گیا...... تم...... تم نے میری بتیاں کو مار دیا...... ظالم! یہ تو نے کیا، کیا...... میں تمہیں کچا کھا جاؤں گیا...... زندہ نہیں چھوڑوں گا......'' بالا پلٹا اور جواد پر عقاب کی طرح جھپٹا......

اور دوسری گولی جواد نے بالے کے پار کر دی...... بالا چکرا کر بتیاں کے پیروں کے قریب گرا...... ''بتیاں...... میں تیرے بغیر زندہ رہ کر کیا کر......وں...... گا......'' اور بالے نے خون سے لت پت وجود کو بتیاں کے پیروں پر نچھاور کر دیا...... دونوں زندگی سے ہار مان گئے......

دونوں کی لاشوں کو کپڑے سے ڈھانپ دیا گیا......اور جواد کو آلہ قتل سمیت پولیس نے گرفتار کر لیا۔

(ختم شد)